بھیانک، لرزہ براندام اور پراسراریت کے گرداب
میں غوطہ زن ایک خوفناک تحیر انگیز طلسماتی کہانی
طلسم زاد
PP
PAKISTANIPOINT.COM
پاکستانی پوائنٹ
Aik Rabta Apnon Sey

بھیانک، لرزہ براندام اور پراسراریت کے گرداب
میں غوطہ زن ایک خوفناک تحیر انگیز طلسماتی کہانی

طلسم زاد

مکمل ناول

راشد نذیر طاہر

کتاب مارکیٹ نیو اردو بازار کراچی

نام کتاب	طلسم زاد
مصنف	راشد نذیر طاہر
سن اشاعت	مارچ 2008ء
ناشر	ڈر پبلی کیشنز
پرنٹر	البرکت پرنٹرز
قیمت	[illegible] روپے

اسٹاکسٹ

ویلکم بک پورٹ	اردو بازار کراچی
رشید نیوز ایجنسی	فرئیر مارکیٹ کراچی
اشرف بک ایجنسی	کمیٹی چوک راولپنڈی
شمع بک اسٹال	ریگل روڈ فیصل آباد

پیش لفظ

خالق کائنات نے دنیا میں بے شمار عجائبات اور ماورائی مخلوق پیدا کر رکھے ہیں اور پھر علم کا بھی لامتناہی سلسلہ نظر آتا ہے جو کہ عام انسان کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ دن بدن انسان کا تجسس بڑھتا ہی جارہا ہے کہ وہ کائنات کی مخفی چیزوں کا پتہ چلا سکے۔ لیکن یہ عجائبات ایسے ہیں کہ کبھی نہ ختم ہونے والے اور نہ ہی مکمل طور پر انسان کے سامنے آنے والے۔ جیسا کہ دنیا میں ایک جزیرہ ایسا ہے جسے ماہرین نے ٹرائی اینگل کا نام دیا ہے۔ اس جزیرہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی حدود میں آنے والی ہر مادی شے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انسانی نظروں سے ناپید ہو جاتی ہے۔ ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود آج تک کوئی بھی انسان اس راز پر سے پردہ نہ اٹھا سکا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ جادو اور سحر کی حقیقت سے بھی کسی کو انکار نہیں اور اس کی حقیقت قرآن میں بھی موجود ہے۔ قرآن میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے مبہوت ہو کر فرعون نے اپنی سلطنت کے بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کیا تاکہ وہ اپنے جادو کے زور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عاجز کر دیں۔ مصریوں کا بھی عقیدہ تھا کہ کائناتی نظام میں سحر، جادو، طلسم ایک حقیقت ہے جس پر قابو پا کر ہر چیز حاصل کی جا سکتی ہے اور اس علم میں بیر، آسیب، عفریت اور موکل کام کی انجام دہی پر معمور ہیں اور وہی عامل کے مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ اور پھر کچھ روحیں بھی ایسی ہوتی ہیں جو اس کائناتی نظام میں اچھے اور برے کام کے لیے عمل پیرا ہیں۔ زیر نظر کہانی طلسم زاد بھی مخفی ماورائی مخلوق و علم کی ایک کڑی ہے۔ جس میں قارئین کی دل چسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے جادو، ٹونے، سحر اور طلسم کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

قارئین! یہ ناول پہلے ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ میں شائع ہو چکا ہے۔ اب کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔ آپ کو کیسا لگا پڑھ کر ضرور بتائیں۔ شکریہ

راشد نذیر طاہر

عمارت دھڑ ادھڑ جل رہی تھی، آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ حالانکہ میرے پاس قطعی وقت نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود میں یہ منظر دیکھ کر اپنے ماضی میں کھو سا گیا۔

وہی ماضی ...... جس کے دھندلکے ایسے ہی شعلوں سے لپٹے ہوئے تھے، وہی ماضی ...... جس میں میرے ماتا پتا اور موہنی سی صورت والی بہن رکشنا ایسی ہی لگائی ہوئی آگ کی چتا میں زندہ جل گئے تھے۔

دنیا کی ریت ہے کہ یا تو مردوں کو دفن کیا جاتا ہے ...... یا پھر ان کو جلا دیا جاتا ہے ...... لیکن میرے گھر والے ان بدنصیبوں میں سے تھے، جنہیں جیتے جی آگ میں جھونک دیا گیا تھا ...... اور ایسے حال میں کہ ان کی چیخیں سننے والا بھی کوئی نہ تھا۔

دفعتاً میں خیالات کی دنیا سے نکل آیا، میرا ساتھی فورمین الیاس میرا کندھا ہلا رہا تھا۔ ''چلو ساون ...... سیڑھی لگا دی گئی ہے۔''

''آں ...... ہاں ...... '' مجھے جیسے ہوش آ گیا۔ ''چلو ...... میں ...... ذرا ......''

''ہجوم بھی تو اتنا ہے ......'' الیاس سامنے دیکھ کر بولا۔

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا، چاروں طرف سر ہی سر دکھائی دے رہے تھے اور ان کی تعداد میں مزید اضافہ ہی ہو رہا تھا۔

عورتیں، مرد، بوڑھے اور جوان ...... بدحواسی کے عالم میں دھکم پیل کرتے، عمارت سے باہر آ رہے تھے۔ ان سب کے چہرے خوف سے لرزیدہ ہو رہے تھے، گویا موت کا فرشتہ آگ کا روپ دھار کر ان پر جھپٹ رہا تھا۔

ان لرزیدہ چہروں میں کئی چہرے ایسے بھی تھے، جن کی سندرتا پر کئی کویتائیں لکھی جا سکتی تھیں، ان کے سلونے روپ کے آگے چاند کی چاندنی بھی شرما جاتی ہو گی ...... لیکن اس وقت ان سب کی

ندرنا ماند پڑی ہوئی تھی...... ان ہرنی جیسی آنکھوں میں دل کشی کے بجائے خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔ میں نے جلدی سے ان سب پر سے نگاہ ہٹائی اور لوہے کی سیڑھی پر قدم رکھ دیا۔

☆......☆......☆

میرا نام ساون کمار شرما ہے...... اس سے پہلے کہ میں اپنی طویل اور سنسنی خیز داستان کا آغاز کروں...... میں یہ بتا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں کوئی پیشہ ور لکھاری ہرگز نہیں ہوں...... لیکن اس کے باوجود میں اپنی زندگی کی کتاب کے سارے پنے (ورق) آپ لوگوں کے سامنے رکھ دینا چاہتا ہوں۔

حالات نے مجھے جس دھارے پر چلایا ہے، اسی ماحول نے مجھ پر گہرا اثر چھوڑا ہے...... اور اس صورت میں سب کچھ ممکن ہے۔ البتہ میرے انداز بیان میں اگر پختگی نہ ملے، تو نوآموز سمجھ کر معاف کر دیجئے گا۔

میں اپنے ماضی کو صرف آگ کے شعلوں سے تعبیر کرتا ہوں...... کیونکہ مجھے اپنا وہ سپنا آج تک یاد ہے...... جو اکثر راتوں میں مجھے نیند سے جگا کر چیخ پڑنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ ہمیشہ ایک ہی سپنا...... جو شاید میرے بچپن کی پرچھائیں بن گیا تھا۔

''میں دیکھتا تھا کہ میرے اردگرد سینکڑوں چمکتے ہوئے پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ ان کی روشنی اتنی ہے کہ میری آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں...... میں ان چمکدار پتھروں کو ہاتھ لگانے کی کوشش کرتا ہوں...... لیکن وہ مجھ سے دور ہو جاتے ہیں...... پھر میں بھی آگے بڑھتا ہوں...... جوں جوں میرے قدم اٹھتے ہیں، وہ چمکدار پتھر بھی مجھ سے دور ہوتے جاتے ہیں...... پھر میں ان کے پیچھے دوڑتا ہوں...... اندھا دھند بھاگتا ہوں، اچانک ہی وہ پتھر غائب ہو جاتے ہیں اور یکا یک میں خود کو آگ کے دائرے میں گھرا ہوا دیکھتا ہوں...... یعنی چاروں طرف آگ ہی آگ...... اور پھر یہ شعلے میری طرف بڑھنے لگتے ہیں...... میں ان کی تپش سے جھلسنے لگتا ہوں......'' پھر میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ تب مجھے احساس ہوتا تھا کہ یہ ایک سپنا تھا۔

میری چیخ سن کر میری ماں بھی ہڑبڑا کر اٹھ جاتی تھی۔

''کیسا چیختا ہے رے تو......؟'' وہ جھلا کر بولتی۔ ''بھگوان نے بچے کے بجائے بکرا ڈال دیا ہے میری جھولی میں...... بالکل بکرے کی طرح ڈکراتا ہے تو......''

''ماں...... ماں...... وہی سپنا دکھتا ہے مجھے......'' میں منہ بسور کر کہتا۔ اور ماں بڑبڑاتی ہوئی نیند کے عالم میں مجھے تھپکیاں دیتی اور خود سو جاتی...... اس کے دوسرے پہلو میں رکشنا بھی بےخبر سو

رہی ہوتی تھی۔

آخر کار ایک دن میرے باپو کو مجھ پر رحم آ ہی گیا۔ ویسے بھی وہ مجھے کچھ زیادہ ہی چاہتے تھے۔ وہ مجھے ایک سادھو مہاراج کے پاس لے گئے۔ سادھو مہاراج اپنی عمر کے آخری دور میں تھے ..... انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ساتھ ہی میرے سر پر بھی بڑی محبت سے ہاتھ پھیرا ..... اب ان کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز اور عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ جس کا مفہوم آج میری سمجھ میں آتا ہے۔ باپو نے انہیں میرا سپنا بتایا، وہ خاموشی سے سنتے رہے ..... آخر کار ان کے ہونٹ ہلے۔

''بالک ..... تو چنتا مت کر ..... اسے ..... اس کے ستاروں نے چن لیا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں مہاراج .....؟'' باپو بولے۔

''تجھے سمجھنا بھی نہیں چاہئے ..... یہ پھیر تیری بدھی کے لئے نہیں ہے ..... بس ..... اسے آگ سے بچالے ..... اور کہیں بھیج دے۔''

''کہاں بھیجوں مہاراج ..... میں اسے اپنے سے الگ کیسے کرسکوں گا .....؟'' میرے باپو پریشان ہو کر بولے۔

''جیون بھر کے لئے کون کہتا ہے؟'' سادھو مہاراج نے آنکھیں دکھائیں۔ ''کچھ سمے کے لئے اسے کہیں اور لے جا ..... اس کا سپنا ٹوٹ جائے گا۔ اس کے شریر پر کوئی نشان ہے .....؟''

''نشان .....'' میرے باپو سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر چونک کر بولے۔ ''ہاں مہاراج ..... اس کی پیٹھ پر ایک کالا سا دھبہ ہے تو .....'' یہ کہہ کر باپو نے میری پیٹھ ننگی کرنے کے لئے میری قمیض اٹھانے کی کوشش کی۔

''رہنے دے بس ..... اور لے جا اسے ..... کہیں دور لے جا .....'' سادھو مہاراج نے فوراً ہی ہاتھ اٹھایا۔ میرا باپو جلدی سے مجھے لے کر باہر نکل آیا تھا۔ اور پھر مجھے میری موسی کے ہاں بھیج دیا گیا۔ وہ دوسرے شہر میں رہتی تھیں۔

اور پھر جو کچھ ہوا ..... وہ کیوں ہوا .....؟ مجھے آج تک معلوم نہ ہو سکا۔ نہ جانے وہ کون سی منحوس گھڑی تھی۔ ایک دن جبکہ میں موسی کے یہاں بے خبر سو رہا تھا، میرا سپنا پورا ہو گیا۔

میرے گھر میں اچانک ہی آگ لگی اور میری ماتا ..... میرے باپو اور میری بہن رکشنا اسی آگ میں جل کر مر گئے۔ یہ کیسے ہوا .....؟ آگ کس طرح لگی .....؟ یہ تو بھگوان ہی جانے ..... مجھے تو پھر اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا تھا۔

مجھے یہ بھی احساس نہ ہو سکا کہ کب موسیٰ نے مجھے اپنے گھر سے نکالا اور کب میں اناتھ آشرم کی دیواروں کے پیچھے دھکیل دیا گیا۔ اناتھ آشرم سے روزنامہ امرت کے دفتر تک کا طویل سفر میں نے کس طرح طے کیا، یہ بہت طویل اور غمزدہ داستان ہے اور میں اسے یاد رکھنا نہیں چاہتا۔ میں روزنامہ امرت میں کالم وغیرہ لکھتا تھا، فائر بریگیڈ کے عملے میں شامل ہونا میرا جنون تھا۔

اپنے بچپن میں جس حادثے سے دوچار ہوا تھا، اسی تکلیف میں دوسروں کو دیکھنا مجھے ہرگز گوارا نہ تھا۔ جلتے ہوئے گھروں اور شعلوں میں گھرے ہوئے انسانوں کو بچانا اب میری زندگی کا اولین مقصد تھا۔

لیکن یہ سب مجھے منظور تھا، قسمت کو نہیں۔ اس بات کا احساس مجھے بعد میں ہوا۔

جس عمارت میں آگ لگی تھی وہ ہوٹل ریکسو کی تیسری منزل تھی۔ یہ ہوٹل پانچ منزلہ تھا۔ فائر بریگیڈ کا سارا عملہ حرکت میں آچکا تھا، آگ نے اتنی تیزی سے تیسری منزل کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا کہ اب چوتھی منزل بھی اس کی لپیٹ میں آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

نیچے جال بچھا دیا گیا تھا، فائر مین لاؤڈ اسپیکر پر مکینوں کو جال پر کود جانے کی ہدایات دے رہے تھے۔

الیاس کے علاوہ عملے کے اور بھی افراد میرے پیچھے تھے، میں کسی کو دیکھ نہیں سکا تھا، کیونکہ میں نے لوہے کی سیڑھی کے ذریعے اوپر چڑھنے میں کافی تیزی دکھائی تھی۔

میں تیسری منزل پر پہنچا اور آگ کے شعلوں سے بچتا ہوا کھڑکی کے ذریعے اندر کود گیا۔ یہ مجھے بعد میں معلوم ہو سکا کہ میرے دوسرے ساتھی چوتھی منزل پر اترے تھے۔

یہاں دھواں اس حد تک پھیلا ہوا تھا کہ گھٹن کا شدید احساس ہو رہا تھا۔ میں نے جلدی جلدی کاریڈور کی طرف قدم بڑھائے آنکھوں میں گویا مرچیں بھر گئی تھیں، کیونکہ دھواں کھڑکیوں کے ذریعے اندر داخل ہو رہا تھا۔

میں دراصل پوری طرح اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ کوئی فرد یہاں رہ تو نہیں گیا۔

اچانک دائیں جانب سے کوئی شخص نکلا اور ایک دم ہی میرے سامنے آ کھڑا ہوا، وہ کافی عمر رسیدہ لیکن تنومند بوڑھا تھا۔ مجھے ایسا لگا کہ جیسے وہ مجھے دیکھ کر کھل اٹھا ہو، حالانکہ وہ میرے لئے قطعی اجنبی تھا۔

اس نے فوراً ہی اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور میرے ہاتھ کو سیدھا کر کے کوئی چیز میری ہتھیلی پر رکھ دی، ساتھ ہی اس نے کہا۔ ”تم...... آ گئے......! مجھے تمہارا ہی انتظار تھا، یہ تمہاری امانت تھی میرے

پاس ... اب اسے تم سنبھال لو......"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا، پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بھڑکتی ہوئی آگ کے درمیان سے نکل کر دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ یقیناً جال پر گرا ہوگا۔

میں نے بے ساختہ اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا، وہ ایک سربہ مہر چھوٹی سی کتاب تھی، جو بوڑھا مجھے دے گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں پلٹ کر اس بوڑھے شخص کو دیکھتا، اچانک ہی کسی کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا گیا۔ جس راہداری سے بوڑھا نکلا تھا، اسی راہداری میں کسی کمرے سے آواز آئی تھی، میں آواز کی سمت دوڑ پڑا۔

"کوئی ہے......کوئی ہے......!" ایک دلکش لیکن ڈری سہمی سی نسوانی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

یہ آواز کمرہ نمبر 304 سے آئی تھی، کیونکہ اس کا دروازہ دھڑ ادھڑ پیٹا جا رہا تھا۔ اب چاروں طرف دھواں مزید بڑھ گیا تھا اور اس کی وجہ پانی کے وہ دھارے تھے، جو میرے عملے کے لوگ ہوٹل پر برسا رہے تھے۔ یہ آگ کی خصوصیت ہے، اگر اس پر پانی ڈالا جائے تو وہ طیش میں آ کر دھوئیں کی صورت میں اپنا غصہ دکھاتی ہے۔

میں نے بوڑھے کی دی ہوئی کتاب، بے خیالی میں اپنی پتلون کی جیب میں ڈال لی۔ اس وقت میرے گلے میں دھوئیں کا پھندا سا لگا۔ میں کھانستا ہوا دروازے کی طرف بڑھا، دروازہ باہر سے بند تھا، اور یہ کافی تعجب خیز بات تھی، لیکن یہ حیرت کرنے کا وقت نہیں تھا۔

میں نے جلدی سے کنڈی کھول ڈالی، آناً فاناً میں دروازہ کھلا اور ایک نوخیز جسم میری گردن میں آ کر جھول گیا۔

اس بے چاری کے کمرے میں بھی دھواں بھر چکا تھا، میں نے اس سنہرے بالوں والی دلکش خدوخال کی مالک لڑکی پر نظر ڈالی، وہ اس دیس کی باسی تو ہرگز نہیں تھی......اس کے نقش و نگار غیر ملکی تھے۔

وہ میری بانہوں میں بے خودی ہو کر جھول گئی تھی۔ اس کی مہک سے میری سانسوں میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ دفعتاً اس نے اپنی جھیل سی نیلی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

"یہ......یہ......کک......کیا ہو رہا ہے......؟ یہ... آگ......!" اس کے یاقوتی ہونٹوں نے جنبش کی۔

''ہوٹل میں آگ لگ گئی ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''کیسے......؟ کیوں......؟'' اس نے فضول سا سوال کیا۔ ساتھ ہی وہ بری طرح کھانسی۔

وقت بہت نازک تھا اور کم بھی...... ورنہ میرا دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ وہ یونہی میری بانہوں میں سدا رہے۔

میں نے بدقت تمام اسے خود سے علیحدہ کیا اور نیچے لگے ہوئے جال کے متعلق اسے آگاہ کر دیا۔ پھر جلدی سے اسے میں کھڑکی کے قریب لے آیا۔

وہ شدید خوف زدہ تھی، چنانچہ میں نے بڑی پھرتی سے اسے اٹھایا اور شعلوں کی زد میں آئی ہوئی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

نیچے ہونے والے شور شرابے کے باوجود میں نے اس لڑکی کی چیخیں صاف طور پر سنی تھیں۔ لیکن مجھے ایک فی صد بھی امید نہیں تھی کہ وہ جال کے علاوہ کہیں اور گری ہوگی۔

اس جانب سے فارغ ہونے کے بعد میں نے پوری منزل چھان ماری، لیکن اب یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

اب میرا رخ اوپری منزل کی طرف تھا۔

☆......☆......☆

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ کاش، اس سادھو مہاراج نے میرے ماتا پتا اور رکشنا کو بھی آگ سے دور چلے جانے کے لئے کہہ دیا ہوتا...... کاش......!

کم از کم وہ اس دنیا میں تو ہوتے...... نہ جانے سادھو مہاراج کو مجھ سے کیا ہمدردی تھی......؟ ایک میرے آگ میں جھونکے جانے سے ان کا کون سا ایمان ہو رہا تھا...... مجھے کیوں انہوں نے دور بھجوا دیا تھا......؟ اور میں اب اس بھری دنیا میں تنہا تھا......!

یہ خیالات اکثر مجھے پریشان کرتے تھے...... میں واپس اپنے فلیٹ پہنچا، تو شام ڈھل چکی تھی۔ ہوٹل ریکسو میں لگی ہوئی آگ پر قابو پانے میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا تھا۔ یہ بھی خوش آئند بات تھی کہ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔ یہ آگ کیوں لگی اور کیسے لگی......؟

یہ معلوم کرنا یا معلوم ہونا، میرے لئے قطعی دلچسپی کا باعث نہ تھا...... مجھے تو بس لوگوں کو بچا کر اور آگ بجھا کر شانتی مل جاتی تھی۔ آگ میرے ماضی کی دشمن تھی اور میں اپنے حال میں اپنے اس دشمن کو زک دینے کا پورا پورا تہیہ کر چکا تھا۔

میں تھکا ہارا اپنے فلیٹ میں داخل ہوا، سب سے پہلے تو میں نے غسل کیا، اس کے بعد میں

نے کچن کا رخ کیا، تاکہ کافی پی کر فریش ہوسکوں۔ تھوڑی دیر بعد میں اپنی آرام دہ کرسی میں نیم دراز ہو کر کافی کے گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے اپنی سوچوں میں گم ہو گیا۔

ذہن خواہ مخواہ ہی ادھر ادھر بھٹک رہا تھا، یکا یک مجھے وہ بوڑھا یاد آیا، جو ہوٹل میں مجھے ایک چھوٹی سی کتاب دے گیا تھا۔

اس کتاب کو تو میں بھول ہی گیا تھا۔ اس بوڑھے نے یہ کیوں کہا تھا۔ ''یہ تمہاری امانت ہے اسے اپنے پاس رکھ لو۔''

اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ حالات کے پیش نظر وہ بوڑھا بوکھلایا ہوا تھا...... اسی لئے گھبراہٹ کی وجہ سے وہ کسی اور کے دھوکے میں مجھے وہ کتاب دے گیا تھا۔ شاید وہ آگ سے کچھ زیادہ ہی خوفزدہ ہو گیا تھا۔

میرا ارادہ تھا کہ کافی پینے کے بعد اس کتاب کا جائزہ لوں گا، اور اگر اس کتاب پر کوئی پتہ وغیرہ درج ہوا تو اسے مستحق تک پہنچا دوں گا۔ اس بوڑھے کو تو میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے اس تک پہنچنا تو ناممکن ہی تھا۔

وہ کتاب یقیناً میرے اتارے ہوئے پینٹ کی جیب میں تھی۔ ابھی میں کافی سے فارغ ہو کر غسل خانے کی طرف جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ دروازے کی بیل بج اٹھی۔

میں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا..... اس وقت کون آسکتا ہے......؟ کمال تو ہو نہیں سکتا تھا...... کیونکہ وہ چھٹی کے علاوہ کسی بھی دن میرے پاس نہیں آتا تھا۔

بس وہی میرا دوست تھا، حالانکہ وہ میرا فورمین تھا۔ لیکن یہ دوستی بھی صرف چھٹی والے دن کی شام تک ہی برقرار رہتی تھی۔ میں اٹھ کر دروازہ کے قریب آ گیا

''کون......؟'' میں نے ہینڈل گھماتے ہوئے پوچھا۔

''دروازہ کھولیئے......'' ایک دلکش نسوانی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی، لہجہ غیر ملکی تھا۔

دروازہ کھولتے ہی مجھے شدید حیرت سے دوچار ہونا پڑا۔ کیونکہ یہ تو وہی لڑکی تھی، جسے میں نے آگ کی وجہ سے ہوٹل کے کمرے سے نکال کر جال پر پھینکا تھا۔

میں ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور وہ میری کیفیت سے محظوظ ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی لیکن دلکش مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ وہ اسکرٹ اور بلاؤز میں ملبوس تھی، خاص طور پر اسکرٹ کا گلابی رنگ اس کی دودھیا رنگت پر بے حد جچ رہا تھا۔

پہلی ملاقات میں وہ وحشت زدہ تھی، شاید یہی وجہ تھی کہ وہ اس وقت مجھے اور بھی زیادہ حسین

دکھائی دے رہی تھی۔

''اندر نہیں بلائیں گے......؟'' اس کے ہونٹوں نے جنبش کی۔

میں یکدم ہی اس کے حصار سے نکل آیا۔ ''آں...... ہاں...... خوش آمدید......'' میں نے اسے راستہ دیا۔

اس نے اندر آنے کے بعد ایک نظر ڈرائنگ روم پر ڈالی اور صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''میرا نام فلوریڈا ہے۔''

''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر......'' میں نے جلدی سے سر ہلایا۔ ''میرا نام......''

''ساون ہے......'' وہ جلدی سے میری بات کاٹ کر بولی۔ ''ساون کمار...... ہے نا...... مجھے آپ کا نام معلوم ہے...... جب ہی تو آپ کے فلیٹ تک پہنچی ہوں۔ دراصل...... میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی...... اسی لئے میں فائر بریگیڈ کے دفتر گئی تھی اور پھر آپ کا حلیہ بتا کر آپ کا پتا حاصل کر لیا۔''

''کس بات کا شکریہ......؟'' میں نے سوال کیا۔

''کھڑکی سے باہر اٹھا کر پھینکنے کا......؟''

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ میرے کانوں میں گویا آواز جرس سی بج اٹھیں۔

''آپ نے میری جان بچائی ہے...... اس کے لیے شکریہ......''

''یہ تو میرا فرض تھا...... بھگوان نے میرے گھر میں آگ لگوادی تھی، میں دوسروں کے گھروں کی آگ بجھا کر اس کی کرپا کے گیت گا رہا ہوں۔''

''اوہ...... تم تو بہت دکھی لگتے ہو......!'' اس کے لہجے میں تشویش عود کر آئی۔ وہ آپ سے تم پر اتر آئی تھی۔ ''کیا تم اکیلے رہتے ہو......؟''

''ہاں......'' میں نے ایک طویل سانس لی۔ ''بمبئی شہر کتنا بڑا اور گنجان آباد ہے...... یہاں انسانوں کی تعداد اتنی ہے کہ روزانہ کئی افراد فاقوں سے مر جاتے ہیں...... اور اس کے باوجود میں اکیلا ہوں تنہا ہوں۔''

''تم واقعی بہت دکھی ہو......'' فلوریڈا کی آنکھیں میرا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ ''میں، میں تمہاری زندگی کے بارے میں ضرور جاننا چاہوں گی...... کیونکہ...... مجھے بھی اب تم تنہا ہی سمجھو......''

''میں سمجھا نہیں......'' میرا لہجہ الجھن آمیز تھا۔ ''تم کیا کہنا چاہتی ہو......؟''

''بات دراصل یہ ہے کہ میں اپنے ڈیڈی کے ساتھ فرانس سے یہاں...... ہندوستان آئی، کہاں فرانس اور کہاں ہندوستان...... !لیکن یہ سفر میں نے صرف اپنے ڈیڈی کی وجہ سے طے کیا ہے۔''

''جب تمہارے ڈیڈی تمہارے ساتھ ہیں...... تو پھر تنہائی کس بات کی......؟'' میں نے سوال کیا۔

''اوہو...... سنو تو سہی......'' نہ جانے کیوں وہ جھلا اٹھی، پھر دوسرے ہی لمحے معذرت خواہ انداز میں بولی۔ ''معاف کرنا...... میں دراصل بہت پریشان ہوں...... میرے ڈیڈی کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے، میں تو یہی سمجھتی ہوں۔ ان کے یہاں آنے کا مقصد جانتے ہو کیا ہے......؟''

''کیا ہے......؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''انہوں نے اتنی دور دراز جگہ کا سفر صرف ایک چھوٹی سی بات کے لئے کیا ہے...... ان کا کہنا تھا کہ ان کے پاس براعظم ایشیا کے ملک ہندوستان کے ایک شخص کی امانت موجود ہے...... اور وہ اس کی امانت لوٹانا چاہتے ہیں۔''

''اوہ......'' میرے منہ سے نکلا۔ بڑی مشکل سے میں نے خود پر قابو رکھا تھا۔ میرے ذہن میں وہ بوڑھا گھومنے لگا...... اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بوڑھا اس لڑکی فلوریڈا کا باپ تھا......

''تمہارے ڈیڈی ہیں کہاں......؟'' کسی خیال کے تحت میں نے پوچھا۔

''جب سے ہوٹل میں آگ لگی ہے...... وہ تب سے ہی غائب ہیں۔ ان کا کہیں پتا نہیں ہے۔''

''تم نے پولیس میں رپورٹ درج کروائی......؟'' میں نے پوچھا۔

''رپورٹ......!'' نہ جانے کیوں وہ گڑبڑا سی گئی! پھر فوراً ہی سنبھل کر بولی۔ ''یہ تو ان کی پرانی عادت ہے...... وہ بعض اوقات مہینوں گھر سے غائب رہتے ہیں اور پھر خود ہی واپس آجاتے ہیں...... میں پہلے پہل تو کافی پریشان رہتی تھی...... لیکن پھر میں عادی ہوگئی......''

''جب تم ہوٹل میں اپنے کمرے کا دروازہ پیٹ رہی تھیں...... تو دروازہ باہر سے کیوں بند تھا......؟''

''میرے ڈیڈی نے ہی اس کی کنڈی لگائی تھی۔'' فلوریڈا سرد آہ بھر کر بولی۔ ''وہ اپنے اس امانت دار کو ڈھونڈنے کے لئے گئے تھے...... اور اسی لئے انہوں نے میرا کمرہ لاک کر دیا تھا۔''

''لیکن تمہارے ڈیڈی نے ایسا کیوں کیا......؟''

''یہ بھی ان کی عادت کا قصور ہے......''فلوریڈا کی ہنسی میں گویا زہر گھلا ہوا تھا۔''وہ جب بھی کہیں جاتے ہیں...... مجھے اسی طرح نظر بند کر کے جاتے ہیں۔''

''ہوں......''میں نے مختصر سا جواب دیا اور سوچ میں ڈوب گیا۔

''سنو ساون......!''وہ میرے قریب آ کر بیٹھ گئی اور میری آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔''میں یہاں......اس شہر میں فی الوقت اکیلی ہوں......تم میرے ڈیڈی کو ڈھونڈنے میں میری مدد کرو گے......؟''

''پہلے تم یہ بتاؤ کہ کافی پیؤ گی یا......؟''میں نے اس کی بات اڑا دی۔

''وہسکی......اگر مل جائے تو......لیکن صرف چند گھونٹ......''فلوریڈا نے ملتجیانہ انداز سے کہا۔

میں نے سر ہلایا اور فریج کی طرف بڑھ گیا۔فلوریڈا کی باتیں نہ جانے کیوں میرے حلق سے نہیں اتر رہی تھیں۔

جس وقت آگ لگی ہوئی تھی،اسی وقت تو وہ بوڑھا (جسے فلوریڈا اپنا باپ کہہ رہی تھی) مجھے کتاب تھما کر آگ میں غائب ہوا تھا،اگر فلوریڈا اس کی بیٹی تھی،تو ایک باپ اپنی بیٹی کو شعلوں میں گھرا ہوا چھوڑ کر کیسے بھاگ نکلا......؟

فلوریڈا کا بیان مجھے من گھڑت لگ رہا تھا،سب سے زیادہ جو بات میرے ذہن میں چبھ رہی تھی،،فلوریڈا کا کمرہ باہر سے بند ہونا تھا۔اس نازک وقت میں وہ کمرے میں قید تھی۔

میں قدرتی طور پر کافی ذہین واقع ہوا ہوں،وہسکی گلاسوں میں انڈیلتے وقت میں نے کافی غور و غوض کرنے کے بعد گلاس اٹھائے اور فلوریڈا کی طرف پلٹ آیا۔فلوریڈا نے شکریہ کے ساتھ میرے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔

''میں ذہنی طور پر بہت تھک گئی ہوں ساون......!بہت تھک گئی ہوں۔''وہ بڑبڑائی۔

''تم فکر مت کرو......''میں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔''سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا......وہ امانت اتفاقاً میرے پاس پہنچ چکی ہے......''

میرے اس انکشاف سے وہ ایسے اچھلی،جیسے بجلی کے ننگے تاروں کو چھو لیا ہو۔بڑی مشکل سے اس نے اپنی کیفیت کو قابو میں کیا اور جلدی سے بولی۔

''کب......کیسے......؟''

میں اسے بہ غور دیکھ رہا تھا۔پھر میں نے اسے مختصراً اس بارے میں بتا دیا۔دراصل میں دیکھنا

چاہتا تھا کہ اس کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔ بوڑھے کے جملے میں نے حذف کر دیئے تھے۔

''اف...... خدا......'' فلوریڈا کے منہ سے نکلا۔ ''ڈیڈی اس وقت ہوٹل میں ہی تھے۔ آہ...... وہ کب ذہنی طور پر جاگیں گے......؟''

''ان کی کب سے ایسی حالت ہے......؟'' میں نے گلاس منہ سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

''جب سے میری ممی کا انتقال ہوا ہے۔'' اس نے پھر سرد آہ بھری۔ ''اور اگر میرے ڈیڈی اس حال کو پہنچے ہیں، تو اس میں ان کا قطعی کوئی قصور نہیں ہے...... میری ممی تھیں ہی ایسی نفیس عورت محبت کرنے والی...... دکھ درد بانٹنے والی......''

''مجھے افسوس ہوا......'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''خیر...... اب تم یہ بتاؤ کہ تم نے وہ چیز سنبھال کر رکھی ہے نا......؟'' فلوریڈا کا انداز سرسری سا تھا۔

''کون سی چیز......؟'' میں چونکا۔

''وہی...... جو ڈیڈی نے تمہیں دی تھی......'' فلوریڈا نے واضح کیا۔

''اوہ...... ہاں...... رکھی ہوئی تو ہے......'' میں نے سر ہلایا۔

''کہاں......؟'' اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

''تمہیں اپنے ڈیڈی کی زیادہ فکر ہے...... یا اس چیز کی......؟'' میں نے اسے گھورا۔

''فکر تو مجھے ڈیڈی کی ہے......'' وہ جلدی سے بولی۔ ''لیکن جب انہیں معلوم ہوگا کہ امانت انہوں نے جلدی میں کسی اور کے ہاتھوں میں دے دی ہے، تو وہ کہرام مچا دیں گے۔''

''تم فکر مت کرو...... وہ امانت میرے پاس محفوظ ہے...... یہ بتاؤ کہ کیا تم اس امانت کے اصل وارث کا نام پتا وغیرہ جانتی ہو......؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں......'' اس نے انکار میں سر ہلایا۔

''وہ امانت...... کب سے تمہارے ڈیڈی کے پاس ہے......؟''

''یہ بھی مجھے نہیں معلوم......''

''خیر......'' میں نے لاپروائی سے گھڑی کی طرف دیکھا، رات کے 10 بج چکے تھے...... تو باتوں میں وقت کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔

''اب تم کیا چاہتی ہو......؟'' میں نے دوبارہ پوچھا۔

''ڈیڈی کی بازیابی...... اور وہ بھی جلد سے جلد......''

''ہوں ..... تمہارے ڈیڈی کا نام کیا ہے.....؟''

''تھامسن ..... ایس۔ کے۔ تھامسن .....'' اس نے بتایا۔

''ایسا کرو کہ پہلے تو تم یہاں سے نکل کر سیدھی پولیس اسٹیشن جاؤ اور رپورٹ لکھوا دو ..... پھر میں کل صبح تمہاری رہائش گاہ پر آ جاؤں گا ..... ہم دونوں مل کر انہیں ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''کون سی رہائش گاہ .....؟'' وہ حیرت سے بولی۔ ''میں اتنی رات میں اکیلی کہاں جاؤں گی .....؟ ہوٹل کی درستگی میں تو دو تین دن لگ جائیں گے۔''

''تو پھر .....؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''تم کہاں رہو گی .....؟''

''فی الحال تمہارے ساتھ .....'' یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اس نے میری گردن میں اپنی بانہوں کا ہار ڈال دیا۔

میں لمحہ بھر کے لئے سٹپٹا گیا تھا، لیکن پھر فلوریڈا کی یہ حرکت مجھے بہت بھلی لگی۔ میں اٹھ کھڑا ہوا ..... ساتھ ہی میں نے خود بھی اس کے گرد اپنے مضبوط بازوؤں کا گھیرا ڈال دیا۔

اس نے میرے کاندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ رو رہی تھی۔

''ارے ..... تم رو کیوں رہی ہو .....؟'' میں نے اپنی گرفت بڑھاتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''ایسے ہی ..... تمہاری بانہوں میں بہت سکون ہے ساون ..... کاش ..... یہ رات یونہی گزر جائے۔''

''میں بھرپور کوشش کروں گا .....'' میرا انداز والہانہ تھا۔

پھر وہ میری بانہوں سے آزاد ہو کر میری شکل دیکھنے لگی ..... یونہی نہ جانے کتنے پل گزر گئے۔ اس کی آنکھیں مخمور ہو کر اور بھی خوب صورت لگ رہی تھیں، چہرے پر چھا جانے والی سرخی نے اس کے حسن کو دوبالا کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

فلوریڈا نے اس رات مجھے جن جہانوں کی سیر کرائی تھی، ان سے میں واقف تو تھا، لیکن اس سفر میں فلوریڈا کی ہمراہی نے جو لذت بخشی تھی، وہ مجھے کبھی بھی میسر نہیں آئی تھی۔ جسم تھک کر چور

ہورہا تھا، اس لئے نیند نے مجھے فوراً ہی اپنے حصار میں لے لیا۔

صبح کافی دن چڑھے میری آنکھ کھلی، ذہن کچھ اعتدال پر آیا، تو میں صوفے پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ لیکن پھر جیسے ہی میری نظر بیڈ پر پڑی، میں چونک اٹھا...... کیونکہ بیڈ خالی تھا۔

''ہوسکتا ہے کہ فلوریڈا باتھ روم میں ہو۔'' میں نے سوچا۔

میں اٹھ کر کھڑا ہوا، ایک طویل انگڑائی لی اور گھڑی پر نظر ڈالی، ساڑھے نو بج چکے تھے، جبکہ میں جلدی اٹھنے کا عادی تھا۔

عین اسی وقت مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا، میں نے چاروں طرف نظر ڈالی اور بھونچکا رہ گیا۔

کمرے کا سامان بے ترتیب تھا، میز کی درازیں بھی کھلی پڑی تھیں، یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے کمرے کی جامع تلاشی لی ہو۔ میں جھپٹ کر غسل خانے کی طرف بڑھا، اس کا دروازہ بھی چوپٹ کھلا ہوا تھا، فلوریڈا یہاں بھی نہیں تھی۔

معاً مجھے وہ کتاب یاد آئی، جو پینٹ کی جیب میں ہی رہ گئی تھی۔

میں غسل خانے میں جا گھسا اور کپڑوں کی طرف بڑھا، لیکن پھر جلد ہی مجھے یہ احساس ہوگیا کہ اب وہ کتاب وہاں ہرگز نہیں ہے۔ میری جیب خالی تھی۔

☆......☆......☆

فلوریڈا غائب تھی اور اس کے ساتھ وہ کتاب بھی!

میرے فلیٹ میں دو کمرے تھے اور ان دونوں کمروں کی حالت بتا رہی تھی کہ کوئی چیز بڑی مہارت کے ساتھ تلاش کی گئی ہے۔ گھر کا کونا کونا چھان مارا گیا تھا اور اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ فلوریڈا میرے پاس آئی ہی اسی مقصد سے تھی۔

سب سے زیادہ اہم سوال یہ تھا کہ اس کتاب میں تھا کیا......؟ میرے خیال سے وہ انتہائی پراسرار حالت میں میرے پاس پہنچی تھی اور پھر اسی طرح سے غائب بھی ہوگئی تھی۔ فلوریڈا کی آمد بھی کم حیرت انگیز بات نہیں تھی۔ یہ سب کیا تھا......؟ وہ بوڑھا کون تھا......؟ فلوریڈا کون تھی......؟

جب وہ میرے پاس آئی تھی تو میرے ذہن میں صرف یہ بات تھی کہ اسے ٹائم پاس کے لئے کسی ساتھی کی تلاش ہے۔ لیکن اب مجھے یاد آ رہا تھا کہ وہ امانت والی بات سنتے ہی کس طرح چونکی تھی۔ اب صاف طور پر میرے سامنے آ رہا تھا کہ وہ صرف اس کتاب کی متلاشی تھی۔

میری جیبوں کی تمام نقدی بھی بالکل محفوظ تھی۔

ناشتے کے دوران میں نے کافی سوچ بچار کی اور پھر لباس تبدیل کرنے کے بعد میں فلیٹ سے نکل کھڑا ہوا۔

سب سے پہلے تو میں اخبار کے دفتر پہنچا۔ ایڈیٹر کرن کپور ابھی دفتر آیا نہیں تھا۔ میں نے اپنا تازہ کالم چپراسی کے حوالے کیا اور فائر بریگیڈ کے دفتر روانہ ہو گیا۔

الیاس بھی میرے ساتھ ساتھ ہی آفس میں داخل ہوا تھا۔ کئی معنی خیز نگاہوں نے میرا استقبال کیا تھا۔

''کیا بات ہے بھئی......؟ کیا آج میں زیادہ ہی سندر لگ رہا ہوں......؟'' میں نے ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں نہ لگو گے سندر......؟'' چندر موہن ہنسا۔ وہ سپروائزر تھا۔

''سندری سے ملو گے تو سندر ہی لگو گے نا......!''

''کون سندری......؟'' میں انجان سا ہو گیا۔

''اب بنو مت......'' الیاس نے ٹہوکا دیا۔ ''کل ایک حسین دوشیزہ تمہارا پتا پوچھتی پھر رہی تھی۔''

''او ہاں......'' میں نے سر ہلایا۔ ''وہ میرے پاس آئی تھی، کل ہوٹل میں، میں نے ہی اسے جال پر پھینکا تھا، وہ میرا شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔''

''صرف شکریہ ادا کرنے......؟'' الیاس نے میری شکل تکتے ہوئے سوال کیا۔ ''تمہاری آنکھوں کی سرخی تو بتا رہی ہے کہ بات شکریہ سے کافی حد تک آگے بڑھی تھی۔''

''اور...... وہ سندری واپس کب گئی......؟'' چندر موہن نے بھی بڑے بھولے پن سے حملہ کیا۔

''تم لوگ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو......'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''باری باری حملہ کرو تو مقابلہ بھی کروں......''

''اتنی جان باقی ہے......؟'' چندر موہن نے معنی خیز مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے پوچھا۔

''تم لوگ جیتے...... میں ہارا......'' میں نے ہاتھ جوڑ لئے۔ ''ہاں...... بات شکریہ سے آگے بھی بڑھی تھی۔''

''وہ بدیسی دوشیزہ تھی کون......؟'' الیاس نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا...... لیکن اب یہ ضرور جاننا چاہوں گا۔'' میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

پھر میں یہاں بھی زیادہ دیر نہیں رکا تھا۔ اب میرا رخ ہوٹل ریکسو کی جانب تھا۔ ہوٹل کے کاؤنٹر پر میں نے اپنا پریس کارڈ شو کیا۔ کاؤنٹر کلرک کو فلوریڈا کا نام بتا کر اسی کی بابت پوچھا۔

''فلوریڈا...... فلوریڈا......'' کلرک نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے رجسٹر کے صفحے پلٹے۔ ''اس نام کی لڑکی...... ہاں...... تھی تو سہی......''

تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھایا، میں اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ سر ہلا کر بولا۔ ''فلوریڈا تھامسن......!''

''ہاں...... ہاں...... وہی......'' میں نے جلدی سے جواب دیا۔

''وہ تو...... کل شام کو ہی یہاں سے رخصت ہوگئی تھیں...... اپنا حساب بے باق کر کے......''

''اوہ...... اور اس کا باپ...... تھامسن...... وہ کہاں ہے......؟'' میں نے پھر سوال کیا۔

''تھامسن......؟'' کاؤنٹر کلرک نے مجھے گھورا۔ ''ہوسکتا ہے کہ اس کے باپ کا نام تھامسن ہو...... لیکن جناب......! وہ تو یہاں اکیلی رہائش پذیر تھی...... اس کا کمرہ نمبر 304 تھا......''

''اکیلی......؟؟'' میرے منہ سے نکلا۔ پھر میں نے جلدی سے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''لیکن میرے علم میں تو یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ تھی۔''

''آپ کی معلومات غلط ہے......'' کاؤنٹر کلرک اب کچھ بیزار سا ہو چلا تھا۔ ''وہ ایک ہفتہ قبل یہاں اکیلی ہی آئی تھیں۔''

''کہاں سے آئی تھی وہ......؟''

''جہاں سے سب آتے ہیں۔'' کلرک بے ساختہ بولا تھا۔

''یہ تو مجھے بھی معلوم ہے......'' میں نے سر ہلایا۔ ''میرا مطلب ہے کہ وہ کہاں کی باشندہ تھی۔''

''یہاں پر تو نائیجیریا درج ہے......''

''اوہ......'' میرے منہ سے نکلا...... اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ فلوریڈا نے مجھ سے مستقل غلط بیانی سے کام لیا تھا۔

پھر میں نے کسی خیال کے تحت اس بوڑھے کا حلیہ کاؤنٹر والے کو بتایا اور اس کی بابت سوال کیا۔

''اس طرح کیسے بتا سکتا ہوں۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ ''اگر نام وغیرہ معلوم ہوتا تو

شاید ....."

"اگر تھامسن نام ہوتو ......" میں نے پوچھا۔

"تو پھر معذرت ......" اس نے جواب دیا۔"اس نام کا کوئی آدمی ہمارے ہوٹل میں نہیں ٹھہرا۔رہی بات حلیئے کی......تو اس حلیئے کے لاتعداد افراد آپ کو ہوٹل میں ملیں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو......" میں نے سر ہلایا اور ہوٹل سے باہر نکل آیا۔

اب میرا رخ دوبارہ اپنے آفس کی طرف تھا۔میں نے اپنا آفس ٹائم پورا کیا اور اس دوران میں کئی بار اپنے ساتھی عملے کی جملہ بازیوں کا نشانہ بنا۔لیکن میں نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ابھی تک میں نے گزرے ہوئے دن کا ہم راز کسی کو بھی نہیں بنایا تھا۔

میں شام کے وقت حسب معمول اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچا اور حیرت زدہ رہ گیا۔

فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور تالا غائب تھا۔جبکہ میں دروازہ لاک کر کے گیا تھا۔

میں نے آہستگی سے دروازے کے پٹ کھول ڈالے میرے خیال کے مطابق اندر کوئی بھی نہیں تھا۔

فلوریڈا کے چلے جانے کے بعد میں نے سارا سامان ترتیب سے رکھ دیا تھا۔لیکن اس وقت میری آنکھیں کچھ اور ہی منظر دیکھ رہی تھیں۔

میرا سامان ایک بار پھر الٹ پلٹ ہوا پڑا تھا۔بلکہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے پہلے سے بھی زیادہ بے دردی کا مظاہرہ کیا گیا ہو۔فلوریڈا نے بھی میرا گھر کھنگال کر رکھ دیا تھا،لیکن اتنا برا حال تو ہرگز نہیں تھا۔

میں نے سن گن لی اور اندر داخل ہو گیا۔صوفے،کرسیاں،بیڈ اور ٹیبل وغیرہ بھی کچھ بے ترتیب تھا۔

فلیٹ میں کوئی نہیں تھا،لیکن اس نے اپنی آمد کا بانگ دہل اعلان کیا تھا،میرے سامان کو نقارہ سمجھ کر بجا ڈالا تھا۔ایک ایک چیز کی تلاشی لی گئی تھی۔

وہ کون تھا......؟اس نے ایسا کیوں کیا......؟فی الحال میرے ذہن میں یہ بات نہیں تھی...... مجھے تو فی الوقت سامان کے اس طرح بکھیرے جانے پر غصہ آرہا تھا۔

سامان دوبارہ سیٹ کرتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا کہ سبھی کچھ موجود تھا،یہاں تک کہ میری دراز میں نقدی بھی پوری تھی۔

غصہ کے ساتھ ساتھ مجھے شدید حیرت کا بھی سامنا تھا......میرے ساتھ یہ ہو کیا رہا تھا......

؟کس چکر میں پھنس گیا تھا میں......؟

یہ بات تو مجھے بعد میں معلوم ہوسکی کہ یہ چکر نہیں، بلکہ گھن چکر تھا۔ اگر میں پولیس میں رپورٹ لکھواتا تو کیا لکھواتا؟ کوئی چیز غائب بھی تو نہیں ہوئی تھی۔

معاً مجھے خیال آیا کہ فلیٹ کے دوسرے مکینوں نے شاید آنے والے یا آنے والوں کو دیکھا ہو۔ یہی سوچ کر میں نے اپنے سامنے والے فلیٹ کا دروازہ کھٹکھٹا دیا۔

فوراً ہی رام داس کی شکل دکھائی دی، اس کا رنگ گہرا سانولا تھا اور اسے ہر وقت مسکرانے کی عادت بھی لاحق تھی، چنانچہ اس کے چمکتے ہوئے سفید دانتوں نے میرا استقبال کیا۔

''کھیریت تو ہے ساون بابو......؟ کا...... لائٹ نا ہی آ رہی......'' اس نے آنکھیں چندھیا کر پوچھا۔

''آ رہی ہے......'' میں نے سر ہلا دیا۔

''پھر...... کا پانی نا ہی آ رہا......؟'' اس نے دوسرا سوال ٹھوک دیا۔

''وہ بھی آ رہا ہے......'' میرا انداز وہی تھا۔

''تو پھر...... گٹر لائن بھر گئی ہوگی...... سسری...... یہ بھی بڑا دل دکھاوے ہے...... ہے نا ساون بابو......؟''

''وہ بھی ٹھیک ہے...... فرسٹ کلاس ہے...... یہ بتاؤ کہ...... تم نے میرے فلیٹ میں تو کسی کو آتے ہوئے نہیں دیکھا......؟''

''تمہارے فلیٹ میں......؟ کب......؟'' اس کی آنکھیں مزید چندھیا گئیں۔ ''ہم تو آج اندر سے نکلے ہی نا ہی ہیں......''

''اچھا ٹھیک ہے......'' میں نے طویل سانس لے کر کہا اور مڑ گیا۔

''سنو تو ساون بابو......؟ ارے بتاؤ تو...... کون آ گیا فلیٹ میں......'' اس نے بلند آواز سے پوچھا تھا۔

''یہی معلوم ہوتا، تو تمہارے پاس کیوں آتا......'' میں نے پلٹ کر جواب دیا۔ ''میرا سامان سارا بکھرا پڑا تھا......''

''کا...... تالا لگا کر نا ہی گئے تھے......؟''

''تالا لگا کر ہی گیا تھا......'' میں نے جواب دیا۔

''تو پھر......؟'' اس نے آنکھیں پھاڑیں۔ ''کوئی اندر کیسے گھس پڑا......؟''

''چھت بھی سلامت ہے۔'' میں نے گویا اسے اطلاع دی۔ ''بات یہ ہے کہ تالا ہی غائب تھا۔''

''ہائے رام..... '' اس نے تڑپ کر کہا۔ ''کوئی چور اچکا ہوگا..... اکھا بمبئی میں تو بس ان ہی کا راج چلتا ہے۔''

پھر بڑی مشکل سے اس سے جان چھڑا کر میں نے دوبارہ اپنے فلیٹ کا رخ کیا۔

کافی دیر تک اس واقعے پر مغز ماری کرنے کے بعد میں نے کھانا کھایا اور کپڑے بدل کر بستر پر جا لیٹا۔

میں ہوٹلوں کے کھانوں سے زیادہ تر پرہیز ہی کرتا ہوں اس لیے اکثر خود ہی گھر میں کچھ نہ کچھ بنا لیا کرتا تھا۔

اس دن نیند کی دیوی مجھ پر کافی دیر بعد مہربان ہوئی تھی اور پھر میں اس کی آغوش میں بے خبر سو گیا۔

رات کے نہ جانے کس پہر..... مجھے کسی نے جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔ چونکہ میں کافی دیر سے سویا تھا، اس لئے چند لمحوں تک تو میری آنکھوں کے آگے اندھیرا ہی چھایا رہا۔

''اٹھو..... جلدی..... '' ایک کرخت سی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور پھر بھونچکا سا رہ گیا۔ کمرے میں جلنے والے دھیمے بلب کی روشنی میں، میں نے اپنے بیڈ کے پاس تین اسلحہ برداروں کو دیکھا۔

تینوں کے جسم پر سیاہ رنگ کے چست لباس تھے..... چہرے نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔

میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔

دفعتاً مجھے خیال آیا کہ کہیں گزرے ہوئے واقعات کے اثر میں آکر میں اس وقت کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا۔

میں نے اپنے بازو پر زور سے چٹکی لی اور پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان نقاب پوشوں کو دیکھنے لگا، کیونکہ مجھے اپنے بازو میں درد کی لہر اٹھتی ہوئی صاف محسوس ہوئی تھی۔

''کک..... کون ہو..... تم لوگ..... ؟'' میں نے خود بھی اپنی آواز کی ہکلاہٹ محسوس کی تھی..... جو حقیقتاً میری بوکھلاہٹ تھی۔

''وہ کتاب کہاں ہے..... ؟'' کرخت آواز نے ایک اور دھماکہ کیا۔

یہ سن کر میں اچھل ہی تو پڑا تھا۔ ''پھر وہی کتاب..... ! کتاب..... ؟'' میرے منہ سے اتنا ہی

نکل سکا۔

''ہاں ...... کہاں ہے وہ کتاب ......؟ ہمارے حوالے کردو ......'' اسی نقاب پوش نے ہاتھ لہرایا۔

''پہلے ...... مجھے یہ تو بتاؤ ...... کہ تم کون سی کتاب مانگ رہے ہو ......؟'' میں نے ذرا ہمت کی۔

''وہی کتاب ...... جو کل تمہیں ملی ہے ......'' اسی نقاب پوش نے کہا۔

''وہ ...... کتاب میرے پاس نہیں ہے ......'' میں نے سیدھی سچی کہہ دی۔

''بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے ......'' غرا کر کہا گیا۔ ''جلدی سے وہ کتاب ہمارے حوالے کردو ......''

''جب وہ میرے پاس ہے ہی نہیں تو تمہیں کہاں سے دوں ......'' میں نے ذرا بلند آواز سے کہا۔

''چلاؤ مت ...... ورنہ ابھی تمہارے سر میں سوراخ کر دیا جائے گا۔''

نہ جانے کیوں میرا خوف خود بہ خود ہی زائل ہوتا جا رہا تھا۔ ''تم لوگ اندر کیسے آئے ......؟'' میں نے سنی ان سنی کر کے پوچھا۔

''ہم دروازوں کے پابند نہیں ہیں۔'' جواب ملا۔

''تم لوگ پہلے ہی میرے فلیٹ کی تلاشی لے چکے ہو ...... تمہیں اس وقت کتاب نہیں ملی تو اب کیا ملے گی ......'' میں نے منہ بسور کر کہا۔

میری بات سن کر وہ چونک اٹھا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو ......؟ ہم تو پہلی دفعہ آئے ہیں ......'' اس نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

اب چونکنے کی باری میری تھی۔ ''تو پھر وہ کون تھے؟ میں جب شام میں گھر لوٹا ہوں تو دروازہ کھلا ہوا تھا اور میرا سامان بھی الٹا پلٹا گیا تھا۔'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

یہ سن کر اس نقاب پوش نے معنی خیز انداز میں اپنے ساتھیوں کو دیکھا اور پھر کھنکھار کر دوبارہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ''وہ کوئی بھی ہوں انہیں چولہے میں جھونکو ...... کتاب تو تمہارے پاس ہے ...... لاؤ ...... وہ ہمیں دے دو ......''

''میرے دوستو ......!'' میں نے نرم لہجے میں کہا۔ ''کتاب میرے پاس ہے ہی نہیں تو دوں

کہاں سے......؟ سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے۔''

''تم دونوں پورے گھر کی تلاشی لو......'' اس نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

دونوں فوراً ہی وہاں سے ہٹ گئے۔

''ارے......ارے......'' میں نے احتجاج کیا۔ ''میں نے بڑی مشکل سے سارا سامان سیٹ کیا ہے......تم لوگ پھر بکھیر دو گے......''

''تم جھوٹ بول رہے ہو...... ہمارے علاوہ اور کون تمہارے پاس آئے گا......''

''تو پھر مجھے کہنے دو...... کہ تم لوگ دوسری بار یہاں آئے ہو......'' میں نے کہا۔

''تم ہزار بار یہ لفظ شوق سے استعمال کر سکتے ہو......'' یہ کہہ کر اس نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا جو کمرے میں بڑی مہارت سے تلاشی لے رہا تھا۔

تیسرے نقاب پوش نے شاید دوسرے کمرے کا رخ کیا تھا۔ لیکن یہاں تھا کیا، جو انہیں ملتا ......وہ کتاب تو کم بخت فلوریڈا لے کر جا چکی تھی۔

گھر کا کونا کونا چھان مارنے کے بعد اس کے دونوں ساتھی دوبارہ ہمارے قریب آ کھڑے ہو گئے۔

اس دوران میں، ہم دونوں ایک دوسرے کی شکل ہی دیکھتے رہے تھے، بلکہ میں تو صرف اس کی آنکھیں ہی دیکھ رہا تھا۔

''تو تم کتاب نہیں دو گے......؟'' اس بار اس کی آواز چبھتی ہوئی سی تھی۔ میرے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

''ہے نہیں......تو کہاں سے دوں......'' میرا ایک ہی جواب تھا۔

''ہم تمہیں ایک دن کی مہلت دے رہے ہیں۔'' وہ لہجے پر زور دے کر بولا۔ ''کل ...... پورے چوبیس گھنٹے بعد......یعنی اسی وقت، ہم دوبارہ آئیں گے......تم نے کتاب جہاں بھی رکھی ہے......یا بھجوائی ہے......واپس لے آنا...... یاد رکھنا......کل اسی وقت......''

اس نے اتنا کہا اور نہایت اطمینان سے گھوم کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے دونوں ساتھیوں نے اس کی تقلید کی تھی۔

میں ہونقوں کی طرح منہ کھولے ہوئے انہیں جاتے، دیکھتا رہا۔ دفعتاً میں نے انہیں پکارا۔

''ارے سنو تو......؟'' وہ رک کر گھوم گئے۔

''یہ تو بتاتے جاؤ کہ آخر اس کتاب میں ہے کیا......؟'' میں نے پھر ہانک لگائی۔

لیکن مجھے اس سوال کا جواب نہیں ملا۔ وہ تینوں چند لمحے مجھے گھورتے رہے، پھر جھلا کر مڑے اور باہر نکل گئے۔

میں نہ جانے کتنی دیر تک بیڈ پر ساکت بیٹھا ہوا پلکیں جھپکاتا رہا۔ اس وقت میری کیفیت عجیب ترین تھی......

ذہن میں بھونچال سے اٹھ رہے تھے، آندھیاں سی چل رہی تھیں اور یہ سوال مجھے بار بار پریشان کرر ہاتھا کہ یہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں......؟ وہ کتاب آخر کیا بلا تھی......؟ کیونکہ وہ اتنی منحوس تھی کہ اسے میں نے صرف ہاتھ ہی لگایا تھا تو مجھے یہ سب بھگتنا پڑ رہا تھا......اور اگر وہ کچھ دن میرے پاس اور رہ جاتی، تو نہ جانے کیا ہوتا......؟

اسی لمحے مجھے فلوریڈا یاد آ گئی۔ ''میرے گھر سے کتاب وہ اڑا لے گئی تھی، اس کا نہ جانے کیا حشر ہو رہا ہو......؟'' میں نے سوچا۔

پھر میرا ذہن ان پراسرار نقاب پوشوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ کس قسم کے لوگ تھے......؟ میں سمجھ نہیں پایا تھا......! لیکن تھی کچھ عجیب سی بات......کوئی عجیب سی خلش......جسے میں سمجھنے سے قاصر تھا۔

اور پھر ایک اور خیال میرے ذہن میں کوندے کی طرح لپکا......''اگر یہ لوگ وہ نہیں تھے......تو پھر وہ کون تھے جو پہلے آ کر میری غیر موجودگی میں میرے گھر کی تلاشی لے چکے تھے......؟ کیا وہ کوئی اور تھے......؟ لیکن کون......؟''

میرا سر چکرانے لگا۔ ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ پھر میں بوجھل قدموں سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ اندر کیسے داخل ہوئے تھے، کیونکہ میں دروازہ اندر سے لاک کر کے سویا تھا۔

اس وقت حیرت کا ایک اور شدید جھٹکا میرا منتظر تھا، دروازہ اب بھی اندر سے لاک تھا۔

میں نے جھک کر کنڈی کو ٹٹولا، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا......لیکن جو کچھ میں دیکھ رہا تھا، وہی حقیقت تھی۔ دروازہ ویسے ہی بند تھا جیسا میں نے سوتے وقت بند کیا تھا۔

میں الجھ کر رہ گیا......پھر......وہ تینوں کیسے اندر داخل ہوئے تھے......؟ کیونکہ دروازے کے علاوہ تو کوئی اور اندر آنے کا راستہ تھا بھی نہیں۔

میرے جسم میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں......''وہ اندر کیسے آئے......؟ کیا وہ روحیں تھیں......؟''

اسی الجھن کے عالم میں، میں دروازے سے جاٹکا، لیکن پھر مجھے ہڑ بڑا کر سیدھا ہونا پڑا۔ دروازہ پورے کا پورا دوسری جانب جھک رہا تھا۔ اور پھر جیسے ہی صورت حال میرے سامنے آئی، گالیوں کا مغلظات میرے منہ سے نکل پڑا۔

اب میں ان نقاب پوشوں کو بے تحاشہ عجیب وغریب قسم کے القابات سے نواز رہا تھا۔ جتنی بھی گالیاں مجھے یاد تھیں، میں نے دے ڈالی تھیں۔

دراصل بات یہ تھی کہ پورے کا پورا دروازہ ہی اپنے قبضوں کی طرف سے اکھڑا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بڑے آرام سے دروازے کو ہٹا کر اندر داخل ہوئے تھے۔

دروازہ انہوں نے کیسے اکھیڑا......؟ یہ تو بعد کی بات تھی، لیکن فی الحال تو مجھے یہ فکر تھی کہ اب دروازے کو بھی ٹھیک کروانا ہے اور اس سے بھی پہلے...... اپنا سامان ایک بار پھر سیٹنگ سے رکھنا تھا اور بے اختیار میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

☆......☆......☆

صبح کے وقت نہا دھو کر ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد، میں نے فیصلہ کیا کہ اپنے دوست الیاس کو ساری بپتا سنا ڈالوں، ہوسکتا تھا کہ وہ اس معاملے میں، کچھ نہیں تو کوئی مفید مشورہ ہی دے سکے۔

عین اسی وقت مجھے روزنامہ امرت یاد آیا...... اف بھگوان...... کالم تو لکھا ہی نہیں تھا۔

خیر کوئی بات نہیں...... میں نے دل کو تسلی دی۔ دفتر میں میرا ایک آدھ کالم ایڈوانس میں بھی پڑا ہوگا...... کرن کپور وہی لگا دے گا...... ہونہہ......

پھر میں بڑی برق رفتاری سے چلتا ہوا ٹرام وے تک پہنچا تھا۔ آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر میں آفس میں بیٹھا ہوا الیاس سے باتیں کر رہا تھا۔

آج باقی لوگوں کو میں نے بہانہ بنا کر وہاں سے کھسکا دیا تھا۔ پھر میں نے جلدی جلدی الیاس کو صورت حال سے آگاہ کیا۔

وہ منہ کھولے سنتا رہا۔ شاید کچھ اس کی سمجھ میں آرہا تھا اور کچھ نہیں۔ لیکن وہ بے چارہ قطعی نردوش تھا، میری کہانی ہی اتنی اونگی بونگی سی تھی...... وہ بے چارہ کیا کرتا......؟

کبھی اس کے چہرے پر حیرت رقص کرنے لگتی، اور کبھی بے یقینی ماتم کرتی نظر آتی، غرض یہ کہ پوری داستان سننے کے بعد اس نے بڑی مشکل سے اپنا دہانہ بند کیا اور پھنسی پھنسی آواز سے بولا۔

''تم نے...... پولیس میں رپورٹ کروائی......؟''

''پولیس والوں کو کیا بتاؤں......؟''میں نے اسے گھورا۔

وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔''تم بھی کمال کرتے ہو......ارے بھئی یہ کام تو بہت ہی ضروری ہے۔ ساری بات انہیں جا کر بتادو......اور یہ بھی بتاؤ کہ تمہاری جان کو شدید خطرہ لاحق ہے۔''

''اور اس کے بعد کیا کروں......؟''میں نے ہونقوں کی طرح پوچھا۔

''اس کے بعد......''وہ بولتے بولتے رہ گیا۔اسے شاید خود بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ پھر اس نے منہ بنا کر کہا۔''تم رپورٹ تو کرادو......اس کے بعد پھر سوچیں گے کہ کیا کرنا ہے۔''

''وہ لوگ...... رات میں پھر آئیں گے......''میں نے اسے یاد دلایا۔''اور میں کہہ نہیں سکتا کہ وہ میرا کیا حال کریں گے۔''

''تم آج گھر نہ جاؤ......تم میرے ساتھ میرے فلیٹ پر چلو......دو کمرے ہیں......ایک میں، میں اور تمہاری بھابھی سو جائیں گے اور دوسرے میں تم رات گزار دینا......''اس نے پرخلوص مشورہ دیا۔

''دوسرے دن کیا ہوگا......؟''میں نے سوال داغ دیا۔

''تم فکرمند کیوں ہوتے ہو......میرا گھر بھی تمہارا ہی گھر ہے......جب تک چاہے رہو......''

''لیکن ایسا کب تک ہوتا رہے گا......؟''میں نے پوچھا۔

''ارے یار......دو تین دن تو دیکھو......''الیاس نے کہا۔''نہ جانے یہ چکر کیا ہے۔ بہرحال تمہاری رہائش وغیرہ کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے......سب سے زیادہ غور طلب اور فکر انگیز بات تو ان نقاب پوشوں کی ہے......تم یقین کرو کہ اگر کوئی اور مجھ سے یہ کہانی بیان کرتا......تو مجھے ہرگز یقین نہ آتا......''

''تم گھر چلو......''میں نے فوراً کہا۔''کچھ نہیں تو کم از کم میں تمہیں گھر کا دروازہ تو دکھا ہی سکتا ہوں۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''وہ جلدی سے بولا۔''مجھے تمہاری بات پر پورا بھروسہ ہے......بس......تم سب سے پہلا کام تو یہ کرو کہ تھانے والوں کو مطلع کرو......اور ہاں...... شام ہوتے ہی میرے گھر آجانا......میں تمہاری بھابھی سے تمہاری پسند کا کھانا تیار کروا کر رکھوں گا......''

''آلو کے پراٹھے......؟''میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''بالکل ٹھیک سمجھے......''اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

☆......☆......☆

میرا فلیٹ باندرہ اسٹریٹ پرواقع تھا،اس لئے لازمی بات تھی کہ میں ادھر کے پولیس اسٹیشن میں ہی رپورٹ لکھواتا چنانچہ اپنے دفتر میں حاضری لگانے ،تھوڑی سی خانہ پری کرنے اور دن بھر کا کام الیاس کے سرتھوپنے کے بعد میں وہاں سے بھاگ نکلا۔

یوں بھی موجودہ حالات کے پیش نظر میرا وہاں دل بھی نہیں لگ رہا تھا۔

تھانیدار جی نے سر سے پیر تک میرا جائزہ لیا اور کھنکھار کر بڑی شان ادا سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''پدھاریئے......جی......''

''شکریہ......''میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی......کہیے......''

''تھانیدار جی......بات دراصل یہ ہے کہ......''

اتنا کہہ کر میں نے کم سے کم الفاظ میں اسے اپنے مدعا سے آگاہ کردیا ویسے اس دوران میں مجھے شک ہورہا تھا کہ وہ ایک کان سے سن رہا تھا اور دوسرے کان سے اڑا رہا تھا۔

پھر بڑی بے دلی سے اس نے قلم اور روزنامچہ سنبھال لیا۔

''نام......؟''

''ساون کمار شرما......''

''کہاں رہتے ہو......؟''

''باندرہ اسٹریٹ......پھول والی بلڈنگ......فلیٹ نمبر 113......''

''ہاں تو کمار بابو......!یہ بات کب کی ہے......؟''

''کل رات کی......''

''اور آپ نے بتایا اب ہے......؟''اس نے مجھے گھورا۔جیسے یہ بھی کسی جرم کا حصہ ہو۔

''کیا کرتا......؟میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں......''میں نے جواب دیا۔

''بس......ہماری جنتا میں یہی تو بات ہے......''اس نے ٹیبل پر مکا مارا،اس کے چہرے پر بھی جوش کے آثار نمودار ہوگئے تھے۔''وقت پر اطلاع نہیں کرتے......اور جب پانی سر سے اونچا ہوجاتا ہے......تو ادھر ادھر بھاگتے ہیں۔''

''لیکن میں تو سب سے پہلے آپ ہی کے پاس آیا ہوں۔''

''آ ئے تو ہو..... لیکن پورا دن گزار کر..... پھر بھی..... تم بالکل چنتا مت کرو..... بھگوان نے چاہا تو..... تمہارا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا.....''

''بھگوان نے.....؟'' میں نے حیرت سے اس کی شکل دیکھی۔ ''لیکن میں تو پولیس اسٹیشن کے لئے گھر سے نکلا تھا..... کیا یہ رام مندر ہے.....؟''

''ہو ہو ہو ہو.....'' وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔ ''ساون کمار جی..... اگر تمہارا مرن دن آ ہی گیا ہے..... تو کوئی کیا کر سکتا ہے..... لیکن تم بالکل چنتا کرو..... ہم لوگ ضرور کچھ نہ کچھ کریں گے..... اب تم جاؤ..... ہاں.....''

''ارے میری جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں جاؤں......'' میں بھنا اٹھا تھا۔

''حوالات میں بند کروادوں......؟'' اس نے جھک کر آہستہ سے کہا۔ ''یہاں آسانی سے تمہاری رکھشا ہو سکتی ہے..... بولو.....؟''

میں تلملا کر رہ گیا۔ وہ تو مجھے تاؤ دلانے کی گویا ٹھان ہی چکا تھا۔ پھر میں نے خود کو ٹھنڈا رکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

''اب میں کیا کروں.....؟''

''یہ سوال کیا ہے نا تم نے کام کا..... اب تم ایسا کرو کہ سیدھے گھر جاؤ اور لمبی تان کر سو رہو لمبی تاننے سے سپنے بہت سندر آتے ہیں۔'' اس نے چباتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اور وہ لوگ رات کو آ کر میری درگت بناڈالیں گے......! ان کے لئے کیا کروں......'' میں نے سوال کیا۔

''ہم لوگ ہیں نا.....'' اس نے سینے پر ہاتھ مارا۔ پھر اس نے بلند آواز میں کسی کو پکارا۔ ''دھنی او دھنی.....!''

فوراً ہی ایک تنک منک سنتری نمودار ہوا۔ تھانے دار نے اس سے کہا۔

''ان صاحب کی شکل غور سے دیکھ لو.....! ان کی حفاظت کرنا ہم سب کا فرض ہے..... اب جلدی سے انہیں گیٹ کے پاس چھوڑ آؤ.....''

''جو حکم تھانیدار جی.....'' اس سنتری نے سر تسلیم خم کیا۔

''جاؤ..... بابو جی.....!'' اس نے اب مجھے پچکارا۔ ''بالکل مت گھبرانا..... ہم تمہارے ساتھ ہیں..... اور ہاں..... بابو جی.....! فلمیں ذرا کم ہی دیکھا کرو.....''

اتنا کہہ کر اس نے ایسا انداز اختیار کر لیا، جیسے مجھ سے کبھی کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔
میرا خون ہی تو کھول کر رہ گیا تھا، میں نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سنتری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے فوراً ہی دانت نکال دیئے۔ ''چلئے جی ...... ملن کا سے ساپست ہو گیا ...... ہی ہی ہی ......''

''تو آپ میرے لئے کچھ نہیں کریں گے......؟'' اس نامعقول کو نظر انداز کر کے میں دوبارہ تھانیدار سے مخاطب ہوا۔

''کریں گے ضرور کریں گے۔'' تھانیدار نے کرسی سے پشت لٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ ''بھگوان سے پرارتھنا......''

☆......☆......☆

دوپہر کا سارا وقت میں نے روزنامہ امرت کے دفتر میں گزار دیا۔ چند مخصوص موضوعات پر مختلف انداز میں دو چار کالم ''ٹھوکنے'' کے بعد میں کرن کپور کے کمرے کی طرف چل دیا۔
توپ نما کرن کپور، حسب معمول اپنے بھاری بھرکم وجود کے کارن، اپنی میز اور کرسی، دونوں کو اذیت دے رہا تھا۔
خاص طور پر کرسی ...... ہر 30 دن بعد اس کی مرمت ہوتی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اچھل پڑنے کی ناکام کوشش کی۔
''کہاں ہو تم......؟ تمہارے کالم کے چکر نے مجھے گھن چکر بنا دیا...... رات کو پورا آدھا گھنٹہ خراب ہوا ہے تم جانتے ہو نا......؟ میرا سمے کتنا قیمتی ہے......؟''
''اچھی طرح......'' میں نے جلدی سے گردن ہلائی۔ ''میری نظر میں تو تم خود بھی بہت قیمتی ہو...... زندہ لاکھ کے ہو...... اور پرلوک سدھارنے کے بعد سوا لاکھ کے......''
''اب میں کیا کروں......؟'' اس نے منہ بسور لیا۔ ''یار......! اتنی ڈائٹ تو کرتا ہوں......''

''وہ تو سپنوں کی بات ہے......'' میں نے اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''اگر حقیقت میں ڈائٹنگ کرو تو شاید...... کوئی فرق پڑ جائے...... تمہیں اپنی کرسی پر رحم نہیں آتا......؟''
''چھوڑو یار...... غرق کرو مجھے......'' اس نے جھلا کر کہا۔ ''تم یہ بتاؤ کہ غائب کہاں ہو......؟''

''کیا بتاؤں کرن......!'' میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''میں بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوا

...... پولیس اسٹیشن بھی گیا تھا...... آج میں نے ادھر ہی بیٹھ کر ایک کالم پولیس اسٹیشن پر بھی لکھا ہے۔"

"کیوں......؟ کیا ہو گیا......؟" کرن کپور نے پوچھا۔

اس "کیوں" نے میرے صبر کے بندھن توڑ ڈالے، میں نے جلدی سے اسے اپنی کہانی سنا ڈالی۔ اس ظالم نے درمیان میں ہی ہنسنا شروع کر دیا، بہرحال وہ سن غور سے رہا تھا۔

"اب بھگتو بیٹا......" اس نے بائیں آنکھ دبانے کی کوشش کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "تم اپنے کالم میں بہت لوگوں کو گھسیٹتے ہو نا...... اب آئے گا مزا......ہی ہی......"

"میرا مذاق اڑا رہے ہو......؟" میں نے مکا لہرایا۔ "سمجھ لوں گا تم سے بھی......"

"پہلے اپنے مہمانوں سے تو سمجھ لو......" وہ بدستور مسکرا رہا تھا، انداز چڑانے والا تھا۔ پھر وہ سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔

"چلو مذاق ختم............اب یہ بتاؤ کہ وہ کتاب ہے کہاں......؟"

"مجھے کیا معلوم......؟" میں نے برا سا منہ بنایا۔

"کتاب میں کسی خزانے وزانے کا نقشہ لگتا ہے...... جبھی تم نے اسے انٹی میں دبالیا ہے...... لاؤ......ہمیں بھی اس کا دیدار کرادو......"

غرض یہ کہ وہ اس قسم کی بکواس کر کے مجھے بور کرتا رہا۔ تنگ آ کر میں نے اپنے لکھے ہوئے کالم اسے تھمائے اور جے رام جی کی کہتا ہوا باہر نکل آیا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ اب تک الیاس ڈیوٹی پوری کر کے اپنے گھر پہنچ چکا ہوگا۔

چنانچہ میں نے رکشہ کیا اور اس کے فلیٹ آ پہنچا۔ میری توقع کے مطابق وہ گھر پر ہی موجود تھا۔ دروازہ اسی نے کھولا تھا۔

لیکن جیسے ہی اس کے چہرے پر میری نظر پڑی، میں چونک اٹھا۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا

☆......☆......☆

"کیا ہوا الیاس...... خیریت تو ہے......؟" میں نے اس کے چہرے پر اڑنے والی ہوائیوں کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آں......" اس نے خالی خولی نظروں سے مجھے دیکھا، پھر فوراً ہی خود کو سنبھالتے ہوئے کہنے لگا۔ "کک۔ کچھ نہیں۔ آؤ ساون۔ اندر آؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے مجھے بازو سے کھینچا اور اپنے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ یہاں اس کی بیوی مریم بھی موجود تھی، میں اسے بھابھی کہتا تھا۔

''سلام...... آلیکم بھابھی ......'' میں نے اپنے انداز میں سلام کیا تھا، جس کا جواب نہایت مدہم سی مسکراہٹ سے ملا، اس کا چہرہ بھی بجھا بجھا سا تھا۔

میں ان دونوں کے سامنے صوفے پر دراز ہوگیا۔ اسی وقت مریم اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔''

''ہاں...... پہلے تو تم گرما گرم کافی پلاؤ...... ساون بھی تھک ہار کر آیا ہوگا۔'' الیاس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر مریم چلی گئی اور اس کی کافی سمیت واپسی تک ہم دونوں حالیہ موضوع پر ہی گفتگو کرتے رہے۔ میں نے مختصراً اسے تھانے والوں کے رویئے کے بارے میں بھی بتایا۔

''یہ لوگ تو بس......'' الیاس نے خفگی کا اظہار کیا۔ ''اس محکمے کا فائدہ میری آج تک سمجھ میں نہیں آیا۔''

اس وقت مریم کافی بنا کر لے آئی۔ کافی پینے کے دوران ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں، پھر میں نے یک دم ہی پوچھا۔

''اب تم دونوں یہ بتاؤ کہ تمہاری شکلوں پر بارہ کیوں بج رہے ہیں......؟''

''بارہ......؟'' وہ دونوں چونکے۔ ''نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''

''مجھے الو مت بناؤ......'' میں نے برا سا منہ بنایا۔ ''دو دن سے میں ویسے ہی بن رہا ہوں...... تم دونوں کوئی بات مجھ سے چھپا رہے ہو......''

''ایسا کچھ نہیں ہے ساون......'' مریم نے بھی کہا تھا۔

''ہو ہی نہیں سکتا...... ضرور کوئی بات ہے......'' میں بہ ضد رہا۔

آخر کار میرے بے حد اصرار پر، بڑی مشکل سے الیاس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک مڑا تڑا سا کاغذ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔

میں نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لیا اور جلدی سے اسے پھیلا دیا، وہ ایک جانب سے پھٹا ہوا بھی تھا۔ اس پر انگریزی میں تحریر تھا۔

''اگر تم لوگوں نے ساون کمار کو پناہ دی...... تو تم ہمارے عتاب سے پناہ مانگتے پھرو گے...... وہ جب بھی تمہارے پاس آئے...... اسے بھگا دینا...... ورنہ نتائج کے ذمہ دار تم خود ہوگے......''

لکھنے والے نے اپنا نام، پتا، کچھ بھی نہیں لکھا تھا...... میں سناٹے میں آ گیا۔
یہ یقیناً وہی لوگ تھے، جو رات میرے گھر میں آئے تھے، حیرت اس بات کی تھی کہ وہ اتنے باخبر تھے...... انہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں اور الیاس دوست ہیں ...... اور میں الیاس کے گھر میں ٹھہر سکتا ہوں...... آخر وہ لوگ تھے کون؟

الیاس ٹکر ٹکر میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں اس تحریر میں ڈوب جانے کے بعد باہر نکلا، تو مجھے الیاس کی آواز آئی۔ ''میں جب ڈیوٹی سے گھر واپس آیا تو یہ پرچہ دروازے کے قریب ہی ایک کیل سے ٹنگا ہوا تھا......''

''ہوں......'' میرے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔

''لیکن تم فکر مت کرو............'' الیاس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''تم یہیں رہو...... دیکھا جائے گا، جو ہوگا......''

''ہاں ساون......!'' مریم بھی بولی۔ ''تم گھبرانا مت...... اکیلے ہرگز نہیں ہو تم......''

میں سر ہلا کر خاموش ہی ہو رہا تھا...... پھر رات کا کھانا ہم لوگوں نے ساتھ مل کر کھایا۔ مریم نے خاص طور پر میرے لئے آلو کے پراٹھے بنائے تھے، جو اتنے مزیدار تھے کہ میں انگلیاں تک چاٹ رہا تھا۔

کھانے کے بعد بھی ہم لوگوں کی محفل جمی رہی، پھر جب...... وہ دونوں سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلے گئے تو میں چپ چاپ اٹھ کر فلیٹ سے باہر نکل آیا۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ دونوں میاں، بیوی، خواہ مخواہ میری وجہ سے کسی مصیبت میں پڑ جائیں، نہ جانے یہ سب کیا چکر تھا......؟

میری تاک میں رہنے والے مجھ سے اتنے باخبر تھے...... میرے ذہن و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ یہاں بھی آ جائیں گے۔ اس پرچے کا صاف مطلب تو یہی تھا کہ ان کے قدم یہاں بھی پڑ چکے تھے۔

لیکن...... وہ مجھ سے کیا چاہتے تھے......؟ میں انہیں بتا تو چکا تھا کہ کتاب میرے پاس نہیں ہے......؟ تو پھر...... ؟ اب وہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے......؟ اور سب سے بڑھ کر یہ بات تھی کہ آخر وہ کتاب تھی کیا بلا......؟

ان ہی سوچوں میں غرق ہو کر میں نے روڈ پار کیا اور سواری تلاش کرنے لگا، تاکہ اپنے فلیٹ پہنچ سکوں۔

رات کافی زیادہ ہوگئی تھی اور ویسے بھی یہ علاقہ اکثر سنسان ہی رہتا تھا۔ میں ایک جانب کھڑا ہوگیا۔ روڈ پر اکادکا ٹریفک ہی دکھائی دے رہے تھا۔ تھوڑے سے انتظار کے بعد ایک آٹو رکشہ کی شکل دکھائی دی۔

میں نے اسے ہاتھ دیا، لیکن وہ رکا نہیں ...... اس میں پہلے سے سواری موجود تھی، میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ عین اس وقت داہنی گلی سے ایک بگھی نکلی ...... جو کہ بڑی سبک رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی ...... ایسا لگتا تھا جیسے گھوڑے کے ساتھ ساتھ خود کو چوان بھی نیند کے غلبے کا شکار ہو۔

جیسے ہی بگھی قریب آئی، کوچوان نے سر اٹھایا ...... اسٹریٹ لائٹس کی ناکافی سی روشنی میں میں نے دیکھا کہ وہ کافی بوڑھا تھا۔ یکدم وہ میری طرف متوجہ ہوا اور بلند آواز سے بولا۔

''کہاں جاؤ گے بابو جی ......؟''

''باندرہ اسٹریٹ ......'' میں نے جواب دیا۔

''آ جاؤ پھر ...... دور کیوں کھڑے ہو ......؟''

''نہ بابا ......'' میں نے جلدی سے گردن ہلائی۔ ''میں تو آٹو رکشہ میں جاؤں گا ...... تمہاری بگھی تو صبح ہی پہنچائے گی۔''

''ارے بابو ...... تم بیٹھو تو سہی ......'' کوچوان نے اصرار کیا۔ ''جہاز کی طرح اڑا کر پہنچادوں گا ...... رکشہ کے انتظار میں کب تک کھڑے رہو گے ...... رات ہی گزار دو گے کیا ......؟''

میں نے چند لمحے سوچا ...... وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا ...... اس علاقے میں اتنی رات گئے ذرا مشکل سے ہی سواری ملتی تھی۔ پھر میں بگھی کی طرف بڑھ آیا۔ اس وقت کوچوان نے پھر کہا۔

''بابو جی ...... دو سواریاں اندر اور بھی ہیں ...... گھبراؤ نہیں ...... دونوں ہی مرد ہیں ...... تمہیں باندرہ اسٹریٹ اتار کر انہیں بھی ان کی منزل پر پہنچادوں گا۔''

''یعنی میں بونس ہوں ......'' میں مسکرا دیا۔

جواباً بوڑھے نے با آواز بلند قہقہہ لگایا ...... جس میں خوشامد کی مٹھاس شامل تھی۔ میں نے پائیدان پر پاؤں رکھا اور پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوگیا۔ اندر واقعی دو افراد موجود تھے۔ میں نے روشنی کے لئے پردہ سرکایا ...... اور ان دونوں کی طرف ایک سرسری سی نظر ڈال کر سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں بھی میری طرف متوجہ نہیں تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

میں ایک بار پھر اپنی سوچوں میں گم ہوگیا۔ مجھے اب بار بار الیاس کا خیال بھی آ رہا تھا، میری

حرکت پر وہ مجھ سے خفا بھی ہوگا......لیکن میں کیا کرتا......؟

اپنی مصیبت کو دوسروں کے گلے میں منڈھ دینا بھی تو پاپ ہے......!اور مجھے یہ ویسے بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

دفعتاً میں نے محسوس کیا کہ بگھی کسی اور ہی سمت جا رہی ہے...... یہ بات تو تھی کہ اس کی رفتار کافی تیز تھی۔لیکن کوچوان اسے کہاں لئے جا رہا تھا۔

''بڑے صاحب...... !'' میں نے وہیں سے سر نکال کر ہانک لگائی۔''مجھے باندرہ اسٹریٹ جانا ہے۔تم کہاں جا رہے ہو......؟''

مجھے یوں لگا جیسے کوچوان نے سنا ہی نہ ہو۔میں دوبارہ منہ کھول ہی رہا تھا کہ میرے سامنے بیٹھنے والے آدمیوں میں سے ایک نے مجھے مخاطب کیا۔

''ارے......آپ کو باندرہ اسٹریٹ جانا ہے......؟''

''جی ہاں......''میں نے سر ہلایا۔

''اوہ......''اس کے منہ سے نکلا۔پھر اس نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔

''لیکن یہ بگھی تو وہاں نہیں جا رہی ہے......''

''لیکن کوچوان نے تو مجھے یہی کہا تھا کہ میں تمہیں باندرہ اسٹریٹ پر اتار دوں گا۔''میں نے شکایت بھرے انداز میں کہا۔

اس وقت واقعی مجھے غصہ آ رہا تھا۔کوچوان نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا......اگر باندرہ اسٹریٹ نہیں جانا تھا،تو منع کر دیتا۔

''کوچوان نے آپ سے غلط بیانی کی ہے......'' دوسرا آدمی بولا۔''کیونکہ ہماری منزل تو بالکل مخالف ہے...... ہم پٹ گام جائیں گے......''

''پٹ گام......''میں بڑبڑایا۔''کہاں پٹ گام اور کہاں باندرہ...... یہ کوچوان کہیں پاگل تو نہیں ہے......؟''

''بات یہ ہے جناب......''پہلے آدمی نے آہستہ سے کہا۔''اس میں کوچوان کا بھی کوئی قصور نہیں ہے......آپ باندرہ میں کہاں رہتے ہیں......؟''

''فلیٹ میں......''میں نے الجھے ہوئے سے لہجے میں جواب دیا۔

''تو پھر......جب آپ کے فلیٹ میں وہ کتاب ہے ہی نہیں،تو آپ فلیٹ میں جا کر کیا کریں گے......؟''اس نے پرسکون انداز میں سوال کیا۔

یہ سن کر میں جیسے اچھل پڑا تھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔

''اسی لئے کوچوان...... باندرہ نہیں جا رہا......'' وہی آدمی ہنس کر بولا۔

میں نے جلدی سے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن اگلے ہی لمحے کپڑے نما کوئی چیز میرے چہرے پر آ کر لگی۔

فوراً ہی مجھے ایک مسحور کن سی خوشبو کا احساس ہوا۔ جو ناک کے ذریعے میرے دل و دماغ پر سوار ہوئی اور پھر حواسوں پر چھا گئی۔

اگلے ہی لمحے میری آنکھوں کے آگے ستارے سے ناچنے لگے اور پھر جلد ہی یہ ستارے بھی معدوم ہو گئے۔ میں چکرایا اور بے ہوش ہو گیا۔

☆......☆......☆

میں کتنی دیر تک بے ہوش رہا تھا، مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا۔ البتہ میں جہاں تھا۔ اس کمرے کے روشن دان سے جھانکنے والے نیلے امبر کو دیکھ کر کہا جا سکتا تھا کہ یہ رات نہیں، بلکہ دن کا کوئی سمے تھا۔

لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ دن ہونے کے باوجود اس چھوٹے سے کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

ایک پلنگ، دو کرسیاں اور ایک عدد دروازے کے علاوہ تھا کیا اس کمرے میں......! مجھے پلنگ پر ہی ڈالا گیا تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

ذہن ذرا سوچنے کے قابل ہوا تو گزشتہ رات کا گذرا ہوا واقعہ میری نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔

یہ بات تو بالکل سامنے کی تھی کہ مجھے اغوا کیا گیا تھا اور وجہ اغوا بھی وہی منحوس کتاب ہوگی...... جو واقعی اتنی منحوس تھی کہ وہ چند گھنٹے بھی میرے پاس نہیں رہی تھی اور میں اب تک صرف اسے ہاتھ لگانے کے چکر میں دھکے کھاتا پھر رہا تھا۔ یعنی میری زندگی اجیرن ہو گئی تھی۔

پھر یہ سوچ کر مجھے جھرجھری آ گئی کہ اگر وہ کتاب میرے پاس اب تک ہوتی تو میرا کیا ہوتا ......میرے نادیدہ دشمن تو مجھے سولی پر چڑھا دیتے......

ابھی میں اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ یک لخت دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ یہ دیسی تو ہرگز نہیں تھے۔ وہ دونوں سیاہ فام تھے، ان کے چہروں کے نقوش کسی افریقی ملک کے دکھائی دیتے تھے۔

ان کے قد چھوٹے لیکن جسم کافی ٹھوس تھے انہوں نے پتلون اور قمیض پہن رکھی تھیں۔ ان کے کانوں میں لمبی لمبی بالیاں لٹک رہی تھیں اور سر پر بال بھی بہت کم تھے۔ ڈھکے چھپے لفظوں میں اگر انہیں گنجا کہہ دیا جاتا، تو شاید وہ برا مان سکتے تھے۔

''شاتولا......ام......ام......'' ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کرخت لہجے میں شاید مجھ سے کچھ کہا تھا۔

لیکن اس کی بھاشا میرے سر پر سے گزر گئی۔

''کیا کہہ رہے ہو......؟'' میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔ مجھے ہندی اور انگلش کے علاوہ کوئی زبان نہیں آتی......''

اس نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا، وہ شاید کچھ سمجھدار تھا، اس نے مجھے دروازے کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔

''ام......ام......'' ساتھ ہی وہ بولا بھی تھا۔

اب میں سمجھ گیا کہ مجھے اس کمرے سے نکلنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ میں نے چند لمحے اس صورت حال پر غور کیا، ان دونوں پر باری باری نظر ڈالی اور ایک طویل سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

ان دونوں کی حیثیت مجھے نوکروں سے زیادہ نہیں لگ رہی تھی، اس کا مطلب یہ تھا کہ اب مجھے کسی خاص آدمی سے ملنا تھا۔

میں نے اس طرح قدم اٹھائے کہ ایک میرے آگے چل رہا تھا اور دوسرا پیچھے۔

اس وقت نہ جانے کیوں میں خود کو سینڈوچ کا کباب محسوس کرنے لگا......شاید اس لئے کہ وہ بھی درمیان میں ہی ہوتا ہے اور پھر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میرا قیمہ بھی تیار ہونے والا ہو......

اس کمرے کے دروازے کے بعد ایک چھوٹی سی راہداری تھی، اس راہداری کو پار کرنے کے بعد ہم لوگ ایک بڑی راہداری میں داخل ہوئے۔

بالکل سامنے ایک بڑا سا دروازہ تھا، جس کے قریب پہنچ کر میرے ساتھ آنے والوں میں سے ایک نے تین بار اپنی کھڑی ہتھیلی دروازے پر ماری۔

فوراً ہی دروازہ کھل گیا۔ ان دونوں نے مجھے ٹہوکا دیا اور میرے ٹس سے مس نہ ہونے پر مجھے اندر دھکیل دیا۔

میں ایک قیمتی اور دبیز قسم کے قالین پر آ کر گرا، لیکن پھر فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

اور پھر اگلے ہی لمحے میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ یہ ایک کافی طویل و عریض کمرہ تھا، بلکہ

اسے کمرہ کہنا کسی بھی طور سے نامناسب تھا۔

اس کمرے کی چھت پر نہایت عمدہ قسم کی نقاشی کی گئی تھی۔ درمیان میں فانوس بھی لٹک رہا تھا، جس سے سات رنگوں کی دھنک پھوٹ کر چاروں طرف منعکس ہو رہی تھی۔

اور...... کمرے کے عین وسط میں قیمتی اور جہازی سائز کا صوفہ سیٹ رکھا تھا، جس پر ایک دیونما سیاہ فام آدمی بڑی شان سے تشریف فرما تھا۔

اس کے عقب میں اسی کی نسل کے دو آدمی کھڑے ہوئے مور کے پروں سے بنی ہوئی پنکھڑیاں جھل رہے تھے۔

دیونما سیاہ فام کے جسم پر شاہانہ بھڑکیلا لباس زیب تن تھا، اس کے سر پر ایک خوب صورت سارنگ برنگ پروں کا تاج بھی موجود تھا۔

یہ کمرہ تھا، یا کسی بادشاہ کا دربار......! میں نے سوچا۔ کیا میں کسی پرانے زمانے میں داخل ہو گیا تھا......؟

وہ تینوں مجھے مسلسل گھور رہے تھے، دفعتاً دیونما سیاہ فام کے ہونٹ ہلے۔

''الوشا......ہم تا......!'' وہ مجھ سے ہی مخاطب تھا۔

''مجھے صرف ہندی اور انگلش آتی ہے......'' میں نے ہمت کر کے زبان کھولی۔

''ہم تم سے انگلش میں ہی بات کریں گے۔'' اس نے انگریزی میں جواب دیا۔ ''تم فکر نہ کرو۔''

''میں اس وقت کہاں ہوں......؟'' میں نے سوال کیا۔

''تم اپنے شہر سے زیادہ دور نہیں ہو...... بے فکر رہو...... اگر تم نے ہمارا مطالبہ پورا کر دیا، تو دوسری بار بے ہوش ہونے کے بعد تمہیں اپنے فلیٹ میں ہی ہوش آئے گا......'' جواب ملا۔

''آخر میرا قصور کیا ہے......؟ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے......؟'' میں اس وقت کچھ کچھ نڈر سا ہو رہا تھا اور اس کی وجہ مجھے خود بھی معلوم نہیں تھی۔

''ہمیں وہ کتاب درکار ہے......'' سیاہ فام دیو نے مجھے غور سے دیکھا......!''

میں اب تک ان کے سامنے کھڑا تھا۔ سیاہ فام کے عقب میں کھڑے ہوئے دونوں شخص پتھروں کی مانند اپنی جگہ پر ساکت کھڑے تھے۔

''میرے پاس وہ کتاب نہیں ہے......'' میں نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے کہا۔'' وہ اس دن سے میرے پاس سے غائب ہے، جس دن وہ میرے پاس آئی تھی۔ میرا بس اتنا قصور ہے کہ

اسے میں نے اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔''

''ادھر آؤ..... ہمارے قریب.....''اس نے ہاتھ اٹھایا۔

''کیوں.....؟''میں چونکا۔

''تم کوئی لڑکی نہیں ہو.....''اس نے منہ بنایا۔''ڈر رہے ہو یا نخرے دکھا رہے ہو؟ادھر آؤ

...ہمارے پاس بیٹھو.....''

اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں.....؟ آپ کا نام کیا ہے؟''میں نے بے تکلف ہونے کی کوشش کی۔

''ابھی تو ہم نے تمہیں اپنا نام بتایا تھا۔''وہ دھیرے سے مسکرایا''الوشا نام ہے ہمارا.....ہم نے سب سے پہلے تمہیں اپنا نام بتا کر، تمہیں خوش آمدید کہا تھا.....یعنی الوشا.....ہم تا.....''

''اوہ.....''میرے منہ سے نکلا۔پھر میں جلدی سے بولا۔''اور آپ کا تعلق کہاں سے ہے.....''

''ہم اس کی وضاحت نہیں کر سکتے.....''اس نے نفی میں گردن ہلائی۔''صرف اتنا بتا سکتے ہیں کہ وہ کتاب ہمیں بہت دور سے یہاں کھینچ لائی ہے.....''

''آخر اس میں ایسا کیا ہے.....؟''میں نے الجھ کر پوچھا۔

اب میں اس کے پاس بیٹھ چکا تھا۔اس کا انداز اب تک مجھ سے دوستانہ ہی رہا تھا۔اس کے باوجود میرے دل میں کئی خدشات سر اٹھا رہے تھے۔

''اس میں جو کچھ بھی ہے..... وہ تمہاری سمجھ سے بالاتر ہے.....''الوشا نے جواب دیا۔ ''بہر حال.....تمہارے کام کی اس میں کوئی چیز نہیں ہے.....اور.....افسوس.....کہ مجھے بہت دیر سے اس کے بارے میں معلوم ہوا.....''

''کیا اس میں کسی خزانے کا نقشہ موجود ہے.....؟''میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

''تمہیں بھوک لگی ہو گی.....''اس نے فوراً ہی موضوع بدل کر میری بات اڑا دی۔''میں تمہارے لئے ناشتہ منگواتا ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے تالی بجا دی۔

☆.....☆.....☆

مجھے باقاعدہ غسل وغیرہ کروایا گیا اور اس کے بعد مجھے ایک کمرے میں ناشتے کی میز پر

بٹھا دیا گیا۔ ناشتہ بھی کافی پرتکلف تھا اور کچھ میری بھوک بھی اپنے عروج پر تھی...... چنانچہ میں سب کچھ بھول بھال کر ناشتے پر ٹوٹ پڑا۔

میں یہاں تنہا تھا...... الوشا اپنے ''دربار'' میں ہی تھا، اس نے مجھے اپنے خدمت گاروں کے سپرد کر دیا تھا۔

خوب اچھی طرح آؤ بھگت کے بعد، میں ایک بار پھر الوشا کے روبرو تھا۔ الوشا نے مجھ سے بھوجن کے بارے میں استفسار کیا اور پھر اس نے میرے اطمینان بھرے انداز کے بعد ایک بار پھر تالی بجا ڈالی۔

فوراً ہی خدمت گار نمودار ہوا، اس کے ہاتھ میں شراب کی پیالیوں سے بھری ہوئی ٹرے تھی۔ یہ دور بھی چلا، شراب بے حد نفیس تھی۔ میں نے الوشا کا شکریہ بھی ادا کیا۔ اسی دوران مجھ سے وہ ذاتی قسم کے سوالات کرتا رہا۔ پھر میں نے اس سے باتوں باتوں میں پوچھا۔

''کیا تم کہیں کے پرنس ہو......؟''

''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''پرنس کا رتبہ تو کم ہوتا ہے۔''

''تو پھر...... کیا تم صدر ہو کسی ملک کے......؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

اب شراب مجھ پر آہستہ آہستہ اثر انداز ہو رہی تھی۔

''یہیں سمجھ لو......'' وہ لاپروائی سے بولا۔

''ایک بات تو بتاؤ مسٹر الوشا......!'' دفعتاً مجھے خیال آیا۔ ''تمہیں میرے بارے میں ہر بات کا علم کیسے ہو جاتا ہے......؟ تم نے میرے دوست کو بھی دھمکی آمیز خط لکھ مارا تھا......''

''ہم نے......؟'' وہ چونکا۔

''نہیں تو...... میرے غلاموں نے تو بس...... تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے فلیٹ کی تلاشی لی تھی۔''

''تو پھر...... وہ کون تھے......؟'' میں نے آنکھیں پٹ پٹائیں...... ''وہ نقاب لگا کر میرے گھر میں داخل ہوئے تھے۔''

''اچھا......!'' الوشا کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرانے لگے۔ ''یہ تو معلوم کرنا پڑے گا۔''

''ویسے تم جو کچھ بھی ہو مسٹر الوشا......'' میں نے جھومتے ہوئے اس کے چہرے پر انگلی لہرائی۔ ''ہو بہت مہمان نواز اور اچھے آدمی...... میں تمہاری دل سے قدر کرنے لگا ہوں...... کیا تم

......مجھ سے دوستی کر سکتے ہو......؟''

''ہماری دوستی تو ہو چکی ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''اور یہ مزید مضبوط ہو جائے گی، اگر تم ہمیں اس کتاب سے آگاہ کر دو......''

''کتاب...... کتاب...... کتاب......'' اب میری زبان بھی لڑکھڑانے لگی تھی۔ نہ جانے اس کم بخت نے کون سی شراب پلائی تھی۔ وہ خود تو قطعی پرسکون تھا اور میرے من میں جوار بھاٹا سا ابلنے لگا تھا۔

''بھگوان کی...... سوگندھ...... مجھے نہیں...... مع...... معلوم...... کتاب کہاں...... ہے؟ وہ تو ......فلوریڈا...... لے گئی تھی......'' میں نے بتایا۔

''کون فلوریڈا......؟'' اس نے چونک کر پوچھا تھا۔

''کمال...... کرتے ہو...... میرے بارے میں سب کچھ جانتے...... ہو...... اور اس لڑکی کو نہیں جانتے، جو میرے فلیٹ...... میں آئی تھی......؟''

''نہیں......'' اس نے جواب دیا۔

''نہیں......؟'' میں نے ہونقوں کی طرح اس کی شکل دیکھی۔

''وہ کب آئی تھی......؟'' الوشا کا سوال تھا۔

اس سوال کے جواب میں میں نے اسے ٹوٹے ہوئے لفظوں میں فلوریڈا کی کہانی سنا ڈالی۔

چونکہ اس وقت نشہ، جادو کی طرح سر چڑھ کر بول رہا تھا، اس لئے میں نے فلوریڈا سے ملاپ کے ''مناظر'' بھی الوشا کے سامنے کھول کر رکھ دیئے۔

میں قطعی جھوٹ نہیں بول رہا تھا اور اس بات کا اندازہ شاید خود اسے بھی تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اس کے چہرے پر بیزاری کے آثار پھیلنے لگے۔ پوری کہانی سنانے کے بعد میں نے یک دم ہی الوشا کے آگے لڑکھڑانے لگا۔

فوراً ہی الوشا کے خادم کمرے میں داخل ہو گئے۔ الوشا نے اپنا غصہ ان پر اتار دیا اور گرج کر اپنی زبان میں ان سے کچھ کہنے لگا۔

خادم بوکھلائے ہوئے انداز میں میری طرف بڑھے میں نہ جانے کیا کیا بکواس کرتا رہا تھا ......مجھے قطعی یاد نہیں ہے۔

کیونکہ پھر میں بالکل ہی غفلت کا شکار ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

میں ہوش میں آیا، تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سینے پر کوئی بھاری سا پتھر موجود ہو۔ یہی وہ پہلا احساس تھا، جس نے مجھے آنکھیں کھولنے سے پہلے ہی مجبور کر دیا کہ میں کروٹ لے کر اس پتھر کو اپنے اوپر سے ہٹا دوں۔

چنانچہ میں نے یہی عمل کرنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا اور فوراً ہی ایک آواز میرے کانوں میں گونج کر رہ گئی۔

''نہ...... نہ...... کیا کر رہے ہو......؟ تم میرے گھوڑے ہو گھوڑے...... ہاں...... گدھے مت بنو...... چل میرے گھوڑے نرک میں...... چل میرے گھوڑے......''

اس جملے کے ساتھ ہی میرا پورا جسم ہلنے لگا۔ میں نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں۔

اور پھر جو کچھ میں نے دیکھا...... اسے میں آج تک بھول نہیں پایا ہوں۔ ایک مدقوق اور مجہول سا آدمی میرے سینے پر سوار تھا۔

اس نے میری قمیض کے کالر تھام رکھے تھے اور وہ ''چل میرے گھوڑے نرک میں......'' کی گردان لگائے ہوئے تھا۔

اس کے سر اور داڑھی کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ اس کے لباس پر نظر ڈالتے ہی میری روح فنا ہو گئی۔

مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر اس کی باچھیں کھل اٹھیں۔

''ارے واہ...... میرے گھوڑے......! تم تو سو رہے تھے...... جاگے کیوں......؟'' وہ حیرت زدہ لہجے میں بولا تھا۔

میں اسے ہرگز نہیں سمجھا سکتا تھا کہ اس حالت میں تو مردے کی آنکھ بھی کھل سکتی ہے، کیونکہ میں فوراً ہی جان گیا تھا کہ وہ کون ہے......!

''ہٹو میرے اوپر سے......'' میں نے اسے دھکا دیا۔ ''ہٹو......''

ایک ہی دھکے میں وہ دور جا گرا۔ میں جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ یہاں یہی ایک شخص نہیں تھا...... اس جیسے کئی تھے۔

کیونکہ میں اس وقت کسی پاگل خانے میں موجود تھا۔ میں یہاں کیسے آیا......؟ یہ تو بعد کی بات تھی۔

فی الوقت تو مجھے اس صورت حال سے نمٹنا تھا۔ اس کمرے کا دروازہ بند تھا اور دس کے قریب پاگل میرے اردگرد موجود تھے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھ رہے تھے۔

میں دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ دو بازو پیچھے سے آ کر میری گردن میں جھول گئے۔
''کہاں بھاگ رہا ہے میرے گھوڑے...... بتا......؟ کہاں بھاگ رہا ہے......؟'' اس کی آواز پھر سے میرے کانوں میں اتر گئی۔
میں نے جھلا کر ایک بار پھر اس کے ہاتھوں کو جھٹکا دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے محسوس ہوا کہ اس کے مقابلے میں، میں کافی کمزور واقع ہوا ہوں۔
اس کی گرفت مجھے آہنی شکنجہ محسوس ہوئی، میں نے اپنی پوری قوت صرف کر دی، لیکن وہ کم بخت مجھ سے جونک کی طرح چمٹ گیا تھا۔
''چھوڑو مجھے......چھوڑو......'' میں گرجا۔
''کیوں چھوڑ دوں میرے گھوڑے......؟'' پشت سے آواز آئی۔ پھر پچ کر کے اس نے شاید میری گردن کا بوسہ لیا تھا۔ ''تم ہی تو میری جان ہو......ہی ہی ہی......''
اور پھر تو گویا قہقہوں کا طوفان ہی امڈ آیا۔ سارے کے سارے پاگل مجھ پر ہنس رہے تھے، میرا مذاق اڑا رہے تھے اور......
میں اپنے مخالف کی گرفت سے نکلنے کے لئے زور لگا رہا تھا، مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔
میری عقل دنگ تھی......سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں الوشا کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہونے کے بعد یہاں کیسے آ پہنچا......؟
اور پھر کسی قسم کا موقع دیئے بغیر وہ سب نعرے لگاتے ہوئے میری طرف بڑھے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے مجھے ہاتھوں پر اٹھایا اور سروں سے بلند کر لیا۔
میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ اگر یہ لوگ اٹھا کر مجھے دیوار پر دے ماریں تو......میری ہڈی پسلی ایک ہو جاتی......پاگلوں سے کیا بعید تھی......؟
یہ خیال کافی روح فرسا تھا۔ مجھے اور تو کچھ نہ سوجھا، میں نے اپنی پوری قوت گلے پر صرف کی اور چلانے لگا۔
''بچاؤ......بچاؤ......مجھے بچاؤ......''
گویا اب میں خود بھی پاگلوں ہی کی طرح چلا رہا تھا، میری آواز بھی حیرت انگیز طور پر کافی گونج دار ہو گئی تھی۔
اس چیخ و پکار کا خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ کیونکہ یک لخت ہی دروازہ کھلا تھا اور ایک کڑک دار آواز کمرے میں گونجی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے.....؟ کیا تماشہ لگا رکھا ہے.....؟''

میں اس آواز کو جادو اثر ہی کہوں گا..... کیونکہ اس جملے کے خاتمے سے قبل ہی میں دھم کی آواز کے ساتھ فرش پر آ رہا تھا۔

ظالموں نے ایک ساتھ مجھے اپنے ہاتھوں سے چھوڑا تھا۔ مجھے یوں لگا۔ جیسے میری کمر کی ہڈی چکنا چور ہو گئی ہو۔

میں جلدی سے ایک کراہ کے ساتھ اٹھنے کی کوشش کرنے لگا، جس میں مجھے کامیابی بھی ہو گئی تھی۔

میں نے دل ہی دل میں بھگوان کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور سر اٹھا کر اپنے محسن کی طرف دیکھا۔

وہ لمبے قد کا دبلا پتلا سا آدمی تھا، اس کے جسم پر خاکی رنگ کی وردی تھی اور سیدھے ہاتھ میں ایک لمبی سی اسٹک تھی۔

اس کے چہرے پر درشت قسم کے آثار تھے، اس نے خون خوار نظروں سے پہلے تو پاگلوں کے مجمع کو دیکھا اور پھر چہرے پر قدرے نرم تاثرات لا کر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''تم کون ہو.....؟ یہاں کیا کر رہے ہو.....؟'' اس نے تلے انداز میں مجھے دیکھا۔

''میں..... میں.....'' میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا جواب دوں۔

اس آدمی کے اندر آتے ہی سارے پاگل ایک کونے میں سمٹ گئے تھے، میں اٹھ کر کھڑا ہوا اور کپڑے جھاڑنے لگا۔

میری کمر میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

''تم اندر کیسے آئے.....؟ میں تو ابھی ڈیوٹی پر آیا ہوں..... مجھ سے پہلے والے گارڈ نے تمہیں روکا نہیں.....؟ جانتے ہو..... یہ سب کتنے خطرناک پاگل ہیں.....؟'' وہ دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔

''اس وقت دروازے پر کوئی نہیں تھا.....؟'' میں نے طویل سانس لے کر بات بنائی۔ ''میں یہاں سے گزر رہا تھا کہ ان میں سے کسی نے دروازہ کھولا..... اور ہاتھ پکڑ کر مجھے اندر کھینچ لیا۔''

میرا اشارہ مریضوں کی طرف تھا۔ مجھے یہاں اپنی موجودگی کا کوئی نہ کوئی جواز تو پیش کرنا ہی تھا۔ اس لئے میں نے ان سب کے سر الزام دھر دیا۔

میری بات سن کر میرے محسن نے ایک بار پھر انہیں سخت نظروں سے نوازا تھا۔

پھر وہ مجھے باہر۔ لے آیا ایک راہداری سے گزرتے ہوئے اس نے مجھ سے یہاں آنے کا مقصد پوچھا، وہ سمجھ رہا تھا کہ یہاں میرا کوئی عزیز ایڈمٹ ہے۔

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے...... میں دراصل روزنامہ امرت کا کالم نگار ہوں...... میں اپنے کالم میں پرچے کے لئے پاگل خانے پر ایک مضمون لکھنا چاہ رہا تھا...... اسی لئے یہاں آیا ہوں......''

یہ کہہ کر میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اپنا کارڈ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''روزنامہ امرت......'' نہ جانے کیوں وہ چونک اٹھا۔ ''میرے خیال سے یہ اخبار تو بمبئی سے نکلتا ہے۔''

''جی ہاں......'' میں نے اس کی شکل تکتے ہوئے سر ہلایا۔

''تو پھر......'' اس نے میرے کارڈ پر نظریں گاڑ دیں۔ ''کہاں بمبئی...... اور کہاں غازی پور بلیا...... میرا مطلب ہے کہ بمبئی کا پاگل خانہ چھوڑ کر آپ یہاں کیوں آئے ہیں......؟''

اس کا جملہ سن کر میں نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا تھا، ورنہ غازی پور بلیا کا نام سن کر میں بری طرح چونک اٹھا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ اگر میں اس وقت بلیا میں تھا، تو اپنے شہر سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر موجود تھا۔

''بس ایسے ہی......'' میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''یوں بھی یہ شہر میرا دیکھا بھالا نہیں تھا......''

''اوہ...... اچھا'' اس نے سر ہلایا۔ ''لیکن آپ سے سخت غلطی ہوئی...... آپ کو پہلے دفتر میں آنا چاہتے تھا۔''

''واقعی...... یہ بات تو ہے......'' میں نے جلدی سے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

اب میں اسے کیسے بتاتا کہ اپنے شہر سے اتنی دور ...... اور ایسی جگہ پر...... میں خود سے کہاں آیا تھا......! مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کیسے اور کب یہاں لایا گیا......؟

ہم دونوں یونہی باتیں کرتے ہوئے اسٹاف کے دفتر میں داخل ہو گئے۔ اب میرا پروگرام یہاں سے جلد از جلد بھاگ نکلنے کا تھا۔

غیر محسوس طور پر میں نے اپنی جیبوں کی تلاشی لے لی تھی۔ میری جیب میں رقم موجود تھی اور یہ بات کافی اطمینان بخش تھی، ورنہ اس دور دراز جگہ پر میں شدید پریشانی کا شکار ہو جاتا۔

پاگل خانے کے انچارج کا نام کاردار سنگھ تھا، اس نے بڑی خوش دلی سے میرا خیر مقدم

کیا تھا۔

ہلکے پھلکے ناشتے سے میری تواضع ہوئی، میں نے اپنے اخبار کے توسط سے پاگل خانے کے متعلق کچھ معلومات حاصل کیں اور یہ معلومات کاردار سنگھ نے مجھے بہ خوشی فراہم کی تھیں اور مجھے یہاں اپنی موجودگی کے جواز کے لئے ایسا کرنا پڑا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد میں نے کاردار سنگھ سے ہاتھ ملایا اور دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے وہاں سے رخصت ہو گیا۔

پاگل خانے سے باہر آنے کے بعد میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔

مجھے یہاں اتنی دور لانے کا آخر مقصد کیا تھا......؟ کیا الوشا خود بھی یہاں تھا......؟ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ یہ اس نے اپنی طاقت کا ہلکا سا نمونہ دکھایا ہو کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے...... لیکن کیوں......؟ میں اسے صاف صاف بتا تو ہو چکا تھا کہ وہ کتاب اب میری دسترس میں نہیں ہے۔

خاص طور پر نشے کی حالت میں تو انسان سچ ہی بولتا ہے...... میں اسے نشے میں دھت ہو کر آگاہ کر چکا تھا کہ مجھ سے وہ کتاب فلوریڈا لے گئی تھی۔

اب خود فلوریڈا کہاں تھی......! میں اس سے لاعلم تھا۔ بہر حال میں سمجھ نہیں پایا تھا کہ مجھے پاگل خانے میں ڈال دینا، میری سزا تھی یا میرے ساتھ مذاق کیا گیا تھا۔

پاگل خانے سے نکل کر میں اس وقت بلیا کے ایک پر رونق بازار میں کھڑا ہوا تھا۔ سب سے پہلے میرے ذہن میں جو بات آئی، وہ یہ تھی کہ الیاس کو فون کیا جائے۔

چنانچہ میں ایک قریبی فون بوتھ کی طرف بڑھا۔ ریسیور اٹھا کر میں نے اپنے دفتر کے نمبر ملائے۔ جلد ہی سلسلہ مل گیا۔

اتفاق سے کال بھی الیاس نے ہی وصول کی، میری آواز سن کر شاید وہ اچھل ہی تو پڑا تھا۔ فوراً بولا۔

''کہاں غائب ہو تم تین دن سے......''

''تین دن......'' میرے منہ سے نکلا۔

تو کیا میں تین دن سے اپنے شہر سے دور تھا......؟

''تو اور کیا......'' دوسری طرف سے الیاس کی بھنائی ہوئی آواز آئی۔ ''میں آج پولیس میں رپورٹ کرنے ہی والا تھا...... تمہیں کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا...... دل ڈر رہا تھا کہ کہیں دشمنوں نے تمہیں...... خدانہ کرے...... تم بول کہاں سے رہے ہو......؟''

''غازی پور بلیا سے......'' میں نے جواب دیا۔

''کیا......!!!'' اس کی آواز تیز تھی۔ ''تم وہاں کیا کر رہے ہو......؟''

''فی الحال تو تمہیں فون کر رہا ہوں۔'' میں نے طویل سانس لی۔ ''میں خود سے یہاں نہیں آیا بلکہ لایا گیا ہوں......''

''کون لایا تمہیں......؟''

''مجھے خود نہیں معلوم......خیر چھوڑو یہ تذکرہ......میں آ رہا ہوں......''

''آ جاؤ جلدی......اور ہاں......میں اور مریم تم سے بری طرح ناراض ہیں۔'' دفعتاً الیاس کا لہجہ بدل گیا۔

''کیوں......؟''

''تم گھر سے بھاگ کیوں نکلے تھے......؟ تمہیں اگر کوئی تکلیف ہو رہی تھی، تو بتا دیتے......''

''ایسی کوئی بات نہیں تھی الیاس......یہ بتاؤ......تمہارے گھر پر کوئی آیا تو نہیں تھا......میرے بعد سب خیریت رہی نا......؟''

''ہاں......کوئی بھی نہیں آیا......'' الیاس نے جواب دیا۔

چند مزید باتیں کرنے کے بعد میں نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر میں نے کاؤنٹر پر پیسے ادا کئے اور باہر نکل آیا۔

غازی پور بلیا کا یہ بازار بڑی بھیڑ بھاڑ والا تھا۔ بھانت بھانت کے لوگ یہاں دکھائی دے رہے تھے۔

عورتیں زیادہ تر ساڑھی میں ملبوس تھیں اور آدمیوں نے دھوتی اور کرتا زیب تن کر رکھا تھا۔

شور شرابا اتنا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ان میں زیادہ آوازیں پتھارے والوں کی تھیں، جو مچھلی اور پھل وغیرہ بیچ رہے تھے۔

میرا ارادہ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جانے کا تھا، تاکہ جلد سے جلد ریلوے اسٹیشن پہنچ کر بمبئی کا ٹکٹ کٹوا سکوں۔

میرے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے، لیکن ابھی میں بازار میں ہی تھا کہ میرے دونوں پہلوؤں سے کوئی چیز آ لگی......میں چونکہ اپنی سوچوں میں گم تھا، اس لئے اس اچانک افتاد پر اچھل پڑا۔

''خاموشی سے سیدھے چلتے رہو......'' ایک سرد آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ''اگر شور مچانے کی کوشش کی تو تمہارے جسم میں سوراخ ہو جائیں گے......چلو......''

میں سناٹے میں آ گیا۔ یہ دو آدمی تھے...... جو یکدم ہی کسی جانب سے میرے قریب آئے تھے اور میرے دائیں اور بائیں پہلوؤں سے گویا چمٹ گئے تھے۔

چند لمحے تک تو میں کوئی حرکت ہی نہیں کر پایا تھا۔ پھر میں نے جی کڑا کر کے ان دونوں پر نظریں دوڑائیں۔

دونوں ہی پتلون اور شرٹ پہنے ہوئے تھے، ان کے رنگ شفاف تھے، لیکن ان کی قومیت کا قطعی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ بہر حال وہ دونوں کم از کم دیسی ہرگز نہیں تھے اور مجھے مخاطب بھی انگریزی میں ہی کیا گیا تھا۔

''تم دونوں کون ہو......؟ کیا چاہتے ہو......؟'' میں نے پوچھا تھا۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں ......'' وہی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ''چلو رکو نہیں...... آگے بڑھو......''

مجھے باقاعدہ ہلکا سا دھکا بھی دیا گیا تھا۔ دونوں ریوالور اب بھی میرے جسم سے ''پیوست'' تھے۔ یہ اور بات تھی کہ آنے جانے والوں کو قطعی دکھائی نہ دے رہا ہو...... گویا روح اور فرشتوں والا معاملہ تھا۔

''تم لوگ کون ہو......؟ سنو...... میرے پاس اتنی رقم ہرگز نہیں ہے کہ تمہیں اس سے کوئی فائدہ پہنچ سکے۔'' میں نے چلتے چلتے منہ کھولا۔

''ہم لوگ اٹھائی گیرے نہیں ہیں مسٹر ساون کمار......!'' اس جملے نے مجھے چونکا دیا۔ ''واقف کاروں کی طرح نارمل انداز میں آگے بڑھتے رہو...... سامنے نیلے رنگ کی کار کھڑی ہے ...... ہمیں اس میں سفر کرنا ہے...... سمجھے......!''

نیلے رنگ کی کار میں ڈرائیور پہلے سے ہی موجود تھا، مجھے پچھلی سیٹ پر درمیان میں بٹھانے کے بعد وہ دونوں بھی میرے دائیں، بائیں آ بیٹھے۔

فوراً ہی کار اسٹارٹ ہوئی اور آگے بڑھنے لگی، اس کی رفتار غیر معمولی طور پر تیز تھی۔

''تم لوگ آخر ہو کون ......؟ اور مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو......؟'' میں نے پھر زبان کھولی۔

''ہم تمہارے پرانے واقف کار ہیں...... وہی بولا تھا۔ ''فرق اتنا ہے کہ ہماری پہلی ملاقات نقابوں کے پیچھے سے ہوئی تھی......''

یہ سن کر میں چونک اٹھا۔

''اوہ........تو تم لوگ وہی ہو.....جو میرے فلیٹ میں.....''میں نے بولنا چاہا۔

''دروازے کے قبضے اکھاڑ کر اندر آئے تھے.....''اس نے سر ہلا کر میری بات کاٹی۔

''ہاں.....ہم وہی ہیں.....جن کے ڈر سے تم یہاں پر بھاگ آئے ہو......''

''میں بھاگ کر نہیں آیا.....''میں جلدی سے بولا۔ ''یہاں مجھے لایا گیا تھا۔''

''خیر.....کچھ بھی ہوا ہو.....''وہ طویل سانس لے کر بولا۔''اب باس ہی جانے اور تم.....ہمارا جو کام تھا.....ہم نے کر دیا۔''

''باس.....!!''میرے منہ سے سوالیہ انداز میں نکلا۔

''ہاں.....باس.....''

''کون ہے وہ.....؟''میں نے پھر پوچھا۔

''ابھی تم مل ہی لو گے.....خود دیکھ لینا۔''دوسرا آدمی بولا تھا، جواب تک خاموش ہی رہا تھا۔

پھر یہ سفر خاموشی سے ہی کٹا تھا.....اب میرے اندازے کے مطابق کم از کم ہم لوگ غازی پور بلیا میں نہیں تھے۔

نہ جانے کتنے گھنٹوں کی مسافت کے بعد ہم لوگ کسی اور شہر میں داخل ہوئے۔ یہ ایک مضافاتی علاقہ تھا، جہاں کافی تعداد میں نئے مکانوں کی تعمیر ہو رہی تھی۔

کار ایک نو تعمیر عمارت کے سامنے آ کر رک گئی، میں ابھی تک کسی پتھر کے بت کی طرح ساکت و جامد ہی سیٹ پر براجمان تھا۔

کار کا دروازہ کھولا گیا، ساتھ ہی مجھے ٹھوکا دے کر باہر نکلنے کا اشارہ ملا، فی الوقت تو میں ان لوگوں کے ہی رحم و کرم پر تھا، بلکہ ان لوگوں سے بھی زیادہ میں اپنی تقدیر کو دوشی ٹھہراؤں، تو بہتر ہوگا مجھے کہاں کہاں کے دھکے کھانے پڑ رہے تھے.....نہ جانے میرے نصیب میں کیا لکھا تھا......!

میں چار و ناچار، کار سے باہر نکل آیا، ان میں سے ایک نے عمارت کی طرف اشارہ کیا۔

''اندر چلے جاؤ.....سیدھے ہاتھ پر پہلا دروازہ.....باس تمہاری منتظر ہے......''

''باس میری منتظر ہے.........کیا وہ کوئی عورت ہے.....؟''میں نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں.....لیکن 50 مردوں سے زیادہ طاقت ور.....اور توانا.....اب جاؤ.....اور زیادہ ہوشیاری مت دکھانا.....ورنہ نتیجہ تمہارے حق میں برا ہوگا۔''

میں نے نظر بھر کر اپنے انجان ہم سفروں کو دیکھا اور انجانی ہی منزل کی طرف قدم

بڑھادیئے۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے قدرے سوچ کر قدم اندر رکھ دیا، فوراً ہی دائیں جانب سے ایک قد آور آدمی نکل کر میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''ساون کمار......؟'' اس کی آواز باریک سی تھی۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے انگلی اٹھا کر ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

میں آگے بڑھا، پھر جیسے ہی میں نے اس دروازے سے کمرے کے اندر قدم رکھا، میری آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔

بالکل سامنے صوفے پر ایک انتہائی دلکش خدوخال کی عورت نیم دراز تھی، اس کے جسم پر لباس اتنا مختصر تھا کہ ایک لمحے کے لئے تو میں بوکھلا سا گیا۔

وہ بدستور میری ہی طرف متوجہ تھی، اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ بھی نہایت دلآویز تھی، اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں اتنی تازگی اور اتنی کشش تھی کہ انہیں ستاروں سے تشبیہ دی جاسکتی تھی۔

اس نے انداز دلبربائی سے ہاتھ اٹھایا اور صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ''آؤ...... بیٹھو...... ساون کمار......''

میں مشینی انداز میں اس کے سامنے والے صوفے پر دراز ہو گیا۔ یہ شاید ڈرائنگ روم تھا، جسے کافی نفاست سے سجایا گیا تھا۔

وہ میری طرف دیکھتی رہی۔ میں نہ جانے کیوں اس سے آنکھیں چرانے پر مجبور تھا، شاید اس کی آنکھوں کی چمک کے آگے خود میری نظر ٹھہر نہیں رہی تھی۔ پھر اس کے یاقوتی ہونٹ کھلے۔

''میرا نام مادام گارسی ہے...... میرے تمام کارندے مجھے باس کے نام سے مخاطب کرتے ہیں...... یہ تو ہو گیا میرا تعارف...... تم سے میں ظاہر ہے کہ واقف ہوں، اب تم یہ بتاؤ کہ بمبئی سے اتنی دور بھاگ کر آنے کا کیا فائدہ ہوا......؟ ہم نے تو تمہیں یہاں بھی جال میں پھانس لیا......''

''میں یہاں خود سے نہیں آیا...... میں جلدی سے بولا۔'' میں آپ کے آدمیوں کو پہلے ہی آگاہ کر چکا ہوں...... میں تو نہ جانے کس مصیبت میں آ پھنسا ہوں...... جس کا جی چاہتا ہے...... مجھے اٹھا کر لے جاتا ہے...... اور کہیں بھی لا کر پھینک دیتا ہے...... میں اب حد درجے تنگ آچکا ہوں۔''

''تو تم...... خود سے یہاں نہیں آئے......؟'' مادام گارسی نے میری آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

میں نے فوراً ہی آنکھیں پھیر لیں۔

''نہیں......''میں نے نفی میں سر ہلایا۔''مجھے کوئی اور یہاں لایا ہے...... وہ بھی مجھے بمبئی میں ہی ملا تھا، اس کا نام الوشا تھا۔''

''الوشا......!!''مادام گارسی نے حیرت سے دہرایا۔ پھر بڑبڑا کر بولی۔''وہ...... وہ بھی کود پڑا......؟''

''آپ اسے جانتی ہیں......؟''میں نے پہلو بولا۔

''آں......''وہ چونک سی گئی۔ پھر سر ہلا کر بولی۔''ہاں...... بہت اچھی طرح......''

''بس...... تو پھر بھگوان کے واسطے......''میں نے واقعی ہاتھ جوڑ دیئے۔''مجھے صرف اتنا بتا دیجئے کہ آخر یہ سب چکر کیا ہے......؟ آپ سب لوگ کون ہیں......؟ اور کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں......؟ میں نے آپ لوگوں کا کیا بگاڑا ہے......؟''

''تم مجھے وہ کتاب دے کر ہر پریشانی سے نجات حاصل کر سکتے ہو......''مادام گارسی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''میں کہاں سے دوں وہ کتاب......؟''میں جھنجلا اٹھا۔''میرے پاس ہے ہی نہیں، تو دوں گا کہاں سے......؟ اور اگر بالفرض وہ میرے پاس ہوتی بھی، تو میں دے دلا کر اپنی جان چھڑا چکا ہوتا۔''

''تو وہ کتاب اب تمہارے پاس نہیں ہے......؟''مادام گارسی نے پوچھا۔

''نہیں......''میں نے جواب دیا۔

''ادھر دیکھو...... میری طرف......''اس کا انداز تحکمانہ تھا۔ بے اختیار میری نگاہ اس کی آنکھوں سے ٹکرا گئی، دوسرے ہی لمحے مجھے ایک زوردار جھٹکا لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوا، جیسے میری جسمانی قوتیں آنکھوں کے راستے نکل رہی ہوں۔

''ساون کمار......!''

''ہاں......''مجھے اپنی آواز اندر کنوئیں میں سے آتی ہوں محسوس ہوئی۔

''وہ کتاب کہاں ہے......؟''

''مجھ سے فلوریڈا لے گئی تھی...... مجھے نہیں معلوم کہ اب وہ کتاب کہاں ہے......؟''

''فلوریڈا کون ہے......؟''پھر سوال کیا گیا۔

''میں نہیں جانتا...... ہوٹل ریکسو میں آگ لگی تھی، اس وقت میں نے ہی اسے ایک کمرے

سے نکال کر اس کی جان بچائی تھی۔ اسی رات کو وہ میرے گھر آئی ...... رات بھر ٹھہری ...... اور صبح میرے جاگنے سے قبل ہی کتاب لے کر چلی گئی ......" میں نے خود بخود تفصیل بتائی۔ میرا انداز کسی معمول کی طرح مشینی سا تھا۔

"اوہ ......" مادام گارسی کے منہ سے نکلا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ہمارے لئے قطعی بے کار ہو......"

یہ کہہ کر اس نے اپنے سر کو جھٹکا دیا۔ دوسرے ہی لمحے میرا پورا وجود ہل کر رہ گیا۔ میں تیورا کر فرش پر گرا اور پھر مجھے اپنے تن بدن کا قطعی ہوش نہ رہا۔ میں بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

"صاحب ......ٹکٹ دکھایئے......" یہ وہ آواز تھی، جس نے شاید مجھے ہوش کی دنیا میں آنے پر مجبور کیا تھا۔

میں نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں۔ دوسرے ہی لمحے میں دھک سے رہ گیا۔ میں اس وقت کسی ٹرین کے ڈبے میں تھا، جو ہچکولے لیتی ہوئی تیز رفتاری سے اپنی منزل کی طرف گامزن تھی۔ ٹرین کی "چھکا چھک" کسی ہتھوڑے کی طرح میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ ایک شخص میرے سر پر سوار تھا، جو حلیئے سے ٹکٹ چیکر دکھائی دے رہا تھا۔ "ٹکٹ دکھاؤ صاحب!" اس نے اپنا جملہ دہرایا۔

"ہاں ...... آں ......" میں نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے بے ساختہ جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرے ہی لمحے میری انگلیاں کسی سخت قسم کے کاغذ سے ٹکرائیں۔

میری انگلیوں نے جلدی سے اسے کھینچ کر باہر نکالا، وہ واقعی ٹکٹ ہی تھا۔ ٹکٹ چیکر، جواب تک کڑی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا، اس نے ٹکٹ میرے ہاتھ سے لے لیا، اس پر ایک نظر ڈالی اور اطمینان بھرے انداز سے بولا۔

"آپ تو ایسے گھبرا رہے تھے، جیسے بغیر ٹکٹ کے سفر کر رہے ہوں......"

اس جملے نے ڈبے کو کشتۂ زعفران بنا دیا، کئی قہقہے میرے کانوں میں زہر کی طرح گھل گئے۔

اب مجھے احساس ہوا کہ میں ڈبے میں تنہا نہیں تھا۔ میں نے چونک کر اردگرد دیکھا کئی آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ ڈبے میں بہت سے مسافر موجود تھے، ان میں سبھی شامل تھے، بچے، جوان، بوڑھے، عورتیں، لڑکیاں......

چند لمحوں کے لئے میں خجل سا ہو گیا۔ ٹکٹ چیکر اب میرے برابر والے کی طرف متوجہ

ہو چکا تھا، جو کہ ایک عمر رسیدہ بڑے میاں تھے۔

''ارے میاں......لو......ہم پر بھی شک ہو رہا ہے۔'' بڑے میاں نے ہانک لگائی۔ ''ارے چیکر بیٹا......! ہم کیا اس عمر میں بھی بے ایمانی کریں گے......خدانخواستہ......''

''یہ میری ڈیوٹی ہے بڑے صاحب......'' ٹکٹ چیکر خوش دلی سے مسکرایا۔ ''ٹکٹ تو میں سب ہی کے چیک کرتا ہوں۔ لائیے......''

بڑے میاں نے برا سا منہ بنایا اور جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرے لمحے وہ بری طرح اچھلے تھے۔

''ارے......میرا......ٹکٹ......کہاں گیا......؟''

مسافر ایک بار پھر ہنس پڑے۔ ادھر اب ٹکٹ چیکر کے ساتھ ساتھ میں بھی ان ہی بڑے میاں کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ بڑے میاں کچھ بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئے تھے۔ انہوں نے باری باری اپنی جیبیں ٹٹولیں اور پھر ٹکٹ چیکر کی طرف دیکھ کر مسمسی سی صورت بنالی۔

''نہیں مل رہا......نہ جانے کہاں گیا کم بخت......'' وہ اب کھڑے ہو کر اپنے کپڑے جھاڑنے لگے۔

ٹکٹ چیکر غور سے ان کا جائزہ لے رہا تھا، پھر اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ ''ٹکٹ کہاں ہے بڑے صاحب......؟''

''ارے میاں......میری جیب میں ہی تھا......میں نے......خود رکھا تھا۔'' وہ آنکھیں پھاڑ کر بولے۔

''تو پھر کہاں گیا......؟'' ٹکٹ چیکر نے پوچھا۔

''مجھے کیا معلوم بھئی......'' بڑے میاں تنک گئے۔ ''نکال لیا ہوگا کسی نے جیب سے......میں تو ٹکٹ لے کر ٹرین میں سوار ہوا ہوں......ارے میاں......! عمر گزر گئی میری سفر کرتے کرتے......کبھی ایسا نہیں ہوا......کیوں میرا ریکارڈ خراب کرنے کے درپے ہو......خدانخواستہ......''

''اچھی طرح دیکھ لیں جناب......'' ایک اور صاحب نے دخل دیا۔ ان کا انداز ہمدردانہ تھا۔ ''اگر آپ نے ٹکٹ لیا ہوگا، تو آپ کے پاس ہی ہوگا......جائے گا کہاں......؟''

''اگر سے آپ کی کیا مراد ہے......؟'' بڑے میاں ان پر چڑھ دوڑے۔ ''آپ بھی مجھ پر بہتان لگانے کی کوشش کر رہے ہیں......خدانخواستہ......''

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بڑے میاں نے ڈبے کو مچھلی بازار بنا کر رکھ دیا، جوان کے خلاف

بولتا، وہ اس پر بھی چڑھ دوڑتے اور جو حمایت لیتا اسے بھی جھاڑ دیتے۔
میں سب کچھ بھول بھال کر اس تماشے میں کھو گیا۔ ٹکٹ چیکر بھی اپنی صفت کا ایک ہی ضدی تھا، اس نے قطعی تسلیم نہیں کیا کہ بڑے میاں نے ٹکٹ لیا ہوگا۔
آخر کار اس نے چالان کاٹ ہی دیا۔ ادھر وہ اگلے مسافر کی طرف متوجہ ہوا، ادھر بڑے میاں نے میرے کان میں سرگوشی کی۔
''زنجیر کھینچ دوں......؟''
''جی......؟؟'' میں چونک پڑا۔
''ارے میاں......! میں پوچھ رہا ہوں زنجیر کھینچ دوں......اس پورے ڈبے میں مجھے تم ہی ایک معقول آدمی نظر آرہے ہو، اسی لئے تم سے مشورہ لے رہا ہوں......خدانخواستہ......''
''آپ کی مرضی ہے......'' میں گڑبڑا گیا۔ ''ویسے......آپ زنجیر کیوں کھینچنا چاہتے ہیں......؟''
''میرے ساتھ ظلم ہوا ہے......'' وہ منہ بنا کر ذرا بلند آواز سے بولے۔ ''میں اب زنجیر کھینچ دوں گا......ہاں......''
''اور پھر دوبارہ جرمانہ بھی ہو جائے گا۔'' ٹکٹ چیکر بول پڑا۔ ''خدانخواستہ......''
اس بات پر کافی زوردار قہقہے بلند ہوئے تھے۔ بڑے میاں منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا کر رہ گئے تھے۔
''آپ کہاں جا رہے ہیں جناب......؟'' دفعتاً میں نے بڑے میاں سے سوال کر ڈالا۔
''جہنم میں......'' ان کا تلملاتا ہوا جواب تھا۔
''میں نے فی الحال کے متعلق پوچھا تھا۔'' مجھے بھی مذاق سوجھا۔
بڑے میاں نے گھور کر مجھے دیکھا اور دوسری طرف منہ پھیر کر بولے۔ ''یہ ٹرین بمبئی جا رہی ہے......اور چونکہ میں بھی اسی ٹرین میں سوار ہوں، اس لئے میں بھی بمبئی ہی جا رہا ہوں......خدانخواستہ......''
ان کی بات سن کر میرے دل میں اطمینان کی ایک لہر سی دوڑ گئی، اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اب اپنے شہر ہی کی طرف رواں دواں تھا۔
میرے ''ستم ظریف'' واقف کاروں نے......اور وہ بھی ایسے کہ جن سے میں خود ناواقف تھا، اور وہ مجھ سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ انہوں نے کم از کم مجھ پر اتنا احسان تو کیا تھا کہ ریل میں

سوار کروادیا۔ کس طرح......؟ یہ ان ہی لوگوں کو معلوم تھا۔

دفعتاً ایک خیال میرے ذہن میں کوندے کی طرح لپکا، کہیں...... ان بے چارے بڑے میاں کا ٹکٹ ان کی جیب سے نکال کر میری جیب میں تو منتقل نہیں کر دیا گیا تھا......؟

ان عجیب وغریب قسم کے میز بانوں سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔

بے خیالی میں میں نے بڑے میاں کی طرف چور نظروں سے دیکھا اور پھر فوراً ہی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ ٹرین کافی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔

کرن کپور نے مجھے دیکھتے ہی اچھل پڑنے کی ناکام کوشش کی، یہ ناکامی ظاہر ہے کہ اسے اپنے بے پناہ ڈیل ڈول کی وجہ سے ہوئی تھی۔

''حیرت زدہ ہونے کی کوشش مت کرو...... میں سمجھ چکا ہوں۔'' میں نے تھکے تھکے انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا اور اس کے سامنے والی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

''ابے تم ہو کہاں......؟ بالکل گدھے کی سینگوں کی طرح غائب ہو......'' کرن کپور نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھا۔

''مت پوچھو......'' میں نے کرسی سے سر ٹکا کر ایک طویل سانس لی۔ ''تم سینگوں کو رو رہے ہو...... اور میں خود کو مکمل گدھا محسوس کر رہا ہوں......''

''پورے شہر میں تمہارا ڈھنڈورا پٹ رہا ہے......'' وہ پھر بولا۔ ''خاص کر تمہارا دوست الیاس تو بہت ہی پریشان تھا...... یہاں کے کئی چکر لگا چکا ہے...... بہت پریشان ہے بے چارہ......''

''میں نے اسے خیریت کا فون کر دیا تھا...... میں غازی پور بلیا میں تھا۔'' میں نے بتایا۔

''غازی پور بلیا میں......؟ وہاں کیا کرنے گئے تھے......؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''چنے بیچ رہا تھا......''

''ٹھیک طرح بتاؤ...... تم آج کل نہ جانے کن چکروں میں ہو...... تمہارا چال چلن مجھے کافی مشکوک لگ رہا ہے۔''

''میں کوئی بیوہ ناری نہیں ہوں۔'' میں نے منہ بنایا۔ ''ابھی تو میں بہت تھکا ہارا آیا ہوں...... ذرا گرما گرم چائے پلوادو......''

''چائے بھی پلاؤں گا اور کھانا بھی کھلاؤں گا...... فکر مت کرو...... بس یہ بتا دو کہ تم وہاں کیا کرنے گئے تھے۔''

''میں گیا نہیں تھا......'' میں نے کہا۔ ''مجھے لے جایا گیا تھا......''

''لے جایا گیا تھا......؟ کون لے گیا تھا تمہیں......؟''اس نے مجھے گھورا۔

''وہی......کتاب کا چکر......''

''کتاب......۔'' کرن کپور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر میری آنکھوں میں جھانک کر بولا۔''سچ سچ بتاؤ......تم کہیں الٹے سیدھے چکروں میں تو نہیں پڑ گئے......''

پھر اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس دوران میں نے چائے بھی پی اور الیاس کو اپنی خیریت کا فون کر کے اپنی ''واپسی'' کی اطلاع بھی دے دی۔ میں اتنا تھک گیا تھا کہ اب سوائے بستر کے اور کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔ چنانچہ پھر ہوا بھی یہی۔

تھوڑی دیر بعد میں وہاں سے نکل کر سیدھا اپنے فلیٹ میں آ گیا۔ جلدی جلدی لباس تبدیل کیا، اور بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر جو میں بے سدھ ہو کر سویا ہوں، تو دن چڑھے ہی میری آنکھ کھلی ......اتنی گہری نیند شاید ہی کبھی نصیب ہوئی ہو گی۔

آنکھ کھلنے کے باوجود میں کئی منٹ تک بستر پر پڑا رہا، لیکن جب میری نظر گھڑی پر گئی، میں بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا......ساڑھے نو بج چکے تھے۔

آج مجھے ہر صورت میں آفس پہنچنا تھا، کیونکہ میں پہلے ہی وہاں تین دن سے غیر حاضر تھا اور یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی۔

میں نے تیار ہونے اور ناشتہ کرنے میں بڑی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔ پھر میں بھاگم بھاگ آفس پہنچا تھا۔

وہاں پر سب سے پہلے تو اپنے آفیسر کے نرم گرم انداز کا سامنا کیا، اور حسب روایت ''جی سر جی سر......آئندہ ایسا نہیں ہو گا سر......''

یہ سب بار بار کہتے ہوئے معاملے کو ''ٹھنڈا'' کیا اور اپنے ڈیپارٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔

یہاں پورے عملے نے مجھے آڑے ہاتھ لیا، خاص طور پر الیاس تو باقاعدہ مجھ پر جیسے سود کھائے بیٹھا تھا۔

بڑی مشکل سے میں نے ان سب سے اپنی جان چھڑائی، البتہ الیاس بار بار مجھ سے اس رات کا شکوہ کر رہا تھا کہ جس رات میں اس کے فلیٹ سے بھاگ نکلا تھا۔

ان ہی باتوں میں دوپہر ہو گئی اور بھوجن کا وقت ہو گیا، الیاس نے مجھے اپنے گھر سے لائے ہوئے کھانے کے لئے زبردستی بیٹھا لیا۔

ابھی ہم کھانا کھا ہی رہے تھے کہ آفس کا اردلی وہاں آ کھڑا ہوا۔

کیا ہوا......؟ کیا کھانا کر بھاگو لگے......؟'' الیاس نے منہ چلاتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔
نیس ......!'' اس نے نفسی میں سر ہلایا۔ تھاون تمارتا فون آیا ہے......''
وہ تتلا کر بولتا تھا۔ میں فوراً چونکا۔
میرا فون......؟ کون ہے فون پر......؟''
''ایت للتی ہے...... آپ توبلاری اے۔'' (ایک لڑکی ہے، آپ کو بلا رہی ہے) اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
''لڑکی......!!'' میں نے پھر پوچھا۔ ''کون لڑکی......؟ نام کیا ہے اس کا......؟
''یہ نیس بتایا...... بس آپ توبلاری اے۔''
میں نے ایک نظر الیاس پر ڈالی اور اٹھ کھڑا ہوا، میرے ذہن میں فوراً ہی فلوریڈا کا خیال دوڑ گیا۔ ہوسکتا تھا کہ اسی نے فون کیا ہو...... اور وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو۔
سب سے پہلے تو وہی میرے لئے معمہ بنی تھی اور اسی کی وجہ سے میں در در کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا۔
میں بھاگم بھاگ فون والے کمرے میں پہنچا اور ریسور اٹھا کر کان سے لگایا۔
''ہیلو...... ساون کمار بول رہا ہوں......''
''ساون ......! میں ہوں ...... فلوریڈا......'' دوسری طرف سے فلوریڈا کی ہی آواز آئی۔ نہ جانے کیوں میرا دوران خون تیز ہو گیا۔
''تم کہاں ہو فلوریڈا......! تم نے تو مجھے......'' میں نے بولنا چاہا۔
''مجھے سب معلوم ہے......'' اس نے میری بات کاٹی۔ ''اتنی تو مجھے بھی امید نہیں تھی کہ جتنا کچھ ہو گیا...... میں تم سے بہت شرمندہ ہوں...... میں نے تمہاری امانت ایک بینک کے لاکر میں رکھ دی ہے...... تم شام کو 7 بجے ہوٹل بلیو مون کے کمرہ نمبر 110 میں مجھ سے ملو اور لاکر کی چابی لے لو...... میرے پاس ٹائم نہیں ہے...... تم آؤ گے تو وہیں باقی باتیں ہوں گی......''
دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ شاید فلوریڈا نے ریسور رکھ دیا تھا۔
میں خالی الذہنی کے عالم میں ریسور کو گھورتا ہی رہ گیا۔
میں دوبارہ کمرے میں پہنچا تو الیاس میرا ہی منتظر تھا، میرے چہرے پر نظر ڈال کر فوراً بول اٹھا۔
''کس کا فون تھا......؟''

''آں ......'' میں چونکا اور پھر جلدی سے خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ ''کوئی لڑکی تھی ...... مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔''

میں نے فلوریڈا کا نام جان بوجھ کر ظاہر نہیں کیا تھا۔

''کیوں ملنا چاہتی ہے ......؟'' اس نے مجھے گھورا۔

''یہ تو مل کر ہی معلوم ہوگا ......'' میں نے لاپروائی ظاہر کی اور دوبارہ پلیٹوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ میرے بھوجن کا حصہ اب بھی موجود تھا۔

''تم کسی دشواری میں نہ پڑ جاؤ ......'' الیاس کے لہجے میں تشویش تھی۔

''دیکھا جائے گا ......'' میں نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

الیاس چند لمحے مجھے دیکھتا رہا اور پھر ہاتھ دھونے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس دوران میں فیصلہ کر چکا تھا کہ شام کو فلوریڈا سے ضرور ملوں گا۔

شاید اس سے ایسی کوئی بات معلوم ہو جائے کہ جس سے حالیہ معاملات کو سمجھنے میں کچھ مدد مل سکے۔

اس کتاب سے تو مجھے ویسے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی، البتہ اس کتاب کے پیچھے پیش آنے والے واقعات مجھے اکسا رہے تھے کہ میں فلوریڈا سے ملوں۔

شاید فلوریڈا ہی مجھے اس کتاب کے راز سے آگاہ کر دے۔ اب میں بے چینی سے شام ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

میں نے ہوٹل بلیومون کے کمرہ نمبر 110 کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ فوری طور پر مجھے کوئی جواب نہ مل سکا۔ بے دھیانی میں میں نے ادھر ادھر دیکھا، کاریڈور میں اکا دکا لوگ آتے جاتے دکھائی دیئے۔

اب کی بار میں نے ذرا قوت سے دروازے کو دھڑ دھڑایا، دروازہ خود بخود کھل گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دروازہ لاک نہیں تھا۔ میں نے چند لمحے سوچا اور پھر سر جھٹک کر کمرے میں داخل ہوگیا۔

''فلوریڈا ...... !فلوریڈا ...... !'' میں نے آوازیں لگائیں۔

لیکن جلد ہی مجھ پر آشکارا ہوا کہ کمرہ خالی ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر غسل خانہ وغیرہ بھی

چیک کیا، لیکن فلوریڈا کہیں نہیں تھی۔

میں الجھن میں پڑ گیا...... کئی خدشات میرے ذہن میں سر ابھارنے لگے...... کیا پھر کوئی چال چلی جا رہی تھی؟''

ہوسکتا تھا کہ فلوریڈا کا جھانسہ دے کر مجھے یہاں بلایا گیا ہو...... لیکن کیوں......؟ یہاں تھا ہی کون؟

میں بیڈ کے قریب آ کھڑا ہوا۔ عین اسی وقت میری نظر تکئے پر پڑی، جس کے اوپر ایش ٹرے کے نیچے کوئی پرچہ دبا ہوا تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر پرچہ کھینچ لیا اور اس پر نظریں جما دیں۔ یہ ایک مختصر سا خط تھا جو ہندی زبان میں تحریر تھا۔

''پیارے ساون...... میں فی الحال تم سے مل نہیں سکتی، کچھ لوگ میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں، میں انہیں بڑی مشکل سے غچہ دے کر ہوٹل بلیومون آئی اور یہ پرچہ اور تمہاری امانت کی چابی یہاں رکھ کر جا رہی ہوں۔ ایک دن کے لئے ہوٹل کا کمرہ میرے نام ہے...... چابی تمہیں ٹوائلٹ کے بکس میں ملے گی۔ میں تم سے شرمندہ ہوں اور جلد تم سے ملنے کی کوشش کروں گی۔''

فلوریڈا

میں نے تحریر کو غور سے پڑھا اور اسے جیب میں رکھ کر ٹوائلٹ کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے ٹوائلٹ میں داخل ہو کر بکس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ فوراً ہی کوئی سخت سی چیز میری انگلیوں سے ٹکرائی۔ میں نے اسے باہر نکال لیا۔ یہ واقعی ایک سنہرے رنگ کی چابی تھی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔

چابی کے ایک سرے پر مہابلی بینک کا نام کندہ تھا۔

میں ہوٹل کے کمرہ سے نکل کر سیدھا اپنے فلیٹ چلا آیا لاکر کی چابی میرے پاس محفوظ تھی۔ اپنی آرام دہ کرسی پر بیٹھنے کے بعد میں نے حالات و واقعات کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ جو کچھ میرے ساتھ پیش آ رہا تھا۔ وہ قطعی ناقابل فہم اور ناقابل یقین تھا اور سب سے بڑی اور اہم بات یہ تھی کہ اس معاملے کا کوئی سر پیر نظر نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال میرے دل میں یہ خواہش بری طرح مچل رہی تھی کہ میں مہابلی بینک کا لاکر کھول ڈالوں...... لیکن ظاہر ہے کہ بینک تو بند ہو چکا ہوگا۔

میرا دل بری طرح بے تاب تھا کہ جلد سے جلد وہ کتاب میرے ہاتھوں میں آ جائے اور میں اسے کھول کر دیکھ لوں...... آخر اس میں تھا کیا......؟

اب یہ سوال بھی پیدا ہورہا تھا کہ فلوریڈا نے وہ کتاب بینک کے لاکر میں محفوظ کرنے کے بعد دوبارہ میرے حوالے کیوں کر دی؟ جبکہ اس نے مجھ ہی سے تو وہ کتاب حاصل کی تھی۔ ان ہی سوچوں میں الجھتا ہوا میں نہ جانے کس وقت نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ صبح میں جلد ہی بستر سے اٹھ کھڑا ہوا، لیکن وہ صبح میرے لئے کچھ اچھا پیغام لے کر نہیں آئی تھی۔

دوپہر تک میں اور عملے کے دوسرے افراد آؤٹ ڈور کام میں مصروف رہے۔ دراصل ایک گارمنٹ فیکٹری میں آگ لگ گئی تھی، ہم لوگ وہاں سے 2 بجے کے قریب فارغ ہوئے۔

دوپہر کے بھوجن کے بعد میں اسٹور میں فائلیں سمیٹ رہا تھا کہ الیاس آندھی اور طوفان کی مانند اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں اخبار تھا۔ میں نے اسے دیکھا، اس کا چہرہ کسی جذبے کے تحت تمتما رہا تھا۔ میں مجسم سوال بن گیا۔

الیاس نے کچھ بتائے بغیر اخبار میری طرف بڑھا دیا۔ ساتھ ہی اس نے صرف اتنا کہا۔

''لو...... یہ خبر دیکھو......'' اس نے اخبار کی جس سرخی کی طرف اشارہ کیا تھا، میں نے اسی سمت نظریں دوڑائیں۔

جلد ہی ایک اشتہار نما خبر نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ''نیلے کور میں ملبوس ایک چھوٹی سی ڈائری۔ اس قسم کی ڈائری جن صاحب کو بھی ملے وہ مندرجہ ذیل پتے پر اسے پہنچا دیں۔ بڑی مہربانی ہوگی۔ اس ڈائری میں میرے چند پرسنل کاغذات ہیں جو کسی دوسرے کے لئے قطعی بیکار ہیں، یہ ڈائری کسی سے بھی نہیں کھل سکے گی...... جن صاحب کو ملے وہ اس سے زور آزمائی ہرگز نہ کریں۔ ڈائری لانے والے صاحب کو بھاری معاوضہ دیا جائے۔ P.K مشرا۔

1297 گولہ بازار، بمبئی

گو کہ یہ اشتہار چھوٹا سا تھا لیکن اسے کافی واضح انداز میں شائع کیا گیا تھا۔ میں نے اشتہار پڑھا اور ٹکٹکی باندھ کر الیاس کی شکل دیکھنے لگا۔

''کیا تم بھی وہی سوچ رہے ہو، جو میں سوچ رہا ہوں......؟'' الیاس نے معنی خیز انداز اختیار کر لیا۔

''ہاں......'' میں نے سر ہلایا۔ ''اور یہ بھی...... کہ تمہیں جاسوس بن جانا چاہئے...... تم سراغ رسانی کا کام اچھا کر سکتے ہو......''

''یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے......'' اس نے منہ بنایا۔ ''بلکہ میں تو سو فیصد یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اسی کتاب کا تذکرہ ہے، جس کی وجہ سے تم خوار ہو رہے ہو۔''

''ہوسکتا ہے کہ یہی بات ہو۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا۔''اور اگر ایسا ہے.....تو اب یقیناً کوئی نئی پارٹی اس کتاب کے حصول کے لئے میدان میں کودی ہے۔''

''تم ذرا احتیاط رہنا.....'' وہ ذرا آگے جھک آیا۔

''ابھی تک تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا.....آگے کا بھگوان جانے.....'' میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

تھوڑی دیر تک ہم دونوں اسی قسم کی باتیں کرتے رہے اور پھر وہ سمے آ گیا کہ جس کا مجھے انتظار تھا۔

3 بجتے ہی میں نے اپنی جیب تھپتھپا کر بینک لاکر چابی کے موجود ہونے کی تسلی کی اور پھر دفتر سے نکل آیا۔

☆.....☆.....☆

میں نے ابھی تک الیاس سے نہ تو فلوریڈا کا کوئی ذکر کیا تھا اور نہ بینک کے لاکر کی چابی کا..... اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ میں اب اس قسم کے معاملے کی کوئی مشہوری نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ جہاں تک میرا اندازہ تھا..... جتنے لوگ بھی اس کتاب کے چکر میں تھے وہ اب میری طرف سے قطعی مایوس ہو چکے تھے انہیں شاید یقین ہو چکا تھا کہ وہ کتاب میرے پاس نہیں ہے۔

چنانچہ میں نے بڑی احتیاط سے اور اپنی تھوڑی سی ذہانت سے کام لے کر مہابلی بینک کا رخ کیا۔

میں نے مہابلی بینک کے لئے کسی ایک گاڑی میں سفر نہیں کیا تھا..... تین بسیں بدل کر میں وہاں پہنچا تھا اور ایسا میں نے احتیاطاً کیا تھا..... ہوسکتا تھا کہ میرا تعاقب کیا جا رہا ہو.....!

میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ مہابلی بینک میں قدم رکھ دیا..... اس وقت نہ جانے کیوں میرے جسم کی عجیب سی کیفیت تھی۔ میری زبان تک میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔

بینک میں اس وقت عملے کے علاوہ کچھ زیادہ افراد موجود نہ تھے۔ میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور سیف روم کی طرف بڑھ گیا اور میں جب مطلوبہ سیف کھول رہا تھا تو میرے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ بہرحال میں نے سیف کھول ہی لیا.....اور پھر اگلے ہی لمحے وہ کتاب میری آنکھوں کے سامنے تھی۔

وہی کتاب..... جسے فلوریڈا میرے گھر سے لے اڑی تھی۔ ایک بار پھر وہ کتاب میرے پاس تھی۔ میں نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا اور جلدی سے کتاب نکال لی، اسے الٹ پلٹ کر دیکھا

اور پتلون کی جیب میں محفوظ کرلیا۔

پھر میں نے سیف بند کیا اور واپسی کے لئے پلٹ پڑا۔ واپسی کے لئے بھی میں نے وہی طریقہ اختیار کیا تھا، مہابلی بینک سے نکلنے کے بعد بس میں سوار ہوا اور دو اسٹاپ کے فاصلے پر اتر گیا۔

یہ ایک چھوٹی سی مارکیٹ تھی، میں نے بے خیالی کے عالم میں وہ جیب تھپتھپائی کہ جس میں کتاب محفوظ تھی۔

اگلے ہی لمحے میں مارکیٹ میں گھس گیا، لوگوں کی بھیڑ بھاڑ میں گھستا ہوا اور قطاروں کو چیرتا ہوا میں مارکیٹ کے دوسری جانب نکل آیا۔

یہاں سے میں آٹو رکشہ میں سوار ہوا، چار فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں رکشے میں سے بھی اتر پڑا۔

ایک بار پھر میں ایک بس میں سوار ہو چکا تھا۔ میں اس دوران چاروں طرف سے بالکل چوکنا تھا۔ بس میں جب کنڈیکٹر نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تو میں بے اختیار اچھل پڑا۔ وہ بے چارہ بھی میری اس حرکت پر میری شکل ہی دیکھتا رہ گیا۔

بہر حال قصہ مختصر کہ میں اپنے فلیٹ آ پہنچا۔ اندر داخل ہونے کے بعد میں نے دروازہ مقفل کرلیا۔ اب میں جلد سے جلد اس کتاب کو کھول لینا چاہتا تھا۔ اس کتاب کا راز جاننے کے لئے اب میرا دل بری طرح بے چین تھا۔

میں نے جلدی سے اسے جیب سے نکال لیا، وہ پلاسٹک کی تھیلی میں تھی، میں نے اسے تھیلی سے باہر نکالا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

اس کے درمیان میں کافی باریک سی لیکن مضبوط قسم کی سیل لگی ہوئی تھی جسے میں نے بلیڈ کی مدد سے کاٹ ڈالا۔

میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، کسی بھی لمحے اس پراسرار کتاب کے ورق میری آنکھوں کے سامنے کھلنے والے تھے۔

لیکن جیسے ہی میں نے اسے کھولنا چاہا، دروازے پر ایک زوردار قسم کی دستک ہوئی۔

میرا دل اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا۔ میں نے جلدی سے کتاب کو بیڈ کے نیچے ایک محفوظ جگہ چھپایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ فی الوقت تو میں اسے اسی کمرے میں چھپا سکتا تھا۔

دروازہ ایک بار پھر دھڑ دھڑایا گیا۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا...... کون ہوسکتا

ہے......؟ کیا ایک بار پھر کتاب کے حصول کے لئے کوئی پارٹی باہر کھڑی ہے......؟ کچھ بعید بھی تو نہ تھا......ویسے اپنے طور پر تو میں نے حتیٰ الامکان طور پر پوری پوری احتیاط سے کام لیا تھا۔

اس کتاب کو فلیٹ تک لانے کے لئے میں نے کتنے پاپڑ بیلے تھے......؟ اس بات سے صرف کچھ میں ہی واقف تھا۔

لیکن اب ساحل پر آ کر مجھے کشتی ڈوبتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی، نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ ایک بار پھر میں اس کتاب کا راز جاننے سے محروم رہ جاؤں گا۔

میں دروازے کے قریب آ پہنچا۔

''کون ہے......؟''

کوئی جواب نہیں ملا بلکہ تیسری بار دروازہ بجایا گیا۔

''کون ہے بھائی......بتاؤ تو......؟'' میں نے جھنجھلا کر قدرے بلند آواز سے پوچھا۔

اگلے ہی لمحے ایک چھبتی ہوئی جانی پہچانی سی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''ای......ہم ہیں ساون بابو......!'' یہ آواز میرے پڑوسی رام داس کی تھی۔ ''جرا......دروجا تو کھولو......کاہے......بند کئے بیٹھے ہو......ہیں......؟''

میرے گلے سے ایک طویل سانس نکل کر رہ گئی......دروازے پر میرا پڑوسی کھڑا تھا، اور میں نہ جانے کیا کیا سوچ رہا تھا۔

لیکن اس بدبخت کو بھی ابھی آنا تھا......؟ میں نے ڈھیلے انداز میں دروازہ کھول دیا۔

سامنے واقعی رام داس کھڑا تھا اور آنکھیں پٹپٹا رہا تھا۔

''دروجا کاہے بند کئے تھے بابو......؟'' رام داس نے اندر جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے کافی شکی انداز میں پوچھا۔

''یونہی......میں بہت تھکا ہوا تھا......سونے جا رہا تھا......'' میں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو رکھا ہوا ہے، ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ اسے ڈانٹ کر بھگا دوں۔

''آہ......کتنے آرام سے سو رہے ہو تم......'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''اور اک ہم ہیں کہ ہمری تو نندیا گارت ہوگئی ہے......کسی پل چین ہی نہیں آتا......بھگوان کی سوگند......!''

''کیوں......ایسا کیا ہوا......؟'' میں زبردستی مسکرایا: ''کسی سے محبت ہوگئی ہے۔ کیا رام داس......؟''

''رام......رام......کاہے ہوگی محبت......؟'' اس نے جلدی سے اپنے گال پیٹے۔ ''اے

بھیا......اپنا توتیلی پھون کابل جان کو آ گیا ہے......سسرے محکمے والوں نے پورے 15 ہجار کا بل بھیجا ہے......دفتر کے چکر لگا لگا کر ہمری جوتیاں چیخ گئیں......پر کوئی حاصل ہوا، نہ وصول......او لوگ کہت ہیں کہ بل تو بھرنا ہی پڑے گا......تم ہی بتلاؤ ساون بابو......؟ ہم کا کریں......؟''

''اوہ......'' میں نے طویل سانس لی۔''بل مجھے دے دیجئے گا......میرا ایک جاننے والا ہے......آپ کا بل صحیح ہو جائے گا......فکر مت کریں......''

''ابھی لائی دیں بل......؟''اس نے جھٹ سے پوچھا۔

''نہیں......''میں نے فوراً کہا۔''مجھے آپ کل وہ بل دے دیجئے گا......ٹھیک ہے......؟''

جواباً رام داس نے اپنی منڈی ہلائی تو میں نے جلدی سے الوداعی نظر اس پر ڈالتے ہوئے دروازہ بند کر لیا۔

ایک بار پھر بیڈ کے نیچے جا گھسا اور جھپٹ کر کتاب اٹھالی۔ پھر میں نے فرش پر ہی بیٹھے بیٹھے اس کتاب کا سرورق کھول لیا۔

دوسرے ہی لمحے میں اس کے صفحے پلٹ رہا تھا۔لیکن پھر جلد ہی اس کتاب کا ایک اہم راز مجھ پر آشکار ہو گیا۔

ایک ایسا راز......کہ جس کی مجھے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی......میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

کتاب بالکل سادہ تھی......اس میں کہیں بھی......کسی بھی قسم کی کوئی تحریر لکھی ہوئی نہیں تھی۔

اس کے صفحے گویا مجھے منہ چڑا رہے تھے۔ چند لمحوں کے لئے میں دم بخود رہ گیا۔

''کیا یہی تھی وہ کتاب؟''جس کے لئے اتنے ہنگامے ہوئے تھے یا پھر! میں سوچتے سوچتے چونک پڑا......

''کہیں ایسا تو نہیں کہ فلوریڈا نے مجھے دھوکا دیا ہو؟''

لیکن سوال تو یہ بھی پیدا ہوتا تھا کہ وہ ایسا کیوں کرنے لگی......؟ اس نے تو مجھے خود ہی بلایا تھا۔ میں الجھ کر رہ گیا۔ بے خیالی کے عالم میں میری نظریں اب بھی کتاب پر ہی جمی ہوئی تھیں اور انگلیاں ورق الٹ رہی تھیں۔

دفعتاً مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا......یہ احساس ہوتے ہی میں خود بخود چونک اٹھا۔

مجھے یوں لگا جیسے میرے علاوہ بھی کمرے میں کوئی اور موجود ہو......پہلے تو میں نے اس احساس کو اپنا وہم خیال لیا۔

لیکن جب اس نے شدت اختیار کی تو میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ عین اسی وقت ایک عجیب قسم کی مسحور کن خوشبو میری ناک سے ٹکرائی۔

میں بے ساختہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ لیکن یہاں تھا کون......؟ یہ خوشبو کہاں سے اٹھ رہی تھی......؟

''کون ہے......؟'' میں نے جی کڑا کر کے آواز لگائی۔

لیکن میری آواز دیواروں سے ٹکرا کر رہ گئی۔ چند لمحوں بعد کسی وجود اور انجانی سی مسحور کن خوشبو کا وجود کمرے سے محو ہو چکا تھا۔

یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی نادیدہ شے میرے کمرے میں داخل ہوئی ہو اور چکر لگا کر لوٹ گئی ہو۔

میں نے سر کو جھٹکا، کتاب بند کر کے ایک محفوظ جگہ پر رکھی اور اپنی آرام دہ کرسی پر بیٹھ گیا، چونکہ حالیہ واقعہ اب گزر چکا تھا اس لئے میں نے اسے وہم سے تعبیر کیا۔

ایک بار پھر میرا ذہن اس پراسرار کتاب میں الجھ گیا تھا۔ اب میرا فلوریڈا سے ملنا بہت ضروری تھا۔

''کاش......وہ جلد سے جلد مجھ سے رابطہ کر لے......!'' میں نے سوچا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن میں دفتر کے لئے گھر سے نکلنے کے لئے بالکل تیار تھا۔ مہابلی بینک کے سیف کی چابی اور کتاب کو میں نے فلیٹ کے اندر ہی ایک محفوظ مقام پر چھپا دیا تھا۔

ابھی میں اس کام سے فارغ ہوا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ مجھے یقین تھا کہ یہ رام داس ہی ہو سکتا ہے، چنانچہ میں نے صدا لگائی۔

''آ جاؤ رام داس......دروازہ کھلا ہے......''

لیکن اندر آنے کے بجائے کسی نے دوبارہ دستک دی۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ آنے والا رام داس ہرگز نہیں تھا۔

چند لمحے سوچنے کے بعد میں اٹھا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ فوراً ہی مجھے اپنے مقابل تین چہرے دکھائی دیئے، جو میرے لیے قطعی اجنبی تھے۔

وہ تینوں کافی تن ومند تھے، ان کے جسموں پر لباس کافی سادہ لیکن صاف ستھرے تھے۔ ان کے چہروں پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

میں سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ میری نگاہوں کا مطلب سمجھ کر ان میں سے ایک نے ہونٹ ہلائے۔

''مسٹر ساون کمار شرما......؟'' اس کا انداز سوالیہ تھا۔

''جی......'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

فوراً ہی اس نے ایک کارڈ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے کارڈ اس کے ہاتھ سے لیا اور اس پر نظریں دوڑائیں۔

دوسرے ہی لمحے میں جان چکا تھا کہ آنے والے CID کے محکمے سے متعلق تھے۔ میں نے کارڈ اسے لوٹا دیا اور بولا۔

''جی فرمایئے...... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں......؟''

''آپ کو ذرا...... ہمارے ساتھ چلنا ہوگا......'' اس نے بدستور ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے رکھی۔ ''ایک لاش کی شناخت کروانی ہے۔''

''لاش کی شناخت......'' میں چونکا۔ ''کس کی لاش؟''

''یہی تو ہمیں معلوم کرنا ہے......'' وہ بولتے بولتے رک گیا، پھر ذرا توقف کے بعد گویا ہوا۔

''وہ لاش کس کی ہے......؟''

''لیکن...... کسی کی لاش سے میرا کیا تعلق......؟'' میں اب بھی الجھن کا شکار تھا۔

''ہوسکتا ہے...... کوئی تعلق نکل ہی آئے......'' اب کے دوسرے آدمی نے دخل دیا۔ وہ میرا بہ غور جائزہ لے رہا تھا۔ ''اور ہمارے لئے آسانی ہو جائے۔''

''آپ عجیب باتیں کر رہے ہیں...... میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' میں نے بے خیالی میں اپنا گال سہلایا۔

''آپ چلیں تو سہی......'' پہلا آدمی بولا۔ ''ہم آپ کو واپس بھی چھوڑ جائیں گے...... گلی میں ہماری کار کھڑی ہے۔ چلئے......''

میں نے بادل نخواستہ فلیٹ کو مقفل کیا اور ان تینوں کے ساتھ چل پڑا۔

گلی میں واقعی چمچماتی ہوئی سیاہ رنگ کی شیراڈ کھڑی تھی۔ مجھے نہایت دوستانہ انداز میں اندر بٹھایا گیا۔

میں نے اس وقت توجہ نہیں دی۔ عین ممکن تھا کہ محلے والوں میں سے کسی کی مجھ پر نظر بھی پڑی ہو۔

بہر حال جلد ہی ہم لوگ بڑی سڑک پر نکل آئے، میرے اندازے کے مطابق تقریباً آدھے گھنٹے تک ہمارا سفر جاری رہا تھا۔

اس سفر کا اختتام ایک دو منزلہ عمارت پر ہوا۔ جب میں کار سے باہر نکلا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ ایک اسپتال تھا۔

اس دوران میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی گئی تھی، ہم لوگ اسپتال کے اندر داخل ہوئے۔

CID والوں کا رخ مردہ خانے کی طرف تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ ہی ساتھ چل رہا تھا۔

مردہ خانے کے چوکیدار سے انہوں نے کچھ کہا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور دروازہ کھول دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم لوگ مردہ خانے کے اندر تھے۔ چوکیدار بھی ہمارے ساتھ ہی تھا۔

میں نے جیون بھر میں پہلی مرتبہ مردہ خانے میں قدم رکھا تھا عجیب سا ماحول تھا یہاں کا......! میں الفاظ میں اسے بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

یہاں پر چاروں اطراف میں دیو قامت لوہے کی الماریاں دیوارں میں نصب تھیں، جن میں بڑی بڑی ٹرے لگی ہوئی تھیں۔

ان میں یقیناً مردے ہوں گے...... میں نے سوچا۔ ساتھ ہی میرے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔

میرے ساتھ آنے والوں میں سے ایک نے دوبارہ چوکیدار کے کان میں کچھ کہا۔

میں اب بھی سن نہیں پایا تھا کیونکہ میں ان کے عقب میں ذرا فاصلے پر تھا۔

اب چوکیدار نے ذرا تیزی سے قدم آگے بڑھائے۔ اس کا رخ کونے والی الماری کی طرف تھا۔

وہ الماری کے قریب پہنچ گیا، پھر اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور ہینڈل پکڑ کر ایک ٹرے باہر کھینچ لی۔

CID کے آدمی میری طرف گھومے اور انہوں نے مجھے آگے آنے کا اشارہ کیا۔

میں اپنے تئیں لرزیدہ تھا، میں نپے تلے انداز میں قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا، وہ لوگ درمیان سے ہٹ گئے تھے۔ فوراً ہی ٹرے میرے سامنے آ گئی۔

اس میں یقیناً کوئی لاش موجود تھی، جسے سر سے پاؤں تک کپڑے سے ڈھک دیا گیا تھا۔

میں جیسے ہی آگے بڑھا، چوکیدار نے فوراً لاش کے چہرے پر سے کپڑا ہٹا دیا۔

اور پھر...... جیسے ہی میری نظر لاش پر پڑی، میں تحیر زدہ ہو کر نکلنے والی چیخ کو کسی بھی طرح نہ روک سکا۔ جیسے پتھرا سا گیا، لیکن پھر فوراً ہی میں بے ساختہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا، کیونکہ

وہ لاش فلوریڈا کی تھی۔

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے لاش کو گھور رہا تھا۔ یہ ایسا دھچکا تھا کہ چند لمحوں کے لئے میرے حواس معطل ہو کر رہ گئے۔

مجھے اس بات کا بھی احساس نہ رہا کہ میرے ساتھ آنے والے سی آئی ڈی کے دونوں آدمی میرے چہرے کے تغیرات کا بہ غور جائزہ لے رہے ہیں۔

میں اس وقت چونکا، جب وہ ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

اسی وقت ان میں سے ایک آدمی آگے بڑھا۔ یہ وہی تھا جس نے مجھے اپنا کارڈ دکھایا تھا۔

''میں نے شاید اپنا تعارف نہیں کروایا تھا۔'' وہ نرم انداز میں بولا۔ ''میرا نام وکرم بھٹ ہے...... انسپکٹر وکرم بھٹ...... اور یہ ہے میرا اسسٹنٹ رانا کنور سنگھ...... ہاں تو...... اب یہ بتایئے کہ...... اس لڑکی کو آپ نے کیوں قتل کیا......؟''

اس کے یہ الفاظ کسی دھماکے سے ہرگز کم نہ تھے۔ میں اچھل ہی تو پڑا تھا۔ ''قتل......!! اور میں نے......؟'' میری آواز بلند ہوگئی! یہ سب...... آپ کیا کہہ رہے ہیں...... میں بھلا اسے کیوں قتل کروں گا؟''

''قرائن تو یہی کہتے ہیں......'' اس نے بڑے ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس کے لہجے کی مٹھاس میں زہر گھلا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ''کیونکہ اس بھرے پرے شہر میں صرف تم سے ہی اس کی شناسائی تھی...... مسٹر ساون کمار......''

''ہو سکتا ہے......'' میں نے آہستہ سے کہا۔ اب میں کافی حد تک سنبھل چکا تھا۔ ''آپ کا یہ خیال صحیح ہوگا کہ اس شہر میں میرے علاوہ اس کا کوئی واقف کار نہ ہو، لیکن اس کو میں نے قتل نہیں کیا۔''

''ہر قاتل یہی کہتا ہے۔'' انسپکٹر وکرم کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔ ''اور ظاہر ہے کہ تم انوکھے تو نہیں ہو۔''

''دیکھئے......'' میرا لہجہ تیز ہو گیا۔ ''میں ایک شریف اور معزز شہری ہوں۔ آپ خواہ مخواہ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں...... کیا آپ مجھے قاتل ثابت کر چکے ہیں......؟''

میری بات سن کر وہ چند لمحے خاموش رہا۔ پھر ایک ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے بولا۔

''اس لڑکی سے تمہارا تعلق ثابت تو ہو گیا ہے...... یہ بھی ثابت ہو جائے گا...... فی الحال تو تم

جیل کی ہوا کھاؤ گے......"

"کس جرم میں......؟" میرے نتھنے پھڑ پھڑانے لگے۔

"جرم ہی تو ثابت کرنا ہے......" وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا۔ پھر وہ اپنے اسسٹنٹ کی طرف مڑا۔

میں دیکھ نہ سکا، اس نے کوئی اشارہ کیا تھا کیونکہ فوراً ہی اس کے اسسٹنٹ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ہتھکڑیوں کا جوڑا نکال لیا تھا۔

پھر وہ بڑی تیزی سے میری طرف بڑھا اور میرے شدید احتجاج کے باوجود اس نے میرے ہاتھوں میں...... ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

انسپکٹر وکرم بھٹ اور مردے خانے کا چوکیدار، دونوں خاموشی سے یہ کارروائی دیکھ رہے تھے۔ پھر وکرم بھٹ کی آواز گونجی۔

"تم نے پہلے تو اس لڑکی کو اپنی حیوانیت کا نشانہ بنایا......اور پھر......اس کے منہ پر تکیہ رکھ کر اس کی جان لے لی......"

"یہ غلط ہے......" میں جیسے چیخ پڑا۔ "آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"اگر ہمیں فون پر اطلاع نہ ملتی تو شاید ہم اندھیرے میں ہی رہتے۔" اس نے میری بات سنی ان سنی کر دی۔ "لیکن بھلا ہو......اطلاع دینے والے کا......"

"فون پر اطلاع......" میں چونکا۔ "کیا مطلب......؟"

"ہاں......تمہارے متعلق ہمیں فون پر اطلاع ملی تھی۔" اس نے بتایا۔ "ہمیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ تم اس لڑکی سے کب اور کہاں کہاں ملے ہو......تم نے اپنے فلیٹ میں اسے بلایا اور......"

"کس نے اطلاع دی......؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"الیاس نامی کسی آدمی نے......" وکرم بھٹ نے ایک اور دھماکہ کیا۔

"ال......یاس......نے......" میرے منہ سے بہ مشکل نکلا تھا۔ میں ہکا بکا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

میرا ذہن کسی بھی طور سے یہ تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا کہ الیاس اس طرح میرے متعلق ایک بے بنیاد الزام لگا سکتا ہے۔ اور پھر الزام بھی کیسا......! ایک قتل کا الزام......

یہ بات تو حقیقت تھی کہ اسے میرے بارے میں سب کچھ معلوم تھا۔ لیکن......اگر یہ اسی نے کیا تھا تو کیوں......؟

بہر حال میں الیاس کے متعلق اس حد تک سوچ میں ڈوبا کہ مجھے احساس ہی نہ ہوسکا کہ کب میں اسپتال سے نکلا اور کب سی آئی ڈی والے مجھے اپنے ساتھ تھانے لے آئے۔

اب یہ صورت حال تھی کہ میں مجرموں کی طرح کھڑا تھا اور وہ لوگ آرام سے کرسیوں پر بیٹھ کر میرا جائزہ لے رہے تھے۔

دفعتاً انسپکٹر وکرم نے مجھے مخاطب کیا۔ ''اسے تم کب سے جانتے ہو......؟''

''کسے......؟'' میں نے بے خیالی میں پوچھا۔

''فلوریڈا کو......''

''زیادہ عرصہ نہیں ہوا......'' میں نے جواب دیا۔ پھر میں نے اپنے ہتھکڑی زدہ ہاتھ پھیلا دیئے۔ ''کیا میں اسی حالت میں رہوں گا......؟''

''نہیں......'' انسپکٹر وکرم نے گردن ہلائی۔ ''تمہارے گلے میں پھانسی کا پھندا بھی پڑسکتا ہے۔'' اس کے ساتھی تیز آواز میں ہنس دیئے۔

''وہ غیر قانونی طور پر ملک میں داخل ہوئی تھی۔'' انسپکٹر وکرم پھر بولا۔ ''ہوسکتا ہے کہ وہ غیر ملکی جاسوس ہو......اور یہاں پر آ کر اس کا تم سے ملنا، مزید شبے میں ڈال رہا ہے۔''

''مزید شبہ......؟'' اب میرا انداز تمسخرانہ ہوگیا۔ ''یعنی آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں نے فلوریڈا کو دومرتبہ قتل کیا ہوگا......؟''

میری اس بات پر ایک بار پھر ''محفل'' کشتِ زعفران ہوگئی لیکن ان مسکراہٹوں میں انسپکٹر وکرم کی مسکراہٹ ہرگز شامل نہیں تھی۔ اس نے جلدی سے میز پر مکا مارا اور گرج کر بولا۔

''تم خود بھی غیر ملکی جاسوس ہو......سانپ ہو آستین کے......سانپ......''

''میں اتنے اعزازات کیسے سنبھالوں گا انسپکٹر صاحب؟'' میرا موڈ بھی اب قدرے بہتر ہوگیا تھا۔ ''پہلے قاتل......پھر جاسوس......اور پھر سانپ......واہ......''

''مجھ سے مسخری کرنے کی ضرورت نہیں ہے......ہاں......'' اس نے منہ بنایا۔ ''ابھی تم جب لوہے کی کرسی پر بیٹھو گے، تو سب کچھ اگل دو گے......فرفر بولو گے تم......''

''ان لکڑی کی پرانی کرسیوں پر تو بٹھا نہیں رہے۔'' میں نے منہ بنایا۔ ''لوہے کی کرسی پر خاک بٹھاؤ گے۔''

''بکواس مت کرو......'' اس کا منہ بگڑ گیا۔

''میرا تعلق فائر بریگیڈ کے محکمے سے بھی ہے اور......'' میں اتنا کہہ کر لمحہ بھر کے لئے رکا۔

''میں روزنامہ امرت کا کالم نگار بھی ہوں۔''

''روزنامہ امرت......'' وہ بری طرح چونک اٹھا۔ ''وہ......وہ تو کرن کپور نکالتا ہے نا......''

''جی ہاں......'' میں نے سر ہلایا۔

''''تم......تم کالم نگار بھی ہو......؟''

''میرا کارڈ اس وقت بھی میری جیب میں ہے...... پریس کا کارڈ......'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

لمحہ بھر میں ہی وہ کم بخت صابن کے جھاگ کی طرح ''پھس'' ہو گیا۔ اب اس کے چہرے سے متانت جھلک رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف ایک نظر ڈالی اور ایک زوردار مگر جھینپا ہوا قہقہہ مار کر بولا۔

''لو بھئی...... یہ تو اچھا خاصا لطیفہ تیار ہو گیا......''

پھر اس نے چہرے پر ذرا سختی کے آثار پیدا کئے اور ایک کانسٹیبل سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''اوئے...... کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو...... کالم نگار صاحب کی ہتھکڑی کھولو...... خواہ مخواہ......ارے......کرن کپور تو اپنا یار ہے...... بلکہ وہ تو یاروں کا یار ہے......کھولو ہتھکڑی اور...... کوئی چائے پانی کا بندوبست کرو۔ کنے بھائی سے گرما گرم سموسے بھی پکڑو......''

''فوراً ہی مجھے ہتھکڑی سے ''نجات'' دلائی گئی اور پھر انسپکٹر وکرم نے مجھے وہ عزت دی کہ میں خود بھی شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ گویا سر آنکھوں پر بٹھالیا۔ اس نے مجھے......

وہ مجھے اپنے کمرے میں لے آیا۔ بڑی عزت سے کرسی پیش کی۔ وہ آناً فاناً ہی اتنا بدل گیا تھا۔

''میں تو آپ کا فین ہو۔'' وکرم بھٹ جھوم کر بولا۔ اس کے چہرے پر مسرت کے آثار تھے۔ ''بہت شوق سے پڑھتا ہوں آپ کے کالم......اوہ......بھگوان......! مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ وہ والے ساون کمار ہیں...... بڑی غلطی ہوئی مجھ سے......شما کر دیں گے نا آپ......؟''

میں نے جلدی سے سر ہلا دیا۔ پھر میں نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔ ''تو......اب میں قاتل تو نہیں ہوں آپ کی نظر میں......؟''

''ارے......نہیں......'' وہ بے ڈھنگے پن سے ہنس پڑا۔ ''آپ جیسے لوگ کہاں کسی کو قتل کر سکتے ہیں......صحافی لوگ ہو آپ...... قلم کے پجاری ہو......بس......ذرا ہمارا خیال کر لینا...... کہیں ایسا نہ ہو کہ کل امرت اخبار بھرا پڑا ہو کہ سی آئی ڈی والے......''

''اس بات کی آپ بالکل فکر نہ کریں۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ فلوریڈا کے قاتلوں کو گرفتار کرلیا جائے......وہ بے چاری آخر کس جرم کی پاداش میں ماڈالی گئی......''

''میں اپنی جان لڑادوں گا......'' وہ اکڑ کر بولا۔ ''پاتال سے بھی نکال لاؤں گا ان نرک واسیوں کو......آپ بالکل فکر نہ کریں۔''

میں خاموش ہوگیا۔ ایک بار پھر مجھے فلوریڈا کی یاد آ گئی تھی۔ اس کا دلکش اور تروتازہ چہرہ میری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا تھا۔

اسی دوران میں چائے آ گئی۔ انسپکٹر وکرم بھٹ نے مجھے بسکٹ پیش کیے۔ بادل نخواستہ میں نے صرف ایک بسکٹ زہر مار کیا۔ دل کی حالت عجیب سی تھی۔ بار بار ہنستی مسکراتی ہوئی فلوریڈا کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتا۔

اور ابھی کچھ دیر پہلے اسی مسکراتے ہوئے چہرے کو میں پتھر کی طرح بے جان حالت میں دیکھ چکا تھا۔ کتنا فرق تھا......موت اور زندگی میں......!

دفعتاً مجھے ایک خیال آیا، میں نے انسپکٹر سے کہا۔

''میں ایک فون کرنا چاہتا ہوں......''

''ضرور......یہ لو......'' اس نے جلدی سے فون سیٹ میری طرف بڑھادیا۔

میں نے الیاس کے نمبر ملائے۔ تھوڑی دیر بعد ہی الیاس کی آواز سنائی۔ ''ہیلو......الیاس احمد بول رہا ہوں۔''

''میں ساون ہوں الیاس......''

''اوہ......ساون......تم آج پھر......''

''میری بات سنو......'' میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹی۔ ''کیا تم نے پولیس والوں کو میرے متعلق بتایا تھا......؟''

''تمہارے متعلق......؟'' اس کی حیرت زدہ سی آواز آئی۔ ''کب......؟ کہاں......؟ میں تو کسی پولیس والے سے ملا بھی نہیں......''

''اچھا......ٹھیک ہے......'' میں نے طویل سانس لی۔

''کیا......بات کیا ہے......؟'' الیاس نے پوچھا تھا۔

''آفس آ رہا ہوں......وہیں آ کر بتاؤں گا۔'' یہ کہہ کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔

انسپکٹر وکرم خاموشی سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔ میں اب اس کی طرف متوجہ ہوا۔
''میں نے الیاس کو فون کیا تھا..... اس کا اس معاملے سے قطعی کوئی تعلق نہیں ہے۔''
''اوہ..... الیاس.....'' وکرم نے سر ہلایا۔ ''یہ آدمی کرتا کیا ہے.....؟''
''میرے ساتھ ہی میرے آفس میں ہوتا ہے..... فورمین ہے..... میرا بہت اچھا دوست ہے اور..... انسان بھی بہت اچھا ہے..... اس کا نام استعمال کیا گیا ہے..... اسے اس معاملے میں گھسیٹنے کے بجائے اگر اصل قاتلوں کا پتا لگایا جائے..... تو زیادہ بہتر ہوگا۔''
انسپکٹر وکرم نے گہری سوچ میں گم ہو کر سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

ایک ہفتہ گزر جانے کے باوجود بھی فلوریڈا کے قاتل گرفتار نہیں ہوئے تھے۔ لیکن اس دوران انسپکٹر وکرم بھٹ کی دوڑ دھوپ کا میں قائل ہو گیا تھا۔ اس بے چارے نے واقعی بڑی محنت کی لیکن اس پراسرار قتل کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔
حیرت انگیز بات یہ تھی کہ فلوریڈا کی لاش..... ریکسو ہوٹل کے ہی ایک کمرے میں پائی گئی تھی۔ وہ اسی نام سے وہاں مقیم تھی۔ قاتل کا صرف ایک سراغ تھا..... صرف ایک.....!
کمرے میں چند اجنبی انگلیوں کے نشانات پائے گئے تھے۔ جن کا ہوٹل کے عملے سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس شخص کو کہاں ڈھونڈا جائے؟
انسپکٹر وکرم کو میں نے مشورہ دیا تھا کہ وہ فنگر پرنٹس کا ریکارڈ بھی چیک کروائے۔ اسی دوران اچانک مجھے اس اشتہار کا خیال آیا، جو کچھ دنوں پہلے اخبار میں شائع ہوا تھا۔
یہ اشتہار اسی کتاب کے سلسلے میں تھا، جواب میرے پاس موجود تھی، یہ خیال ذہن میں آتے ہی میں نے سوچا کہ کیوں نا اس اشتہار دینے والے کو بھی دیکھا جائے۔
یہی سوچ کر میں نے وہ اخبار نکالا اور موجودہ پتا پر جا پہنچا۔ یہ دو کمروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا مکان تھا۔

یہاں میری ملاقات ایک بوڑھی اور دیسی عیسائی عورت سے ہوئی۔ مارگریٹ نام تھا اس کا۔
وہ مجھے گھر کے اندر لے آئی۔ میں نے شکریہ ادا کر کے ایک کرسی سنبھال لی۔ اب وہ بوڑھی میری شکل دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ خود ہی بولی تھی۔
''تمہیں جان سے ملنا ہوگا.....''
''جان.....؟'' میں چونکا پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ ''ہاں..... ہاں..... کہاں ہیں وہ..... نظر

نہیں آرہے......"

میں سمجھ چکا تھا کہ بوڑھی کا اشارہ سربراہ مکان کی طرف تھا...... شاید جان اسی کا نام تھا۔

"جان اسمتھ تو ہوا کا نام ہے......" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ "مجھے مہینوں گزر جاتے ہیں۔ اس کی شکل دیکھے ہوئے...... اب...... دو ہفتوں سے وہ لوٹا نہیں ہے۔"

"آپ ان کی......"

"خدمت گار ہوں......" اس نے میری بات کاٹی۔ "کئی برسوں سے اس کے پاس ہوں اور اس کی غیر موجودگی میں اس گھر کی مالکن ہوں......"

"اچھا...... اچھا......" میں نے خواہ مخواہ گردن ہلا دی۔ پھر تھوڑی کھجا کر بولا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ اسمتھ سے ملنا کافی مشکل ہے......"

"تم اس کے دوست ہو......"

"یہی سمجھ لیں......" میں نے روا روی میں کہا۔ پھر چند لمحے توقف کے بعد میں نے پوچھا۔

"ویسے وہ آج کل کیا کر رہا ہے......"

اب میں نے ذرا بے تکلفی سے کام لیا تھا۔

"خداوند کو ہی معلوم ہوگا......" بوڑھی مارگریٹ نے میری طرف دیکھا۔ "جب سے میں نے یہاں ملازمت کی ہے...... مجھے اس کی آمدنی کا ذریعہ معلوم نہیں ہوسکا...... اور نہ کبھی میں نے کوشش ہی کی......"

میں نے چند اور ادھر ادھر کی باتیں کیں اور پھر وہاں سے بے نیل ومرام نکل آیا۔

مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس بوڑھی عورت کو اخبار میں شائع ہونے والے اشتہار کے متعلق ہرگز معلوم نہ ہوگا۔ اس لئے اس سے کوئی بات ہی کرنا بیکار تھا۔ اس سلسلے میں جان اسمتھ سے ہی بات ہوسکتی تھی۔ لیکن بوڑھی عورت سے بات چیت کرنے کے بعد جو کچھ اس آدمی کے متعلق معلوم ہوا تھا اس کی روشنی میں تو یہ ملاقات ناممکن تھی۔

واپسی پر راستے بھر میں سوچتا رہا، غور کرتا رہا...... اور پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک جھنا کہ سا ہوا۔

سادھو بابا...... ! کیوں نا ان سے ملا جائے......؟ وہ کچھ نہ کچھ تو راہنمائی کرسکتے تھے اور پھر یوں بھی میری موجودہ زندگی میں بھگوان کے بعد ان ہی کا ہاتھ تھام کر میں زندہ تھا...... !

انہوں نے مجھے آگ کے شعلوں میں جلنے سے بچایا تھا...... مجھے نیا جنم دیا تھا...... کیا وہ

کتاب کے سلسلے میں میری مدد نہیں کریں گے......؟

سوچتے سوچتے میں اسی نتیجے پر پہنچا کہ آبائی گاؤں چلا جاؤں اور سادھو بابا کے چرنوں کو چھولوں...... میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ ضرور میری مدد کریں گے...... اور اس خالی کتاب نے جو خلش میرے دل میں پیدا کردی تھی وہ اس خلش کو یقیناً دور کردیں گے۔

یہ خیال آتے ہی میرے جسم میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ میرا دل چاہا کہ میرے اسی وقت پنکھ لگ جائیں اور میں اڑ کر اپنے گاؤں پہنچ جاؤں۔

میں نے فیصلہ کرلیا کہ درجن بھر کالم کرن کپور کے حوالے کر کے اور آفس سے ہفتہ بھر کی چھٹی لے کر گاؤں چلا جاؤں۔

گاؤں...... جہاں بچپن کی یادیں تھیں...... اور میرے محسن سادھو بابا تھے......

☆......☆......☆

ٹرین نے وسل دی اور حرکت میں آ گئی کچھ دیر خراماں روی سے چلنے کے بعد اس نے اپنی مخصوص رفتار سے دوڑنا شروع کردیا۔ میں جس ڈبے میں تھا، اس میں زیادہ افراد موجود نہیں تھے، یہ سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ تھا۔

میں نے اپنا بیگ برتھ پر رکھ دیا تھا۔ وہ کتاب بھی میرے ساتھ میری ہم سفر تھی۔ میں نے اسے بیگ میں ہی رکھ دیا تھا۔ صبح سویرے روانہ ہونے سے قبل میں نے انسپکٹر وکرم بھٹ کو بھی گاؤں روانگی کے بارے میں مطلع کردیا تھا۔

میں نے آفس میں چھٹی کی درخواست جمع کرادی تھی اور اب میں کانپور جانے والی ٹرین میں بیٹھا ہوا تھا۔

کانپور سے مجھے دوسری ٹرین کرنا تھی، تاکہ میں گاؤں پہنچ سکوں، میں تھوڑی دیر تک کھڑکی سے باہر جھانکتا رہا اور پھر اپنے ہم سفروں پر ایک نظر ڈالی۔

ان میں ایک درمیانی عمر کا جوڑا تھا...... ایک پروفیسر ٹائپ کے بڑے میاں بھی دکھائی دیئے...... جنہوں نے شاید سیٹ سنبھالتے ہی اخبار کھول لیا تھا۔ وہ میرے بائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے۔ کافی موٹے عدسوں کا چشمہ ان کی آنکھوں پر جما ہوا تھا۔

ایک 45,40 سالہ جھنجلائی ہوئی سی خاتون بھی دکھائی دیں، ان کے ہمراہ تین کم سن بچے تھے جو کہ کافی حد تک شیطان کے گروہ سے متعلق لگتے تھے۔ خاموش بیٹھنا تو شاید ان کی فطرت کے خلاف تھا۔

وہ عورت بات بات پر ان پر چیخ پڑتی ...... وہ لمحہ بھر کے لئے دبک جاتے اور پھر دوبارہ سے ادھر ادھر جھانکا تانی کرنے لگتے۔

سلیقے کے سوٹوں میں تین افراد بھی دکھائی دیئے ...... جو بڑی سنجیدگی اور دھیمے انداز میں کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔

ایک کونے میں ایک فکر مند قسم کے ماں باپ بھی دکھائی دیئے، چار نوجوان لڑکیاں ان کے ساتھ تھیں۔ یوں تو وہ چاروں ہی چلبلی تھیں لیکن ایک دلکش خدو خال والی سانولی رنگت کی مالک لڑکی کچھ زیادہ ہی تیز اور کھلنڈری تھی، اس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی۔

جب وہ کسی بات پر زوردار آواز سے قہقہہ لگاتی تو ماں اسے گھور کر دیکھتی اور پھر اپنے میاں کو ایسے دیکھتی جیسے سارا قصور اسی کا ہو۔ وہ بے چارہ لمبی سانس بھر کر رہ جاتا۔

میں تھوڑی دیر تک ان ''مناظر'' سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ پھر میرے خیالات کی رو خود بہ خود اپنے ہی گرد گھومنے لگی۔ نہ جانے کیوں میری آنکھوں کے سامنے الوشا اور گاسنی نامی اس عورت کے چہرے گھومنے لگے۔

وہ دونوں پراسرار شخصیتیں ...... جو یکبارگی سامنے آئی تھیں اور اسی انداز میں پس پردہ ہو کر رہ گئیں۔ پھر انہیں زمین کھا گئی تھی یا آسمان ......؟ ''آہم ......'' دفعتاً ایک زوردار کھنکھار نے مجھے چونکا دیا۔ ''ارے میاں ......! کیا تم کانپور ہی جا رہے ہو ......؟''

میں نے گھوم کر دیکھا۔ وہی پروفیسر نما بڑے میاں تھے جنہوں نے مجھے مخاطب کیا تھا۔

''جی ہاں ......'' میں نے سر ہلایا۔ ''ویسے میری منزل کانپور سے آگے ہے ......''

''اوہ ......'' انہوں نے میری طرف دیکھا۔ ''پھر تو مسئلہ ہے ...... خیر ...... اللہ مالک ہے ......''

''آپ کہاں جائیں گے ......؟'' میرا سوال تھا۔

''مجھے کانپور جانا ہے ...... لیکن مجھے معلوم نہیں ہے کہ کوکل گیٹ کہاں ہے ...... مجھے کوکل گیٹ جانا ہے ......'' انہوں نے بتایا۔

''بہت آسان ہے ...... آپ کو وہاں پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی ......'' میں نے انہیں بتایا۔ ''کسی بھی آٹو رکشہ والے سے کہہ دیجئے ...... وہ آپ کو کوکل گیٹ پر اتار دے گا۔''

''اوہ ...... اچھا ...... شکریہ بیٹا ......!''

''میرا نام ساون کمار ہے ......'' میں نے جلدی سے کہا۔

''بہت خوب ...... بہت خوب ...... مجھے قطب الزماں کہتے ہیں ...... اسکول میں لیکچرار

ہوں ...... ''دفعتاً اسی وقت ایک تیز قسم کی آواز گونجی ...... چٹاخ ......

سب ہی چونک کر گھومے، اور پھر ''بھیں بھیں'' کی بھونڈی آواز نے گویا کمپارٹمنٹ کو سر پر اٹھالیا۔

اس خاتون نے ایک بچے کے گال پر زوردار انداز میں اپنی انگلیاں چھاپ ڈالی تھیں۔اب ظاہر ہے کہ بچے کا ردعمل یہی ہوسکتا تھا کہ وہ اپنا گلہ پھاڑنے لگے۔

''رو ...... خوب رو ......'' خاتون کی آواز آئی۔''اچھا ہے ...... ٹرین رک جائے گی ...... ہاں ......''

یہ بات ان کے منہ سے نکلنا تھی کہ واقعی ٹرین کی رفتار دھیمی ہوگئی۔ میں نے باہر جھانکا۔دونوں جانب جنگلی درختوں کی بہتات تھی۔قریب میں کوئی اسٹیشن بھی نہیں تھا ...... پھر ٹرین رک کیوں رہی تھی ......؟

''کیا بات ہوگئی بھیا ......؟'' قطب الزماں کے لہجے میں ہلکی سی تشویش تھی۔''ٹرین تو رک رہی ہے ...... کوئی خرابی تو نہیں ہوگئی ہے؟''

''بھگوان جانے ......'' میں بڑبڑایا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ٹرین ساکت ہوگئی۔ پہلے تو یکدم ایک سناٹا سا چھا گیا ...... بالکل خاموش سا سناٹا ...... کہ اگر کوئی سوئی بھی پھینکے تو آواز آئے۔

لیکن پھر ایک عجیب قسم کا شور فضا میں گونجنے لگا اور پھر یہ شور بڑھتا ہی رہا۔

''یہ ...... یہ ...... شور ...... کیسا ہورہا ہے ......؟'' قطب الزماں کی آواز میں پریشانی شامل ہوگئی۔

دوسروں کا حال بھی اس سے مختلف نہ تھا۔سبھی اٹھ کر کھڑکیوں سے باہر جھانک رہے تھے اور پھر جلدی ہی سب کو ایک سنگین قسم کی صورت حال کا احساس ہوگیا۔

ٹرین پر شاید ڈاکوؤں نے حملہ کردیا تھا۔

چاروں طرف چیخ و پکار اور واویلا مچا ہوا تھا۔عورتوں اور بچوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ یقیناً ڈاکو ڈبوں میں گھس چکے تھے۔

مجھے ذاتی طور پر اس صورت حال سے زیادہ تشویش نہیں تھی کیونکہ نہ میرا زادِ راہ اتنا قیمتی تھا اور نہ اتنی کوئی بھاری رقم میری جیب میں تھی، پھر بھی میرے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ میں نے بیگ کھولا اور کتاب نکال کر اپنی جیب میں ڈال لی۔

اسی وقت سلیقے کے سوٹوں میں ملبوس تینوں افراد تیزی سے اٹھے اور دروازے کی طرف لپکے۔

ابھی وہ دروازہ کھول بھی نہیں پائے تھے کہ دروازہ خود ہی دھاڑ کی سی آواز کے ساتھ کھل گیا۔

فوراً ہی رائفل بردار چند افراد ڈبے میں گھس پڑے۔ اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے ان تینوں افراد کو پیچھے دھکیلا تھا۔

''کہاں بھاگ رہے ہو......؟ اور وہ بھی حصہ دیئے بغیر......؟'' ان ڈاکوؤں میں سے ایک نے خوں خوار لہجے میں کہا۔

ان سب کے چہرے نقابوں سے بے نیاز تھے۔ شکلوں سے ہی سب کے سب وحشی دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں سفاکی تھی...... کرختگی تھی۔

سب کے چہرے دھواں ہو رہے تھے...... خاص طور پر چلبلی لڑکیوں کا تو حال ہی برا تھا۔ وہ چیخنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن آوازیں ان کے گلے میں جیسے گھٹ کر رہ گئی تھیں۔

''سب کے سب اپنی نقدی اور زیور نکالو...... جلدی کرو......'' وہی بولا تھا۔

پھر اس نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا۔ اس نے فوراً ہی ایک عورت کی چادر کھینچی اور نیچے بچھادی۔

ان لوگوں نے سب کو اپنی رائفلوں کی زد پر لیا ہوا تھا۔ پھر اسی ڈاکو نے اپنی رائفل کو جھٹکا دیا۔

''سنا نہیں تم لوگوں نے......؟ جلدی سے مال نکالو۔''

فوراً ہی جیسے سب کو ہوش آ گیا۔ سب نے اپنی اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈال دیئے۔ میں بھی کیوں پیچھے رہتا۔

عورتوں نے اپنے زیور نکالے۔ رائفلوں کے آگے سب خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔ جن میں میں خود بھی شامل تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ دوسرے ڈبوں کا حال بھی اس ڈبے سے مختلف نہ ہوگا۔ ڈاکو جب بھی ٹرینوں کو لوٹتے تھے...... بڑی منصوبہ بندی سے لوٹتے تھے۔ ان کی تعداد بھی اچھی خاصی ہوتی تھی۔

لوٹ کا مال سمیٹنے کے بعد نمایاں دکھائی دینے والے ڈاکو نے ڈبے میں ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ سب کے متوحش چہروں پر نظر ڈالتے ہوئے شاید وہ دلی طمانیت محسوس کر رہا تھا۔

اچانک ہی اس کی نظر چلبلی اور سانولی سلونی سی لڑکی پر آ کر ٹک گئی۔ وہ بے چاری اس کی نظروں کی تاب سے بچنے کے لئے اپنے باپ کے پیچھے جا چھپی۔

باپ نے غصہ بھری آنکھوں سے ڈاکو کو گھورا۔ ڈاکو کے تیور اچھے نہیں تھے۔ اس کے ساتھی

چوکنے ہوکر رائفلیں سیدھی کئے کھڑے تھے۔اس طرح کہ سارے لوگ ان کے زد پر تھے۔

اس ڈاکو کے چہرے پر ایک مکروہ سی مکراہٹ رقص کرنے لگی۔وہ لڑکی طرف بڑھا۔اس کے گندے ارادے کو بھانپ کر باپ گرجا۔''وہیں رک جاؤ خبیث...... ہاتھ بھی مت لگانا میری بچی کو......''

''تو کیا کرلے گا بڈھے......؟'' وہ ہنسا۔''میں تو اسے ساتھ لے جاؤں گا......سردار بہت خوش ہوگا......''

لڑکی کی ماں اور اس کے باپ نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی۔لیکن اس کی رائفل کے بٹ نے انہیں دور پھینک دیا۔چاروں لڑکیاں بری طرح چلا رہی تھیں۔

ڈبے میں بے چینی سی پھیل گئی۔لیکن ان رائفلوں کے آگے سب ہی مجبور تھے۔کیا کرتے......؟

''ٹھہرو......دور ہٹ جاؤ لڑکی سے......'' میں بلند آواز سے بول اٹھا۔سب نے چونک کر میری طرف دیکھا۔خود قطب الزمان بھی ہکا بکا ہوکر میری شکل دیکھ رہے تھے۔

میں اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ڈاکو نے حقارت بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔''کیوں موت آئی ہے تیری اب تو کیا کرے گا ٹڈے؟''

اتنا کہہ کر وہ پھر لڑکی کی طرف بڑھا۔

''چھوڑو......دور ہٹو میری بچی سے......چھوڑو......'' لڑکی ماں چلائی۔باپ بھی اب سنبھل چکا تھا۔وہ پھر آگے بڑھا۔

لیکن اب کی بار اس کے کندھے پر پڑنے والے رائفل کے بٹ نے اسے لٹا دیا۔وہ بے حس وحرکت ہو چکا تھا۔''یہ تم لوگ اچھا نہیں کر رہے......'' کئی لوگوں نے اعتراض کیا۔

لیکن ڈاکو ان سب سے لاپرواہو کر آگے جھکا اور پھر اس نے چیختی اور روتی ہوئی بے حال لڑکی کو اپنی طرف گھسیٹ لیا۔وہ جنگلیوں کی طرح لڑکی کو گھسیٹ رہا تھا۔یہ منظر میرے دل ودماغ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

میرے ضبط کا بندھن ٹوٹا اور......میرے رگ وپے میں جیسے آتش فشاں پھٹ پڑا۔میں بجلی کی سرعت سے آگے بڑھا اور میں نے ڈاکو کی گردن دبوچ لی۔اس وقت میں نے محسوس کیا کہ میرے ہاتھوں میں بلا کی طاقت آ گئی تھی۔

ڈاکو نے مزاحمت کی،لیکن بے سود......میرے ہاتھ گویا فولاد کے شکنجوں کی طرح اس کی

گردن میں پیوست تھے۔

یہ منظر اس کے ساتھیوں کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی حیرت انگیز تھا۔ پھر جیسے اس کے ساتھیوں کو ہوش آ گیا۔ وہ اس کی مدد کے لئے میری طرف جھپٹے۔

رائفلیں انہوں نے ایک طرف پھینک دی تھیں۔ البتہ ان میں سے دو کے ہاتھوں میں ابھی بھی رائفلیں تھیں۔

باقی ڈاکو میری طرف جھپٹے۔ ادھر میری گرفت میں موجود ڈاکو کی آنکھیں حلقوں سے باہر آنے لگی تھیں۔ میں نے اسے ایک جانب دھکا دیا اور ان پانچوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

انہوں نے مجھے جکڑنا چاہا لیکن فوراً ہی میرے گھونسوں اور لاتوں نے ان کا مزاج پوچھ لیا۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ میرا صرف دوسرا وار ہی کاری ثابت ہو رہا تھا۔ مجھے اپنے ہاتھوں اور پیروں کو زیادہ حرکت دینے کی ضرورت نہیں پڑ رہی تھی۔

وہ یکے بعد دیگرے ایک دوسرے پر گرتے چلے گئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر دونوں رائفل برداروں نے اپنی گنیں سیدھی کر لیں۔

وہ بھی ایک دم بخود ہو کر اپنے ساتھیوں کا حشر دیکھتے رہے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے مجھے اپنے نشانے کی زد پر لیا، تینوں سلیقہ مند لباس والوں نے انہیں پیچھے سے پکڑ لیا۔

پھر تو ہر کوئی آگے بڑھا اور ذرا ہی دیر میں ان دونوں کی چٹنی تیار تھی۔ یہاں تک کہ عورتوں نے بھی اپنے ہاتھوں کی کھجلی مٹا ڈالی۔

ان کو رائفلیں چلانے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ ان کا نمایاں ساتھی تو پہلے ہی بے حس و حرکت پڑا ہوا لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔

''ڈبے کا دروازہ بند کر دو......'' میں کسی خیال کے تحت چیخا۔ ''اگر اور بھی ادھر آ گئے......تو ان کو سنبھالنا مشکل ہو گا۔''

فوراً ہی دروازہ بند کر دیا گیا۔ آٹھ کے آٹھ ڈاکو لمبے لمبے لیٹے ہوئے تھے اور سب کے سب مشکور نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

اپنے گاؤں کی زمین پر قدم رکھتے ہوئے مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ پرانی یادیں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہریالی کی طرح میرے دل و دماغ پر چھا گئیں۔

ان ڈاکوؤں کو اگلے اسٹیشن پر وہاں کی پولیس کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ پوری ٹرین میں صرف ہمارے ڈبے کا مال و متاع محفوظ رہا تھا۔ باقی تو ڈاکوؤں نے سب ہی کا صفایا کر دیا تھا۔

وہ چلبلی لڑکی اور اس کے ماں باپ وغیرہ مجھ سے بہت خوش تھے، انہوں نے کانپور میں اپنے گھر کا مجھے ایڈریس بھی دیا۔ انہوں نے میرا بھی ایڈریس لیا تھا۔

تینوں سلیقہ مند لباس والے بھی میرے بے حد مشکور تھے۔ غرض یہ کہ سب ہی لوگوں نے میرے دلیرانہ اقدام کو سراہا۔ ویسے تو میں خود راستے بھر یہی سوچتا رہا کہ مجھ میں اتنی شکتی آخر کہاں سے آ گئی تھی......؟ لیکن خود سے کیے ہوئے اس سوال کا کوئی جواب مجھے نہ مل سکا۔

گاؤں کے ابتدائی حصے میں ہی تانگہ اسٹینڈ تھا۔ میں وہاں جا پہنچا۔ اس وقت بھی وہاں تین تانگے والے موجود تھے۔ میں نے ایک تانگہ منتخب کیا اور اس میں جا بیٹھا۔

راستے میں تانگے والے کی زبانی معلوم ہوا کہ سادھو بابا کی حالت کافی خراب ہے۔ ان کی سب سے بڑی بیماری ڈھلتی ہوئی عمر اور ناتوانی تھی۔ وہ اب یقیناً بڑھاپے کی آخری اسٹیج پر ہوں گے۔

کیونکہ جب میں نے اپنے بچپن میں ان کا سامنا کیا تھا، وہ تو تب ہی بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔

ان کا مکان اب بھی وہی تھا، اسی حالت میں تھا...... بس فرق اتنا آیا تھا کہ ٹاٹ کے پردے کی جگہ دروازہ لگا ہوا تھا۔

آنے جانے والے مجھے کافی غور سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے انہیں نظر انداز کیا اور دروازہ کھٹکھٹانے کے لئے آگے بڑھا۔

لیکن میری دستک سے لمحہ بھر پہلے ہی دروازہ کھلا اور ایک کمسن لڑکی کی شکل دکھائی دی، وہ سانولی رنگت کی مالک تھی، اس نے سادے سے کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھے۔ مجھ پر نظر ڈالتے ہی اس کے ہونٹ ہلے۔

''اندر آ جائیں...... مہاراج آپ کے منتظر ہیں۔''

میں حیرت سے اس کی شکل ہی دیکھتا رہ گیا۔

وہ لڑکی خاموشی سے مجھے اندر لے آئی تھی۔ وہ ایک ہی جملہ اس کے منہ سے نکلا تھا، لیکن پھر اس کے بعد اس کے منہ سے ایک شبد ھ بھی نہ نکلا۔

حالانکہ میں نے اس سے لاتعداد سوالات کر ڈالے تھے، لیکن وہ تو شاید ایک بات کہہ کر گونگی اور بہری ہو گئی تھی۔

تھک ہار کر میں بھی خاموش ہو رہا۔ ایک چھوٹی سی راہداری سے گزرنے کے بعد اس نے

ایک دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔

میں اس کا مطلب سمجھ کر اس دروازے کی طرف بڑھا اور پھر ایک درمیانے سائز کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

کمرے میں سادہ سا سامان تھا۔ ایک جانب دری بچھی ہوئی تھی، جس پر سادھو بابا آلتی پالتی مارے اور سر جھکائے بیٹھے تھے۔

ان کے لمبے لمبے سفید بال آگے کی جانب گرے ہوئے تھے۔ ان کے جسم پر دھوتی اور کرتا زیب تن تھا۔ گلے اور ہاتھوں میں مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔

وہ اب واقعی کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے، ان کے ہاتھ اور پیروں میں رعشہ تھا۔ جسے میں نے صاف طور پر محسوس کیا۔

''آجاؤ..... ادھر آؤ..... طلسم زاد.....!'' سر اٹھائے بغیر سادھو بابا کی نحیف سی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا، لیکن وہاں میرے علاوہ کون تھا.....؟ تو پھر..... سادھو بابا نے ''طلسم زاد'' کے نام سے کسے مخاطب کیا تھا.....؟

ابھی میں اسی الجھن میں مبتلا تھا کہ شاید کسی اور کے دھوکے میں مجھے اندر بلا لیا گیا ہے..... میں پلٹنے ہی والا تھا کہ ایک بار پھر سادھو بابا کی آواز گونجی۔

''ہم تم سے مخاطب ہیں ساون کمار..... تم سے..... تم ہی تو طلسم زاد.....''

''میں چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ لیکن وہ میری طرف متوجہ تھے.....؟ ''ہمارے قریب آؤ..... یہاں بیٹھو.....'' سادھو بابا کی آواز آئی۔

میں جھجکتا ہوا ان کے قریب آ گیا اور پھر ان کے ہاتھ کے اشارے نے مجھے دری پر ہی بٹھا دیا۔

میں نے ان کے چرن چھوئے۔ فوراً ہی انہوں نے اپنی گردن اوپر کی بال ہٹے تو میں نے دیکھا کہ جھریوں زدہ چہرے پر لال بھبھوکا آنکھوں میں توانائی کی چمک تھی۔ اتنی عمر ہونے کے باوجود ان آنکھوں سے دھوکا کھایا جا سکتا تھا۔ بالکل جواں سال تھیں وہ آنکھیں.....!

''سادھو بابا.....! سادھو بابا.....!'' میں اس سے آگے کچھ نہ بول سکا۔

اسی وقت وہ لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں کھانے پینے اور دیگر لوازمات کی ٹرے تھی۔

اس نے کسی جانب دیکھے بغیر ٹرے میرے قریب رکھی اور واپس چلی گئی۔ میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر میں یکدم ہی چونک کر سادھو بابا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اب سامنے کی طرف یک ٹک دیکھ رہے تھے۔

''میں...... میں بہت پریشان ہوں سادھو بابا......'' میں نے گویا گفتگو کا آغاز کیا۔ ''مجھے کچھ نہ سوجھا...... تو میں آپ کے پاس چلا آیا......''

''تم یوں بھی ہمارے پاس ہی آتے......'' انہوں نے پہلی بار میری طرف دیکھا اور قدرے مسکرا کر بولے۔ ''اتنی بھڑکتی اگنی کہ تم خود بہ خود یہاں آ جاتے...... تمہیں یہاں آنا ہی تھا۔''

''آپ نے ابھی مجھے طلسم زاد کہا تھا......؟ کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم نہیں...... یہ تمہارے ہاتھوں کی ریکھائیں کہہ رہی ہیں...... اور یہ ریکھائیں...... تمہارے جنم دن سے تمہارے ساتھ ہیں۔''

''آپ انتریامی ہیں...... سادھو بابا......! مجھے...... اس کتاب کے بارے میں بتا دیجئے...... آخر یہ ہے کیا بلا......'' یہ کہہ کر میں نے کتاب ان کے سامنے رکھ دی۔

''یہ......'' انہوں نے کتاب کو ہاتھ میں لے لیا۔ ''یہ کتاب نہیں ہے...... ایک اہم بھید ہے......''

''اہم بھید......؟'' میں نے ہونقوں کی طرح کہا۔

''ہاں...... اہم بھید...... کیول تمہارے لئے ہیں......''

''میرے لئے......؟'' میں اب بھی حیران و پریشان تھا۔ ''میں کچھ نہیں سمجھ پا رہا سادھو بابا۔''

''تجھے یاد ہے...... جب اگنی کی دیوی نے تیرے گھر پر اپنا قہر نازل کیا تھا......؟'' سادھو بابا نے پوچھا۔

''میں وہ سب کیسے بھول سکتا ہوں سادھو بابا...... میرے ماتا پتا اور میری پیاری سی بہن اسی آگ میں زندہ جل گئے تھے...... البتہ آپ نے مجھے بچا لیا تھا......'' میں نے غمزدہ آواز میں جواب دیا۔

''وہ تیرے ماتا پتا نہیں تھے......'' سادھو بابا نے گویا دھماکہ کیا۔ ''اور نہ وہ تیری بہن تھی...... تیرے اصلی ماتا پتا کوئی اور ہیں...... کہیں اور ہیں......''

''کیا...... کیا کہہ رہے ہیں سادھو بابا......؟'' میرے منہ سے نکلا۔ ''وہ...... میرے ماتا پتا نہیں تھے......؟ یہ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے......؟''

''اتہاس میں سب کچھ ہوسکتا ہے...... سب کچھ...... تو جب گوشت کا لوتھڑا تھا، تجھے کہاں یاد ہوگا...... کسی نے تجھے اصلی ماں کی گود سے نکالا اور شرما کے گھر میں ڈال دیا...... اور تو ساون کمار شرما ہوگیا......''

''لیکن...... لیکن کسی نے ایسا کیوں کیا سادھو بابا؟''

''پہلے تو چائے پی لے...... ٹھنڈی ہورہی ہے......'' سادھو بابا مسکرا کر بولے تھے۔ ''پھر میں تجھے ایک کہانی سناؤں گا...... تیری اپنی کہانی......''

ان کی بات سن کر میں جلدی سے ٹرے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس وقت میرا دل تو قطعی نہیں چاہ رہا تھا، لیکن جیسے تیسرے کر کے میں نے ایک دو بسکٹ زہر مار کئے اور جلدی جلدی سے چائے حلق میں انڈیلی۔

اس کام سے فارغ ہوا تو سادھو بابا خود ہی مجھ سے مخاطب ہوئے۔

''دور...... سمندر پار...... ایک قبیلہ تھا...... اس قبیلے کے تمام پرش اگنی کو دیوتا مانتے تھے۔ اس قبیلے میں دو ساحر تھے...... دونوں ہی مہان شکتیوں اور اپنے فن کے ماہر تھے...... ان کا مقابل دور دور تک کوئی نہ تھا۔ وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن بھی تھے۔ موقع نہ لگتا تھا کہ ایک دوسرے کی جان لے لیں...... ایک کا نام آشو تھا...... اور دوسرے کا وشوا...... دونوں ایک دوسرے کو زک دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے۔ لیکن پھر...... آشو کو موقع مل ہی گیا...... وشوا کو انجام تک پہنچانے کا...... اسے قبیلے کی سرداری مل گئی...... اب وشوا کو اپنا انجام صاف دکھائی دے رہا تھا، کیونکہ قبیلے کا ہر پرش اب آشو کے حکم کا غلام تھا۔ برسر اقتدار آتے ہی اس نے وشوا کو قید میں ڈلوا کر اس کی موت کا پروانہ جاری کر دیا۔

ادھر وشوا کی بیوی کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا...... یہ خبر وشوا کو قید خانے میں ہی ملی تھی...... اسے معلوم تھا کہ اب وہ بچ نہیں سکے گا...... چنانچہ اس نے قید خانے میں ہی اپنی تمام شکتیوں کو حاضر کیا اور اس کتاب کا بھید ان تمام شکتیوں کو کیا اور پھر اس کتاب کو اپنی بیوی کے حوالے کر دیا...... اور اس سے کہہ دیا کہ یہ کتاب جوان ہوکر اس کا بیٹا ہی کھولے گا...... کوئی اور اسے کھول نہ پائے گا۔''

اتنا کہہ کر سادھو بابا خاموش ہوگئے...... میں دنیا جہاں سے غافل ہوکر ان کی باتیں سن رہا تھا۔ ان کی خاموشی نے مجھے چونکا دیا۔

''پھر...... پھر کیا ہوا سادھو بابا......؟''

''وشوا کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا......'' سادھو بابا نے طویل سانس لی۔ ''اور اس کی پتنی کو بھی نہ بخشا گیا...... ان ظالموں نے اسے بھی موت کی نیند سلا دیا...... لیکن اس کے بچے کی قسمت اچھی تھی...... بھگوان نے اس کے دل میں ڈالا اور اس نے بچے کو اس کتاب سمیت سمندر کے حوالے کر دیا...... بچہ زندہ رہا...... اور بھگوان کی کرپا سے بہتا ہوا اس گاؤں میں آ پہنچا...... لیکن اس وقت وہ کتاب اس کے ساتھ نہیں تھی......''

''کیا وہ کتاب سمندر میں غرق ہو گئی تھی......؟'' میں پوچھ بیٹھا۔

''نہیں...... اس کے باپ کی شکتیوں نے اسے اپنے حصار میں رکھا۔ کیونکہ وقت مقررہ پر یہ کتاب اسی بچے کو ملنا تھی...... وہ کتاب اسی بچے کی امانت تھی...... تو وہ بچہ...... شرما کو مل گیا...... اسی گاؤں کے شرما کو...... جو تمہارا منہ بولا باپ تھا......'' سادھو بابا نے بتایا۔

''کون...... کون ہے وہ بچہ......؟'' میں نے کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا۔

''وہ تم ہو ساون کمار...... تم ہو...... شرما تمہیں میرے پاس لے آیا تھا اور اسی سمے میں نے تمہارے بارے میں سب کچھ جان لیا تھا...... پھر میرے ہی کہنے پر شرما اور اس کی پتنی نے بالکل سگے ماتا پتا کی طرح تمہاری پرورش کی...... تمہیں شاید یاد ہو...... کہ تم کم سنی میں بھی میرے پاس آئے تھے......''

''مجھے اچھی طرح یاد ہے سادھو بابا...... تو...... سادھو بابا......! میں ان کو یعنی آنجہانی شرما کمار کو سمندر کے کنارے ملا تھا......؟''

''ہاں...... تم پانی پر بہتے ہوئے اسی کے ہاتھوں میں آئے تھے...... اور تمہاری امانت...... اب تمہارے پاس پہنچی ہے۔''

''اور...... اور وہ بوڑھا کون تھا سادھو بابا...... جس نے وہ کتاب مجھے دی تھی؟''

''اسے بھول جا......؟'' جواب ملا۔

''اور...... وہ لوگ کون تھے جو مجھے بار بار اغوا کر رہے تھے...... مجھ سے کتاب کے بارے میں پوچھ رہے......؟''

''وہ لوگ جادوگر ہیں...... کسی حساب کتاب کے ذریعے انہوں نے کتاب کے بھید کو جانچ لیا اور اس کے پیچھے پڑ گئے...... لیکن وہ ان کے لئے بیکار تھی...... اس کتاب کو کھولنا ان کے بس کی بات نہیں تھی...... اسے صرف تم ہی کھول سکتے تھے...... تم نے اس کے پنے کھولے اور وہ سب کے سب سفید ہو گئے...... اب انہیں بھول جاؤ...... وہ لوگ ویسے بھی یہاں کے باشندے نہیں تھے......

دوسرے ملکوں سے آئے تھے......''

''صرف اس کتاب کی خاطر......؟''میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''تو اس کتاب کے بھید کو کیا سمجھ رہا ہے......''سادھو بابا نے مجھے گھورا۔''جب تو اس کے شبدھوں کو دیکھ پائے گا......تب تجھے معلوم ہوگا کہ اس کی کیا اہمیت ہے......''

''میں اسے کیسے پڑھ پاؤں گا......''میں نے پوچھا۔

''اسے بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دے......''سادھو بابا نے عجیب بات کہی۔

''آگ میں......؟''

''ہاں......آگ میں......اس کے سارے بھید تیرے سامنے آجائیں گے......ویسے تو تو ابھی بھی اس بھید کے حصار میں ہے۔لیکن ایک وقت تمام شکتیاں تیری غلام ہوں گی......''

''تو اس کے لئے آگ جلانی پڑے گی سادھو بابا......؟''میں نے پوچھا۔

''آگ جلانی نہیں پڑے گی......بلکہ آگ خود بخود لگے گی......اور یہ آگ کب لگے گی......یہ تو بھگوان ہی جانے......''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا سادھو بابا......کچھ بھی نہیں......''میں نے مایوسانہ انداز میں گردن ہلائی۔

''نراش مت ہو......سمے کے ساتھ ساتھ تیری کشٹ بھی دور ہوگی......اب تو جا......''

''یہ تو بتادیں سادھو بابا......کہ اس لڑکی کو کس نے مارا تھا......جس کا نام فلوریڈا تھا......''دفعتاً مجھے خیال آیا۔

''بھگوان جانے......موت کا ایک دن اٹل ہے......''ان کا دوٹوک جواب تھا۔''یہ تو بتادیں کہ میرے منہ بولے ماتا پتا اور بہن کو کس نے زندہ جلایا تھا......کون تھے وہ لوگ......؟''

''آشو کے آدمی......''سادھو بابا کا لہجہ سرسراتا ہوا تھا۔''اسے تیرے بارے میں معلوم ہوگیا تھا......لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ بچانے والا مارنے والے سے زیادہ شکتی مان ہوتا ہے۔''

''آشو......؟''

''ہاں......آشو......تیرے اصلی ماتا اور پتا کا قاتل......قبیلے کا سردار......''

''اوہ......''میں نے مٹھیاں بھینچ لیں۔''اس نے میرے اصلی ماتا پتا بھی چھینے اور نقلی بھی......اس کا قبیلہ ہے کہاں ہے سادھو بابا......مجھے بتائیں......میں اس سے بدلہ لوں گا......''

''یہ اتنا آسان نہیں ہے مورکھ......''سادھو بابا نے گردن ہلائی۔''اس کا قبیلہ تو سمندر پار

ہے..... لیکن اب وہ ریاست کا روپ اختیار کر چکا ہے..... قبیلہ نہیں رہا..... آشواب بھی اس ریاست کا حکمران ہے..... اس تک پہنچنا بھی بہت مشکل ہے..... وہ سات پردوں میں چھپا رہتا ہے.....'

''اس قبیلے کا..... میرا مطلب ہے کہ اس ریاست کا نام کیا ہے؟''میں نے پوچھا۔

''موبالی..... اس ریاست کا نام موبالی ہے..... اس کے ارد گرد دور تک جن ہستیوں کا جال پھیلا ہوا ہے..... وہ انسانی گوشت بہت شوق سے کھاتے ہیں..... وہ وحشی ہیں..... درندے ہیں۔''

''اوہ.....''میں سوچ میں ڈوب گیا۔ دل میں اس مردود آشو کے لئے نفرت کا لاوا پک رہا تھا، لیکن وہ میری دسترس سے کتنا دور تھا..... کتنا دور.....؟''

''اب تو جا..... اور اس گھڑی کا انتظار کر..... جب آگ کا الاؤ روشن ہوگا..... وہیں سے تیری شکتیوں کا آغاز ہوگا..... اب تو جا.....؟''

☆.....☆.....☆

دل میں ایک خلش تھی..... جسے لے کر میں سادھو بابا کے گھر سے نکلا تھا۔ مجھے اتنا کچھ بتا دینے کے باوجود بھی..... انہوں نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ میں ان کی بتائی ہوئی کسی بھی بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا..... اور نہ ہی میں یہ بات مان سکتا تھا کہ انہوں نے کسی بھی معاملے میں کوئی غلط بیانی کی ہوگی کیونکہ اس سے انہیں کیا فائدہ ہوتا.....؟

بلکہ انہیں تو اس بات کا بھی علم تھا کہ میں ان کی دہلیز پر کب قدم رکھنے والا ہوں.....!

اس لڑکی کا دروازہ کھولنا اور مجھے اندر لے جانا، اس بات کی دلیل تھا کہ سادھو بابا پہلے سے ہی میرے منتظر تھے۔

تو کیا..... میں واقعی طلسم زاد تھا.....؟ کیا میری پیدائش اسی لئے ہوئی تھی کہ میں منتر اور طلسم میں قید ہو جاؤں.....؟

میں ایک جیتی جاگتی اور بھاگتی دوڑتی دنیا کا باشندہ تھا..... ایسی دنیا..... کہ جس میں صرف دکھائی دینے والی شے ہی حقیقت تھی سوائے ایشور کے.....

''تو پھر..... میرے دل و دماغ ان باتوں کو کیسے قبول کرتے.....؟ میں کس طرح مان سکتا تھا کہ ہوا کے علاوہ اور بھی کوئی شکتی اس دنیا میں ہو سکتی ہے.....؟ کیسے.....؟

ایسی بہت ساری باتوں اور بہت سے سوالات میں گھر کر میں نے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

جب میں اپنے شہر میں داخل ہوا تو اس وقت تک میری ذہنی حالت کچھ عجیب سی ہو چکی تھی۔ ایک طرف لمبے سفر کی تھکن تھی اور دوسری طرف طویل سوچوں نے میرے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

میں اپنے فلیٹ میں پہنچا تو رات کے 2 بج چکے تھے۔ اس کے بعد جو میں بستر پر ڈھیر ہوا ہوں..... تو پھر دوسرے دن دوپہر کے بارہ بجے سو کر اٹھا تھا۔

اپنے دفتر میں، میں نے ایک ہفتے کی چھٹی کی درخواست دی تھی، میرا پروگرام تھا کہ چند دن گاؤں میں ہی گزاروں گا۔ لیکن سادھو بابا سے ملاقات کے بعد میں وہاں رکا نہیں..... اور نہ ہی انہوں نے مجھے روکنے کی کوشش کی..... بلکہ انہوں نے تو مجھے وہاں سے بھگا ہی دیا تھا۔ یہ بھی مجھے کچھ عجیب سا لگا۔

بہر حال اب میں نے فیصلہ کیا تھا کہ کم از کم تین دن اور دفتر سے غیر حاضر رہوں گا اور سارا وقت گھر پر ہی گزاروں گا۔

لیکن میرا یہ سپنا پورا نہ ہو سکا۔ دوسرے دن صبح کے وقت ہی کانپور سے میرے لئے ایک ارجنٹ ٹیلی گرام آ پہنچا۔

میں نے اس پر نظر ڈالی اور چونک اٹھا۔ یہ ٹیلی گرام کانپور سے آیا تھا اور ان ہی کی طرف سے آیا تھا کہ جو ٹرین میں مجھے ملے تھے۔ اس چلبلی لڑکی کے پتا کا نام ونود تھا، یہ ٹیلی گرام ان ہی کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ مختصر سے الفاظ میں لکھا تھا۔

"بیٹا ساون.....! جتنی جلد ممکن ہو..... چلے آؤ..... ہم بہت پریشان ہیں، سخت مشکل میں ہیں۔"

ایک بدنصیب باپ (ونود)

نیچے ان کا پتا بھی میری یاد دہانی کے لئے درج تھا۔ یہ پیغام پڑھ کر میں سوچ میں ڈوب گیا کیا مسئلہ ہو سکتا تھا.....؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ انہوں نے مجھے اپنے گھر بلانے کے لئے یہ مذاق کیا ہو.....؟ ڈھونگ رچایا ہو.....؟

لیکن پھر فوراً ہی میں نے سر جھٹکا۔ بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہے کسی کو بلانے کا.....؟ ضرور کوئی تشویش ناک بات تھی۔

میں نے جلدی جلدی تیاری کی اور فلیٹ کو ایک بار پھر مقفل کر کے روانہ ہو گیا۔ وہ کتاب میں اپنی جیب میں رکھنا نہیں بھولا تھا۔ وہ تو شاید اب میری عادت میں ہی شامل ہو گئی تھی۔ نہ جانے

کیوں اس کے بغیر میں خود کو ادھورا ادھورا محسوس کرنے لگا تھا۔ یا شاید یہ سادھو بابا کی باتوں کا اثر تھا۔

تین گھنٹے بعد میں کانپور میں تھا، ونود صاحب کا مکان ڈھونڈنے میں مجھے زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

یہ سادہ سا مکان تھا جو کہ متوسط علاقے میں واقع تھا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، خود ونود صاحب نے دروازہ کھولا تھا۔ ان کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی گویا ان کے ضبط کا بندھن ٹوٹا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''کیا ہوا ونود انکل......! آپ......''

'وہ...... وہ...... لے گئے......'' ان کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے خود کو ذرا سنبھالتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ کر سرگوشی کی۔ ''اندر آ جاؤ...... یہاں بات کرنا شوبھا نہیں دیتا۔''

یہ کہہ کر انہوں نے مجھے اندر بلا کر دروازہ بند کر دیا۔

''ڈاکو...... کامنی کو لے گئے......'' انہوں نے دھیرے سے کہا۔

''کامنی......!'' میں اب بھی نہ سمجھ سکا۔

''ہاں میری بیٹی کامنی کو...... ڈاکو لے گئے...... وہ بدبخت اسی رات کو آئے...... اور...... اور کامنی کو لے گئے۔''

میں سناٹے میں آ گیا۔ یہ یقیناً اسی چلبلی لڑکی کا نام تھا جسے ان ڈاکوؤں میں سے ایک نے ساتھ لے جانے کی کوشش کی تھی۔

''کیا...... کیا کہہ رہے ہیں......؟ وہ لوگ یہاں کیسے پہنچ گئے؟''

''مجھے نہیں معلوم...... البتہ......'' وہ بولتے بولتے رک گئے۔ پھر وہ خاموش ہی رہے تھے اور مجھے ایک کمرے میں لے آئے تھے۔ فوراً ہی مجھے ان کی پتنی اور تینوں بچیوں نے گھیر لیا۔ پھر تو وہ رونا دھونا مچا ہے کہ بس......!

میں خود بھی گم صم سا تھا کیونکہ اس کے بعد مجھے جو کچھ معلوم ہوا اس کا تعلق میری ہی ذات سے تھا۔

وہ چھ ڈاکو تھے، جو رات گئے لاری میں آئے تھے، انہوں نے پہلے تو ونود صاحب اور ان کے گھر والوں کو نیند سے جگایا، ان کے ہاتھ پاؤں باندھے اور پھر کامنی کو اٹھا کر ونود صاحب سے مخاطب ہو کر بولے تھے۔

''ہم لے جارہے ہیں تمہاری بیٹی کو..... اب اگر اس کی خیریت چاہتے ہو تو اپنے حمایتی کو کالے پہاڑ کے دامن میں بھیج دینا۔ وہ ہمارے پاس آ گیا، تو ہم تمہاری بیٹی کو چھوڑ دیں گے.....''

ونود صاحب کیا کہتے.....ان کے منہ میں تو رومال ٹھونسا ہوا تھا۔ پھر بھی انہوں نے اشارے سے پوچھا۔

''کون حمایتی.....؟''

''وہی..... جو تمہیں ریل میں ملا تھا..... اور جس نے ہمارے ساتھیوں کی درگت بنائی تھی.....ہم نہیں جانتے..... جیسے بھی ہو.....اسے وہاں بھیجو..... اگر اپنی بیٹی کی سکھ شانتی چاہتے ہو۔''

یہ کہہ کر وہ لوگ چلے گئے تھے۔ بعد میں ونود صاحب وغیرہ نے بڑی مشکلوں سے اپنے آپ کو آزاد کیا۔

''ابھی.....ہم لوگوں نے یہ بات سب سے چھپائی ہوئی ہے بیٹا.....!'' ونود صاحب کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ''نہ محلے والوں کو ہی اس حادثے کی خبر ہے.....اور نہ ہی میں نے پولیس میں رپورٹ کروائی ہے۔''

''ہوں.....'' میں نے ہنکارا بھرا۔

''میری..... بچی کو بچالو بیٹا.....بھگوان کے لئے..... میری کامنی کو.....'' وجود صاحب کی پتنی نے رو کر دہائی دی۔

''آپ.....آپ بالکل چنتا نہ کریں.....بھگوان پر بھروسہ رکھیں۔'' میں نے کھوکھلے انداز میں انہیں تسلی دی۔ ''کامنی کو کچھ نہیں ہوگا.....کچھ بھی نہیں ہوگا۔''

میں نے دلاسہ دیا اور پھر ونود صاحب سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ ''یہ کالا پہاڑ ہے کہاں.....؟''

☆.....☆.....☆

ٹیکسی والے نے مجھے کالا پہاڑ سے کافی فاصلے پر اتارا تھا۔ اس کا کہنا تھا۔ ''آگے راستہ کافی مخدوش ہے۔''

اس نے مجھے سڑک پر ہی اتارا تھا۔ کرائے کے پیسے وصول کرتے وقت اس نے محتاط انداز میں پوچھا۔

''اس ویرانے میں آپ کیا کرنے آئے ہیں.....؟''

میں نے روا روی کے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''میں آج اسی ویرانے کا مہمان ہوں......اس ویرانے نے میری دعوت کی ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے اس کے پیسے دیئے اور اس کی طرف دیکھے بغیر گھوم گیا۔

تھوڑی دیر بعد ٹیکسی کے انجن کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ اب تک شاید وہ اس بات کا منتظر تھا کہ میں اس سے واپسی کے لئے کہوں گا۔

میں اسی انداز میں آگے بڑھتا رہا۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔ میں درختوں کے درمیان سے آگے نکلتا چلا گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے کالا پہاڑ کے لئے پہلے ہی میری رہنمائی کروی تھی۔ میں اسی کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا رہا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے پیدل سفر کے بعد میں کالا پہاڑ کے دامن میں پہنچ گیا۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ واقعی گہرے سرمئی رنگ کا پہاڑ تھا، جو کہ کافی دور تک پھیلا ہوا تھا۔

یہاں بھی ہو کا عالم تھا، مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے پورے علاقے میں میرے علاوہ کوئی اور ذی روح نہیں تھا۔

میں اندازے سے آگے بڑھتا رہا۔ میری نظریں بھی چاروں طرف دوڑ رہی تھیں۔ دفعتاً ایک لہراتی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''سیدھے چلے آؤ......اور درے سے اندر آ جاؤ......''

میں نے گردن اٹھائی اور آواز کی ساعت دیکھا۔ اوپر کوئی بھی نہیں تھا۔ میں نے سر جھکا اور آگے بڑھ گیا۔

داہنی طرف واقعی ایک بند درہ تھا۔ میں بلا جھجک اسی درے میں اتر گیا۔

یہ درہ زیادہ طویل نہیں تھا جیسے ہی درہ ختم ہوا، دو طویل القامت آدمی رائفلیں لے کر میرے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ ان کے چہروں پر خوفناک قسم کی مسکراہٹیں دوڑ رہی تھیں۔

میں نے نظر بھر کر ان کی طرف دیکھا اور سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ ''کامنی کہاں ہے......؟''

ان دونوں نے میری بات سن کر ایک دوسرے کی طرف ہنس کر دیکھا اور پھر ایک نے تمسخرانہ انداز میں مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''اگر یہ کسی جوان لڑکی کا نام ہے تو سردار کے بستر پر ہو گی......

''بکواس مت کرو......'' میں بھڑک اٹھا۔ طیش کے عالم میں تو میں پہلے ہی تھا۔

''اوئے......چھچھوندر کی نسل......!'' اس کے تیور بھی بدلے۔ ''سردار کا حکم نہ ہوتا، تو تجھے یہیں ڈھیر کر دیتا......چل......ادھر چل......''

وہ دونوں مجھے دھکیلتے ہوئے میدان میں لے آئے۔ یہاں مجھے ایک جیپ دکھائی دی۔ جس

میں تین افراد پہلے سے ہی موجود تھے۔

مجھے اسی حالت میں جیپ میں بٹھایا گیا۔ میں نے فی الحال کوئی مزاحمت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ ان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اب مجھے سردار کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

ان سب لوگوں کا تعلق اسی گروہ سے تھا جس نے ٹرین پر دھاوا بولا تھا۔ لیکن میں ابھی تک یہ بات سمجھ نہیں پایا تھا کہ یہ غلیظ لوگ ونود صاحب کے گھر کیسے پہنچ گئے تھے......؟

جیپ اسٹارٹ ہوئی اور انجانے سفر کی طرف روانہ ہوگئی۔ کم از کم میرے لئے تو یہ سفر انجانا ہی تھا۔ پھر یہ سفر نہ جانے کتنی دیر تک جاری رہا۔ گاڑی ہچکولے کھاتے ہوئے اونچے نیچے اور کچے راستوں پر آگے بڑھتی رہی۔

بس مجھے اتنا یاد ہے کہ بیچ میں چوڑی ندی بھی آئی تھی، جس پر بنی ہوئی پلیہ کو جیپ نے پار کیا تھا۔ وہ لوگ راستے بھر مجھے نظر انداز کر کے آپس میں ہنسی مذاق کرتے رہے تھے۔

آخر کار اس سفر کا اختتام ہوا۔ میں نے دیکھا کہ اس جگہ درختوں کی بہتات تھی۔ چاروں طرف درختوں اور خودرو جھاڑیوں کا انبار تھا۔ مجھے جیپ سے اتارا گیا، پھر ان میں سے چار افراد مجھے لے کر آگے بڑھے، دو آدمی وہیں جیپ میں ہی رک گئے تھے۔

درختوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے ہم ایک کھلی جگہ میں آ پہنچے جہاں اونچے اونچے ٹیلے تھے، اور ان ٹیلوں کے درمیان میں مسطح زمین پر کئی بڑے بڑے خیمے لگے ہوئے تھے ان ہی خیموں سے تھوڑے فاصلے پر لال اینٹوں سے بنا ہوا چھوٹا سا مکان بھی دکھائی دیا۔

آگے بڑھتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ ان خیموں میں لوگ آباد ہیں......اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ جگہ ان ڈاکوؤں کا ٹھکانہ تھا۔ لال اینٹوں سے بنا ہوا مکان سردار کا تھا، جس کے گرد دو آدمی پہرہ دے رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بھی اسلحہ تھا۔

مجھے مکان کے اندر لے جایا گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں ایک کمرے میں آ پہنچا، یہ کمرہ کافی کشادہ تھا، جس میں ایک پلنگ پر لمبے چوڑے ڈیل ڈول والا آدمی نیم دراز تھا۔

''مجرم حاضر ہے سردار......'' مجھے لانے والوں میں سے ایک نے بلند آواز سے کہا۔

اس آدمی کے جسم میں حرکت ہوئی اور وہ اٹھ بیٹھا۔ اب میں نے محسوس کیا کہ وہ کسی دیو سے کم ہرگز نہ تھا۔ اس کی موٹی لال انگارہ آنکھیں میرے چہرہ پر گڑ کر رہ گئیں۔

وہ مجھے بڑے غور سے دیکھتا رہا، نیچے سے اوپر تک، پھر اچانک اس نے ایک بلند و بانگ قہقہہ لگایا۔

درودیوار گویا ہل کر رہ گئے ...... اس کا قہقہہ طویل ہی ہوتا چلا گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی ہنس پڑے۔

میں خاموش کھڑا ہوا اس ''طوفان'' کے تھمنے کا انتظار کرتا رہا۔ میں اچھی طرح سمجھتا تھا کہ سردار میرا مذاق اڑا رہا ہے۔ میں نے ہونٹ بھینچ لئے۔

یکدم ہی سردار کے قہقہے کو گویا بریک لگ گئے اور وہ دہاڑ کر بولا۔ ''تو یہ ہے وہ مچھر ...... جس کی وجہ سے ہمارے ساتھی جیل میں چکی پیس رہے ہیں ......''

''معلوم نہیں سردار ...... آیا تو یہی ہے ......'' ایک نے کندھے اچکا کر کہا۔

''سردار ہنسا۔'' یہ تو ایک ہاتھ کا بھی نہیں ہے ...... لڑکی کو بلاؤ ......''

فوراً ہی داہنی طرف کا دروازہ کھلا اور دو آدمی کامنی کو لئے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

میں نے دیکھا، کامنی کا بہت برا حال تھا، وہ بے حد خوف زدہ اور سہمی ہوئی تھی، دودھ کی طرح سفید رنگ ہو رہا تھا اس کا ......

اس نے جیسے ہی مجھے دیکھا، بری طرح چونک اٹھی ...... وہ مجھے پہچان گئی تھی۔ وہ دیوانہ وار میری طرف لپکی اور مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کن الفاظ میں تسلی دوں۔ اس کے لرزتے ہوئے اور ہچکیاں لیتے ہوئے جسم نے مجھے بھی ڈگمگا دیا تھا۔

''آپ ...... آپ ...... آ ......'' وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔

''ہٹاؤ سسری کو ......'' سردار پھر دہاڑا۔

اس کے ساتھی فوراً ہی آگے بڑھے اور کامنی کو بے دردی سے مجھ سے الگ کر دیا۔ وہ بے چاری بلند آواز سے کہتی رہی ......

''ساون ...... بھیا ...... ساون بھیا ......''

اب یہ سب میری برداشت سے باہر ہو چکا تھا، میں نے بلند آواز سے سردار کو مخاطب کیا۔

''یہ تم نے کیا تماشہ لگا کر رکھا ہے ...... تمہیں جو کچھ کرنا ہے ...... میرے ساتھ کرو ...... میں آ گیا ہوں ...... لڑکی کو واپس بھیج دو ......''

''تیرے ساتھ ہم کیا کریں گے ......؟'' سردار کی ہنسی مکروہ تھی۔ ''تو تو مرد ہے۔ البتہ تیری آنکھوں کے سامنے ہم اس کنواری کنیا کو ننگا کر کے نچائیں گے ...... تیری آنکھوں کے سامنے ......''

''اگر تم ایسا کرو گے..... تو میں تمہاری مردانگی پر تھوکوں گا بھی نہیں.....'' میرا لہجہ نفرت انگیز تھا۔ ''اگر تم میں ایک فیصد بھی مردانگی ہے تو نہتے ہو کر مجھ سے مقابلہ کرو.....''

''تو..... تو مجھ سے مقابلہ کرے گا مچھر کی اولاد.....'' سردار پھر ہنسا اور بلند آواز سے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''سنا تم لوگوں نے.....؟ یہ میرا مقابلہ کرے گا.....''

''جھاڑ دو استاد اس کے کیڑے بھی.....'' کسی نے ہنس کر کہا۔

''تم لوگ اس معصوم لڑکی کے ساتھ جو کچھ کرنے والے ہو، اسے دیکھنے سے تو بہتر ہے کہ میں تمہارے ہاتھوں مارا جاؤں۔'' میرا لہجہ جذباتی تھا۔

''بڑی ہمدردی ہے تجھے اس لڑکی سے۔'' سردار کا لہجہ طنزیہ تھا۔ ''کیا رشتہ ہے اس سے تیرا.....؟''

''اس نے مجھے بھیا کہا ہے، تو یہ میری بہن ہوئی نا..... تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم.....؟'' میں نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''اچھا.....'' اس نے بڑے انداز سے اس لفظ کو لمبا کیا۔ پھر اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''چل..... مقابلے کے لئے تیار ہو جا..... تو نے مجھے للکارا ہے..... تیرا بھرکس نکالنے کے بعد تیری ہی آنکھوں کے سامنے میں اس کنواری چھوری کی عزت اتاروں گا..... تیری..... آنکھوں کے سامنے.....''

''اور اگر میں تم سے جیت گیا سردار.....'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

''اگر تو جیت گیا، تو یہ سردار کا تجھے وچن ہے، یہ لوگ تجھے اور اس لڑکی کو اسی وقت واپس چھوڑ آئیں گے، اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''ٹھیک ہے سردار.....'' میں نے طویل سانس لی۔ ''میں جانتا ہوں..... ڈاکو لوگ اپنے وچن کے پکے ہوتے ہیں۔''

''تیرے پاس اپنے بچاؤ کی ایک صورت اور بھی ہے.....'' سردار کا انداز معنی خیز تھا۔

''وہ کیا.....؟'' میں چونکا۔

''میں تیرے سامنے اس لڑکی کے شریر سے کھیلوں گا..... اور بس..... اس صورت میں بھی تیری جان بچ سکتی ہے۔ پھر میں تجھے واپس بھجوا دوں گا.....''

''واپس بھجوا دو گے.....'' میں چونکا۔ ''تاکہ میں پولیس کو یہاں لے آؤں.....''

''پولیس..... ہاہا.....'' سردار پھر ہنسا اور حقارت سے بولا۔ ''پولیس ہمارا کیا بگاڑے گی.....؟

اسے ہر ماہ بھاری رقم ملتی ہے ہماری طرف سے...... آج شام تک ہمارے وہ ساتھی واپس آ جائیں گے جو تیری وجہ سے جیل میں بند ہیں۔''

''اوہ......'' میرے منہ سے نکلا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان لوگوں کو پولیس کی سرپرستی حاصل تھی۔ یعنی لوٹ مار اور عصمت دری کا جو بازار گرم تھا، اس میں پولیس کے افسران بھی ملوث تھے۔ میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ کتنے اطمینان سے یہاں رہ رہے ہیں جبکہ ان کے ساتھی جیل کی ہوا کھا رہے ہیں، اب یہ بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔

''تمہیں اس لڑکی کا گھر کیسے معلوم ہوا سردار......؟'' دفعتاً میں نے یہ سوال کر ہی ڈالا۔

''تم لوگوں نے ریل میں ایک دوسرے کو اپنے پتے دیئے تھے۔'' وہ دانت نکال کر بولا۔ ''اگر تم نہیں آتے، تو میں تمہیں بمبئی سے بلوا لیتا...... اور ہاں...... اب زیادہ مہابھارت لگا کر اپنے جیون کے سمے کو مت بڑھا...... مقابلے کے لئے تیار ہو جا۔''

مجھے اور کامنی کو کھلے میدان میں لایا گیا۔ یہ میدان ان خیموں سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ کامنی کے ہاتھ باندھ دیئے گئے تھے اور ایک پاؤں میں بھی رسی کی گرہ لگا دی گئی تھی، رسی کا دوسرا سرا بھگوان جانے کہاں تھا......!

مجھے بیچ میدان میں کھڑا کر دیا گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں لوگوں کا مجمع لگ گیا۔ یہ تقریباً 45,40 کے قریب لوگ تھے۔ اور جب وہاں سردار نمودار ہوا تو یہ مجمع دائرے کی صورت میں ہم دونوں کے چاروں طرف پھیل گیا۔

وہ لوگ مجھ پر پھبتیاں کس رہے تھے، طنز کے تیر چلا رہے تھے، قہقہے لگا رہے تھے اور میرا مذاق اڑا رہے تھے۔ اور تھی بھی یہ حقیقت...... کیونکہ سردار کے ڈیل ڈول کے سامنے میرا وجود نہایت حقیر لگ رہا تھا۔ بالکل ہاتھی اور چیونٹی کی مثال تھی۔

میں نے مڑ کر کامنی کی طرف دیکھا، وہ یک ٹک آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس وقت نہ تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور نہ سانسوں میں ہچکیاں تھیں۔

وہ شاید بھگوان سے میرے لئے پرارتھنا کر رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف سے نظریں گھما لیں اور سردار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ تمسخرانہ انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو جوان...... اگر تم بھاگنا چاہو...... تو ابھی بھی بھاگ سکتے ہو، کوئی تمہیں نہیں روکے گا، ویسے بھی تمہیں دیکھ کر میں نراش ہو گیا ہوں، میں تو سمجھ رہا تھا کہ میرے ساتھیوں کو مارنے والا کوئی کڑیل جوان پہلوان ہوگا...... اسی لئے تو میں نے تمہیں بلوایا تھا......'' سردار نے

افسوس بھرے لہجے میں کہا۔
پھر وہ آگے بڑھا تھا اور اس نے میرے قریب آ کر ہاتھ گھمایا اور ایک بھرپور مکا میرے منہ پر رسید کر دیا۔ میں اس حملے کے لئے قطعی تیار نہیں تھا، مجھے پہلے کب ان چیزوں کا تجربہ تھا، یہ سب تو میں نے کامنی کی خاطر مول لیا تھا۔
یہاں آتے وقت میں اتنے جوش میں تھا کہ تن تنہا ہی ان لوگوں میں آ پھنسا تھا۔ سردار کا وار اتنا کاری تھا کہ میں کمر کے بل پر ترچھا ہو کر گھوم گیا۔ آنکھوں کے آگے اودے کالے اور پیلے ستارے ناچنے لگے، منہ کے اندر بھی میں نے نمکین قسم کا ذائقہ محسوس کیا، میرے جبڑوں سے خون رواں ہو گیا تھا۔
اور پھر میں لڑکھڑایا۔ اگلے ہی لمحے میں زمین پر دھپ سے گرا۔ چاروں طرف ایک شور سا برپا ہو گیا۔ سب لوگ ہنس رہے تھے۔ قہقہے لگا رہے تھے۔ ساتھ ہی میرے کانوں میں آوازیں آ رہی تھیں۔
''ابے...... یہ کیا ہوا......؟ ابے اٹھ......؟''
''ابے کھڑا ہو جا......'' سردار کی شوخ سی آواز ابھری۔ ''ورنہ میرے ساتھی کہیں گے کہ اتنے کمزور آدمی پر میں نے ہاتھ اٹھایا ہے......''
میں بمشکل تمام اٹھ کھڑا ہوا۔ ''ساون بھیا......! ساون بھیا!'' کامنی کی چیختی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔
''اس کے منہ میں لگام دو......'' سردار جھنجلا کر اپنے ساتھیوں کی طرف گھوما۔
اس کا اشارہ کامنی کی طرف تھا۔ پھر وہ دوبارہ میری طرف بڑھا۔ اس کے چہرے پر خونخوار قسم کے تاثرات تھے۔ اس نے میرے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا اور مجھے ایک زوردار جھٹکا دیا۔
''کتے کے پلے......!'' اس نے دانت کچکچائے۔ ''تیری ہمت کیسے ہوئی میرے ساتھیوں پر ہاتھ اٹھانے کی...... میں تجھے زندہ زمین میں گاڑ دوں گا...... تیری ارتھی کو چتا کی آگ بھی نہ مل سکے گی۔''
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ عجیب سی حالت ہو رہی تھی میری...... مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے آہستہ آہستہ کوئی چیز میرے شریر میں سرایت کر رہی ہے۔ کوئی قوت تھی...... کوئی توانائی تھی...... یا پھر یہ میرے اپنے ذہن کی جھنجلاہٹ اور غصے کی کیفیت تھی۔
میں نے سردار کا ہاتھ زور سے جھٹکا اور اسی کے کئے ہوئے حملے کے انداز میں ایک زوردار

گھونسا اس کے منہ پر دے مارا۔ اگلا لمحہ سب کے لئے حیرت انگیز تھا، خاص طور پر سردار کے چیلوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

میرے گھونسے نے سردار کو کئی فٹ اونچا اچھالا تھا اور پھر جب وہ زمین پر گرا تو ڈھیر ہو کر ساکت ہو گیا۔

میدان میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ سردار کا بھاری بھرکم شریر بے حس و حرکت تھا، وہ شاید بے ہوش ہو چکا تھا۔

نہ جانے کتنی دیر گزر گئی، سب لوگ پتھروں کی طرف ساکت ہو گئے تھے، کسی کو بھی ارد گرد کا ہوش نہ رہا تھا۔

میں خود حیران تھا، اتنا طاقت ور اور لحیم شحیم انسان، مجھ جیسے آدمی کا صرف ایک گھونسا برداشت نہ کر سکا......؟

پھر جیسے سب کو ہوش آ گیا، وہ لوگ اندھا دھند آگے بڑھے اور سردار کی طرف لپکے۔ میں نے چونک کر سر اٹھایا۔

کسی نے میری طرف توجہ نہ دی۔ وہ تو اپنے سردار کی طرف سے فکر مند تھے۔ ادھر مجھے کامنی کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ یہاں تو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔

میں نے ان کا گھیرا توڑا اور کامنی کی طرف لپکا۔ کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ کامنی کا عجیب ہی حال تھا، وہ خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر جلدی جلدی اس کی رسیاں کھولیں اور مڑ کر مجمع کی طرف دیکھا اب بھی کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں تھا۔

میں نے کامنی کا ہاتھ پکڑا اور سرپٹ دوڑ پڑا۔ میرا رخ ان درختوں کی طرف تھا جو میدان کے دوسری طرف دور تک بکھرے ہوئے تھے۔

جلد ہی ہم دونوں ان درختوں کی اوٹ میں تھے۔ لیکن میں رکا نہیں تھا، میری کوشش تھی کہ جلد سے جلد کامنی کو ان لوگوں کی دسترس سے دور کر دوں۔

ان لوگوں کا بھروسہ کیسے کیا جا سکتا تھا......؟ ضروری نہیں تھا کہ اپنے سردار کی شکست کے بعد وہ اس کا کیا ہوا وعدہ پورا کرتے اور مجھے اور کامنی کو چھوڑ دیتے۔

ہم دونوں نہ جانے کتنی دیر تک اور کس کس رخ پر اندھا دھند بھاگتے رہے۔ سمت کا تو اندازہ بھی نہیں تھا کہ ہم کہاں جا نکلیں گے۔ بس ایک دھن سوار تھی...... بھاگنے کی دھن۔

یہ جنگل تھا کہ شیطان کی آنت...... ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ آخر کار کامنی بے دم ہو کر گر پڑی۔ ''مم...... مجھ سے...... مجھ سے اب...... نہیں چلا جاتا......'' اس نے بہ مشکل کہا۔

''ہم...... چل نہیں رہے...... بھاگ رہے ہیں......'' میں نے بھی پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان جواب دیا۔ ''اور ہمیں بھاگنا تو پڑے گا ہی...... ورنہ وہ لوگ شاید ہمیں جان سے مار دیں گے۔''

''مجھ سے...... مجھ سے اب...... نہیں بھاگا جاتا......'' یہ کہہ کر کامنی نے بہ مشکل خود کو گھسیٹا اور ایک درخت سے ٹیک لگالی۔ اب وہ آنکھیں موند کر لمبی لمبی سانسیں لے رہی تھی۔ میں بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''ساون...... بھیا...... مجھے...... پیاس لگ رہی ہے۔'' دفعتاً کامنی کی پھر آواز آئی۔

''ہاں...... اچھا...... آگے چلو...... دیکھتے ہیں پانی مل جائے گا۔'' میں نے گردن ہلائی۔

''اٹھو اب......''

''ساون بھیا......''

''ہاں...... کیا ہے......؟''

''تم بہت اچھے ہو...... نڈر بھی ہو اور...... زور آور بھی...... تم نے ایک ہی وار میں سردار کو چت کر دیا تھا......'' کامنی کی آواز میں مجھے ایک بار پھر زندگی کی لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور پھر دوسری طرف منہ کرتے ہوئے بولا۔

''اسے اتفاق کہہ لو...... یا بھگوان کی مدد...... مجھ میں اتنی طاقت کہاں ہے۔ میں تو خود حیران ہوں......''

''مجھے مت بناؤ ساون بھیا......'' وہ دھیرے سے مسکرائی۔ ''میں نے تمہیں ٹرین میں بھی لڑتے ہوئے دیکھا تھا...... اور اب یہاں...... تم کوئی دیوتا ہو...... دیوتا...... جو پرش کے روپ میں آئے ہو......''

''چلو مان لیا بھولی بھالی لڑکی......'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''فی الحال تو یہاں سے نکلو...... ورنہ تم سمیت اس دیوتا کو وہ لوگ بھون کر کھا جائیں گے۔''

''کیا وہ لوگ آدم خور بھی ہیں......؟'' کامنی نے چونک کر پوچھا۔

''وحشی تو ہیں...... آدم خور بھی ہوں گے۔'' میں نے سر ہلایا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔ ''اٹھو......''

''ابھی اٹھ رہی ہوں......'' وہ منمنائی۔ ''میری ٹانگوں میں بالکل جان نہیں ہے...... بے دم ہو رہی ہوں میں......''

''اب میں تمہیں اٹھا کر تو بھاگنے سے رہا......'' میرے منہ سے نکلا۔ پھر میں نے جلدی سے کہا۔ ''چلو اٹھو......''

وہ میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک بار پھر ہم دونوں کی ''دوڑ'' شروع ہو گئی۔

بھاگتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ سردار کی حیرت انگیز اور ناقابل یقین شکست کے پیچھے یقیناً اسی پراسرار کتاب کا ہاتھ تھا، جو اس وقت بھی میری جیب میں موجود تھی، لیکن عجیب ترین بات یہ تھی کہ اس کتاب کے اسرار اب تک مجھ سے پوشیدہ تھے۔ میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان سکا تھا۔

ہم دونوں تیز تیز قدموں سے آگے بڑھتے رہے۔ شام بڑی تیزی سے ڈوب رہی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ کچھ ہی دیر میں اندھیرا پھیلنے والا تھا اور یہ کافی پریشانی والی بات تھی کیونکہ منزل نامعلوم تھی، راستہ بھی پرخطر ہو سکتا تھا...... میں اپنی ذات کے لئے تشویش میں مبتلا نہیں تھا۔ بلکہ مجھے جوان جہان کامنی کی فکر تھی...... جس نے مجھے بھیا کا رتبہ دے کر مجھ پر اپنی عزت وعصمت کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ میری معیت میں وہ تھوڑی سی لاپرواہ اور پرسکون بھی تھی، شاید اس نے مجھے سپر مین ٹائپ کی کوئی چیز سمجھ لیا تھا۔

درختوں کا سلسلہ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ دفعتاً میں ٹھٹھک کر رک گیا۔ داہنی جانب کی جھاڑیوں کے قریب کی زمین مجھے گیلی دکھائی دی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ قریب ہی کہیں پانی موجود تھا۔

''کیا ہوا......؟'' کامنی نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''پانی......!'' میرے منہ سے نکلا۔ ''آؤ......''

یہ کہہ کر میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور جھاڑیوں میں گھس گیا۔ یہاں واقعی ایک قدرتی چشمہ بہہ رہا تھا۔ جس کا پانی آگے جا کر نشیب میں گر رہا تھا۔ پانی صاف اور شفاف تھا۔

ہم دونوں نے بھگوان کا شکر ادا کیا اور پانی پر گویا ٹوٹ پڑے۔ پیٹ بھر کر پانی پیا تھا ہم نے...... اس وقت محسوس ہو رہا تھا کہ واقعی پانی ایشور کی کتنی بڑی نعمت ہے۔

پھر ہم نے اپنے ہاتھ اور منہ دھو لئے تھے اسی وقت میں نے دیکھا کہ کامنی کے چہرے پر

عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

''کیا ہوا کامنی......؟''میں نے پوچھ ہی لیا۔

''کک......کچھ نہیں......''وہ جھجک کر بولی۔

''کچھ تو بات ہے......بتاؤ......؟''میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

فوراً ہی کسی اندرونی جذبے کی شدت سے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے، ساتھ ہی اس کے ہونٹ بھی کانپ رہے تھے۔''بتاؤ تو کامنی......آخر ہوا کیا ہے......؟''میں نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

وہ روتی رہی اور میں اس سے پوچھتا رہا۔آخر کار تھوڑی دیر بعد بڑی مشکل سے شرماتے اور لجاتے ہوئے اس نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔

میں بے ساختہ ہنس دیا۔ میں نے اس کے بالوں میں پیار اور شفقت سے گدگدی کی اور بولا۔

''ارے پگلی......! تو اس میں رونے والی کیا بات ہے...... میں ادھر کھڑا ہوں......وہیں آ جانا......اور ہاں......ذرا جلدی کیونکہ دیکھ لو اب اندھیرا پھیل رہا ہے......''

کامنی نے سر ہلا دیا۔ میں نے وہاں ہٹ کر دوسری طرف چلا آیا۔جس کے بارے میں میں نے کامنی کو آگاہ کر دیا تھا۔

اس بہتے ہوئے چشمے کے ساتھ ہی ایک پتلی سی پگڈنڈی تھی جو کافی دور تک جا رہی تھی میں نے فیصلہ کیا کہ اب اس پگڈنڈی پر سفر کرنا چاہئے، ہوسکتا تھا کہ آگے جا کر کسی آبادی کے آثار دکھائی دے جاتے۔

سردار کے چیلوں کا ابھی تک کہیں پتا نہ تھا۔یا تو انہوں نے ہمیں تلاش کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ہوگی۔

یا پھر یہ بھی ہوسکتا تھا کہ میں نے اور کامنی نے ان کی بالکل مخالف سمت میں دوڑ لگائی تھی۔ ہوسکتا تھا کہ وہ کسی اور سمت میں میں تلاش کر رہے ہوں۔

بہر حال وہ کچھ بھی کر رہے ہوں، مجھے اب صرف اس بات کی فکر تھی کہ کامنی کو کسی بھی طرح محفوظ مقام پر پہنچا دوں۔

تھوڑی دیر بعد کامنی آ گئی، وہ مجھ سے نظریں چرا رہی تھی، البتہ اس کے چہرے پر بشاشت کے آثار نمایاں تھے۔

میں ایک بار پھر ہنس پڑا۔ پھر میں نے اس کی کمر پر ایک دھپ رسید کی اور کہا۔

''پگلی......! خواہ مخواہ اتنا پریشان ہو رہی تھی......''

وہ بھی دھیرے سے مسکرائی، اب اندھیرا پوری طرح پھیل چکا تھا۔ جھینگروں اور مینڈکوں کی آوازیں فضا میں گونجنے لگی تھیں۔

میں کامنی کا ہاتھ تھام کر اسی پگڈنڈی پر ہولیا۔ میں دل ہی دل میں بھگوان سے پرارتھنا کر رہا تھا کہ ہم دونوں کسی آبادی میں پہنچ جائیں۔ اس دوران میں کامنی کچھ کھل گئی۔ اب وہ بے دھڑک ہو کر مجھ سے میرے متعلق جانکاری میں لگ گئی۔ میں نے اسے مختصراً اپنے بارے میں بتایا، بلکہ چھپایا زیادہ اور بتایا کم...... میں نے اسے یہ بھی نہیں بتایا کہ میں دنیا میں اکیلا ہوں...... تنہا اور اکیلا......

اور پھر میری پرارتھنا بھگوان نے سن لی، دور...... بہت دور روشنیاں پھوٹتی ہوئی دکھائی دیں۔ گوکہ یہ روشنیاں مدہم تھیں لیکن اس وقت یہ ہمیں دس ہزار وولٹ سے بھی زیادہ کی دکھائی دے رہی تھیں۔

ہم دونوں نے خوش ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، گوکہ اندھیرے کے باعث ہم صحیح طور سے ایک دوسرے کو دیکھ نہیں پا رہے تھے...... لیکن پھر بھی میں نے محسوس کیا کہ کامنی کے چہرے پر رونق دوڑ گئی تھی۔

ایک نئی توانائی کے ساتھ ہم نے قدم آگے بڑھانے شروع کر دیئے۔ جلد ہی ہم دونوں اس جگہ کے نزدیک پہنچ گئے۔

یہ چھوٹے چھوٹے بنے ہوئے مکانات تھے، جن میں کچھ کچے مکان بھی تھے اور اینٹوں سے بنے ہوئے پکے مکان بھی۔

یوں لگتا تھا جیسے لوگوں نے خود اپنی مرضی سے ہی یہاں آباد کاری کی ہو۔ یہاں لائٹ کا انتظام نہیں تھا۔ اس لئے گھروں میں لالٹینیں، گیس لائٹیں اور کہیں کہیں مٹی کے دیئے روشن تھے۔

آس پاس سناٹا تھا، گویا مکین اپنے اپنے گھروں میں موجود تھے۔

''ساون بھیا......!'' کامنی نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''ایسا لگ رہا ہے کہ یہاں پرش نہیں رہتے، کہیں یہ پاپی آتماؤں کی بستی تو نہیں ہے......؟'

'آتماؤں کو کیا ضرورت ہے پکے مکان بنانے کی......؟'' میں نے اسے گھورا۔ پھر میں نے اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر آگے بڑھ کر ایک کچے مکان کا دروازہ کھٹکھٹا دیا۔

تھوڑی دیر بعد ''کھٹ...... کھٹ...... کھٹ......'' کی آواز سنائی دی، ساتھ ہی روشنی کا جھماکہ بھی ہوااور دروازے کی درزوں سے روشنی آتی محسوس ہوئی، آہستہ آہستہ روشنی بھی بڑھ رہی تھی اور ''کھٹ کھٹ'' کی آواز بھی۔

اور پھر دروازہ کھلا، ساتھ ہی گیس لائٹ کی روشنی نے ہماری آنکھوں کو چکاچوند کردیا۔

''کون ہوتم دونوں......؟'' ایک بھاری بھرکم اور بلغم زدہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

میری آنکھیں اب دیکھنے کے قابل ہوچکی تھیں، ہمارے سامنے ایک بوڑھا کھڑا ہوا تھا، اس کے ایک ہاتھ کی بغل میں بے ساکھی دبی ہوئی تھی اور دوسرے ہاتھ میں اس نے لالٹین تھام رکھی تھی، اس کے جسم پر بنیان اور دھوتی تھی۔

وہ سوالیہ نظروں سے کبھی کامنی کو دیکھتا، اور کبھی مجھے۔

''جناب......! بات یہ ہے کہ ہمیں ڈاکوؤں نے پکڑلیا تھا'' میں نے بات شروع کی۔ ''ہم دونوں بڑی مشکل سے جان بچاکر وہاں سے بھاگے ہیں......وہ لوگ......''

''سیدھے چلے جاؤ......'' بوڑھے نے میری بات کاٹ کر لالٹین نیچے رکھی اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ''آگے جاکر سیدھے ہاتھ پر مڑنا...... بالکل سامنے والے مکان میں دائی جی رہتی ہے...... اس کے پاس چلے جاؤ، وہ تمہاری مدد کرے گی۔''

''دائی جی......؟'' میں بڑبڑایا۔

''ہاں...... دائی جی...... جاؤ...... دائی جی کے پاس جاؤ......'' یہ کہہ کر بوڑھے نے لالٹین اٹھائی اور دروازہ بند کرلیا۔ ہم دونوں ایک بار پھر اندھیرے میں کھڑے تھے۔

''عجیب تھا یہ بڈھا......'' کامنی بڑبڑائی۔ ''کھٹ سے باہر اور کھٹ سے اندر......''

''دائی جی......بھگوان جانے کہ کون ہے یہ دائی جی......''

''چلو......دیکھ لیتے ہیں......اس میں برائی کیا ہے......'' میں نے جواب دیا۔

اب ہم دونوں آگے بڑھے اور بوڑھے کے بتائے ہوئے مکان پر پہنچ کر میں نے دروازہ کھٹکھٹادیا۔ عین اسی وقت کچھ لوگ سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیئے، انہوں نے ایک نظر ہم دونوں پر ڈالی اور کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئے۔

میری دوسری دستک کے جواب میں آخر کار دروازہ کھل ہی گیا۔ اندر کافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دروازہ کھولنے والا ایک نہایت کمزور اور نحیف سا جوان آدمی تھا۔ اس کے گال بھی پچکے ہوئے تھے چونکہ وہ لمبا بھی تھا......اس لئے اس کا کمزور جسم اور بھی نمایاں ہورہا تھا۔

''کیا بات ہے......؟'' اس نے باری باری ہم دونوں کو گھورا۔

''دائی جی سے ملنا ہے......'' میں نے فوراً کہا۔

اس نے سر ہلایا اور دروازہ بھیڑ کر غائب ہو گیا۔ فوراً ہی اس کی واپسی ہوئی تھی۔ ''آ جاؤ......'' اس نے کہا اور ہمارے لئے راستہ چھوڑ دیا۔

کامنی نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، جس کا مطلب سمجھتے ہوئے میں نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

ہم دونوں اس تنک منک کے پیچھے چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے، راہداری میں گیس لائٹ رکھی ہوئی تھی۔

اور بھی طریقوں سے یہاں روشنی کا انتظام کیا گیا تھا۔ وہ آدمی ہمیں ایک کمرے میں لے آیا۔ جہاں مسہری پر ایک درمیانے قد و قامت کی عورت آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔

وہ عمر کے اس حصے میں داخل ہو چکی تھی جہاں لوگوں پر سادگی طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ اس کے جسم پر شوخ قسم کا لباس تھا، چہرہ بھی میک اپ زدہ تھا اور کانوں میں پڑے ہوئے بڑے بڑے جھمکے اس کے زندہ دل ہونے کا ثبوت دے رہے تھے۔

یہ سب کچھ میں نے کیروسین لیمپ کی روشنی میں دیکھا تھا۔ اس عورت نے بڑے غور سے ہم دونوں کا جائزہ لیا، خاص طور پر میرا، پھر اس نے بڑی شان سے کہا۔

''آؤ......تم دونوں وہاں کیوں کھڑے ہو......؟ یہاں آؤ......بیٹھو......'' میں اور کامنی مسہری پر آ بیٹھے۔

''کون ہو تم لوگ......؟ کہاں سے آئے ہو؟'' اس نے کامنی کو قطعی نظر انداز کر کے میری طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہم کانپور میں رہتے ہیں......'' میں نے بتایا۔ ''فی الوقت تو یہ صورت حال ہے کہ ہم بڑی مشکلوں سے ڈاکوؤں کے چنگل سے نکل کر بھاگے ہیں، وہ شاید ہمارے تعاقب میں ہوں گے......''

''تم دونوں پتی پتنی ہو......؟'' عورت نے یکلخت ہی پوچھا تھا۔

میں نے فوراً ہی کامنی کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ ''نن...... نہیں......'' میں نے جواب دیا۔

''پھر......؟ عاشقی کا چکر ہے......'' اس نے معنی خیز قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''یہ میری بہن ہے.....اس کا نام کامنی ہے.....وہ مردود لوگ اس پر بری نظر رکھ رہے تھے.....موقع دیکھ کر ہم بھاگ نکلے.....''

''کیا تمہارا کوئی نام نہیں ہے.....؟'' اس نے پھر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میرا نام ساون کمار شرما ہے.....'' میں نے بتایا۔ ''کیا دائی جی سے ملاقات ہو سکے گی.....؟''

''میں ہی دائی جی ہوں.....'' اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ''بستی کے سارے بچے میرے ہی ہاتھوں سے ماؤں کی گودوں میں جاتے ہیں۔ اسی لئے مجھے پوری بستی دائی جی کے نام سے پکارتی ہے.....بستی بھر میں کسی کی ہمت نہیں ہے کہ مجھ سے ٹیڑھی بات کر سکے.....سب ہی میرے آگے پانی بھرتے ہیں.....''

''اوہ.....'' میرے منہ سے نکلا۔ تو یہ تھی دائی جی.....اس کی شخصیت کا جو پہلو سامنے آیا تھا وہ کافی دلچسپ تھا۔ میں چند لمحوں تک اس سے کافی محظوظ ہوا۔ پھر دائی جی خود بولی۔

''تم لوگ کسی قسم کی بھی چنتا نہ کرو.....چاہو تو دن چڑھے یہاں سے چلے جانا اور اگر دل چاہے تو کچھ دن میرے مہمان رہنا.....تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

''ہم صبح یہاں سے چلے جائیں گے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

ہمارے ساتھ آنے والے تنک منک سا آدمی اب تک خاموش کھڑا تھا۔ ''یہاں سے ذرا فاصلے پر کانپور جانے والی گاڑی منہ اندھیرے ملتی ہے.....'' دائی جی نے بتایا۔ ''تم اسی میں چلے جانا.....ارے ہاں.....میں تو بھول ہی گئی.....تم لوگ بھوکے بھی ہو گے.....بھوجن کر لو.....اور پھر سو جاؤ.....''

یہ کہہ کر وہ تنک منک سے آدمی کی طرف گھومی۔

''کاکڑی.....بھوجن لے آؤ ان لوگوں کے لئے.....کچھ تو کام کیا کرو.....''

''یہ بھی کوئی کام ہے دائی جی.....'' اس نے منہ بنا کر کہا اور گھوم کر باہر کی طرف ہو لیا۔ میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

''کاکڑی اسی علاقے میں رہتا ہے۔'' دائی جی نے خود ہی بتایا۔ ''لیکن زیادہ تر میرے گھر میں ہی پڑا رہتا ہے.....اکیلا ہے بے چارہ.....میں رات گئے تک اس کے ساتھ لوڈو کی بازی لگائے رکھتی ہوں۔'' اتنا کہہ کر وہ ہنسنے لگی۔

بھوک کے مارے واقعی میرا اور کامنی کا برا حال تھا۔ تھوڑی دیر بعد کاکڑی ہم دونوں کے لئے

کھانا لے آیا۔

دونوں مربھکوں کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ آلو کا سالن اور روٹی تھی، لیکن اس وقت یہ آلو کا سالن کسی فائیو اسٹار ہوٹل کے کھانے سے کسی طرح بھی کم نہ تھا۔ کم از کم میں نے تو خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔

کاکڑی وہاں سے چلا گیا تھا۔ دائی جی مسکراتی ہوئی نظروں سے ہمیں دیکھتی رہی۔ کھانا ختم کرتے ہی دائی جی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اب تم لوگ اس کمرے میں آرام کرو...... سویرے میں تمہیں اٹھادوں گی۔''

اتنا کہہ کر اس نے ایک دلکش قسم کی مسکراہٹ مجھ پر پھینکی اور کمرے سے نکل گئی۔ اب ہم دونوں وہاں تنہا تھے۔ کامنی سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کے ناخنوں سے الجھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک بیکراں سی اداسی پھیلی ہوئی تھی۔

میں چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔ ''تم مسہری پر سو جاؤ کامنی......! میں فرش پر لیٹ جاؤں گا......''

اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور دیکھتی ہی رہ گئی پھر بولی۔ ''نہیں...... فرش پر میں سوؤں گی...... آپ پہلے ہی میری وجہ سے کم پریشان ہو......''

''زیادہ پٹر پٹر کرنے کی ضرورت نہیں ہے......'' میں نے غصے کی ایکٹنگ کی۔ ''چپ چاپ یہاں لٹ جاؤ......''

یہ کہہ کر میں اٹھا اور فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ کامنی اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔ ''ساون بھیا......'' اس کی آواز آئی۔

''ہوں......'' میں نے گردن اٹھائی۔

''تم...... تم بہت اچھے ہو...... بہت اچھے ہو......''

''اس اطلاع کا شکریہ......'' میرا جواب تھا۔

پھر نہ جانے اسے کیا سوجھی...... وہ میرے پاس ہی آ بیٹھی۔

''ساون بھیا......! مجھے نیند نہیں آ رہی......''

''لیٹ کر سونے کی کوشش کرو......''

''کوسوں دور ہے مجھ سے نیند...... مجھے گھر کی یاد آ رہی ہے...... نہ جانے ماتا پتا کا اس وقت کیا حال ہو گا......'' اس کی آواز میں یاس تھا۔

''بھگوان نے چاہا تو ہم بہت جلد ان کے پاس ہوں گے......'' میں نے اسے حوصلہ دیا'' بالکل چنتا نہ کرو......اب جاؤ......شاباش......اور سونے کی کوشش کرو۔''

''میں آپ کو......جیون بھر یاد رکھوں گی......جیون بھر......'' یہ کہہ کر کامنی جھکی اور اس نے میرے ماتھے کا بوسہ لے لیا۔ پھر فوراً ہی وہ اٹھ کر مسہری کی طرف چل دی۔

میں اس کے لئے ہوئے بوسے کی لذت میں نہ جانے کب تک ڈوبا رہا کیونکہ اس بوسے میں میرے لئے احترام تھا، چاہت تھی، پاکیزگی تھی اور ممتا کی سی تڑپ تھی۔ اس بوسے کا تعلق شریر سے نہیں تھا۔ آتما سے تھا۔

میں نے ایک طویل سانس لی اور کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں۔ جلد ہی میں تھکن کے باعث نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ جب اچانک ہی کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔

میری نیند اس وقت اتنی گہری تھی کہ میں ہڑبڑا کر جاگا تھا۔ میں نے دیکھا تو دائی جی کو خود پر جھکا ہوا پایا۔

''تم یہاں کیوں پڑے ہو؟'' اس کی دھیمی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''میں......'' میں نے اپنے حواس بحال کئے۔ ''میں ٹھیک ہوں......وہاں کامنی سو رہی تھی اس لئے میں یہاں سو گیا تھا۔''

''چلو اٹھو......'' اس نے میرا ہاتھ پکڑا۔ ''فرش پر سونے سے بیمار پڑ جاؤ گے......آؤ میرے ساتھ......''

بادل نخواستہ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ دوبارہ فرش پر ہی ڈھیر ہو جاؤں۔ کامنی سو چکی تھی کیونکہ اس کے ہلکے ہلکے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔

دائی جی مجھے دوسرے کمرے میں لے آئی۔ اس کمرے کا ساز و سامان بتا رہا تھا کہ یہ اس کا ذاتی کمرہ تھا۔

یہاں بھی ایک آرام دہ مسہری موجود تھی۔ اس نے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

''تم یہاں پر آرام کرو......''

''اور......اور آپ کہاں سوئیں گی......؟'' میں نے ہونقوں کی طرح پوچھا۔

''تم کامنی کے ساتھ نہیں سو سکتے۔'' دائی جی نے بڑے پیار سے میرا گال سہلایا۔ ''لیکن

مجھے تمہارے ساتھ سونے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"
میری نیند بھک سے اڑ گئی۔ میں نے بوکھلا کر اس کی طرف دیکھا۔
"کیا مطلب......؟"
میری بات کا جواب دینے کے بجائے اس نے مجھے بستر کی طرف دھکیل دیا اور پھر خود بھی آگے بڑھی۔
"اپنے مکان میں رہنے کا کرایہ وصول نہ کروں......" اس نے جذبات سے بھرپور انداز میں شکایت کی۔
اور پھر واقعی......اس نے مجھ سے کرایہ وصول کر لیا۔ اس نے جو کچھ بھی کیا میں بھی بہک گیا تھا۔ لیکن ایک بات تھی اور وہ یہ کہ اتنی خود سپرد عورت سے میرا کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔
گو کہ عمر میں وہ مجھ سے کافی بڑی تھی لیکن جسمانی اور جذباتی بڑی زبردست عورت تھی وہ......
وقت گزرنے پر جلد ہی مجھے نیند نے ایک بار پھر جکڑ لیا۔ دائی جی کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ اس کے بعد بھی جاگتی رہی ہو۔
پھر نہ جانے میں کب تک سوتا رہا تھا۔ البتہ وہ کسی قسم کا شور تھا جس نے مجھے جاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میرے ساتھ ساتھ دائی جی بھی نیند سے بیدار ہو گئی تھی۔
یوں لگ رہا تھا جیسے دروازہ زور زور سے پیٹا جا رہا ہو۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔
"ٹھہرو......میں دیکھتی ہوں......" دائی جی نے مجھے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ اٹھ کر باہر نکل گئی۔ مجھ سے بھی رہا نہ گیا اور پھر میں بھی کمرے سے نکل آیا۔
صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ رات کو دیر سے سونے کے باعث صبح جلدی آنکھ نہیں کھل سکی تھی۔
مجھے پوری امید تھی کہ کامنی بھی اب تک سوئی پڑی ہوگی۔ دستک کی آوازوں نے اس کی نیند پر کوئی اثر نہیں ڈالا ہوگا۔
میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ میں نے دوسرے کمرے میں جھانکا تو وہ مسہری پر بے سدھ پڑی دکھائی دی۔
میں آگے بڑھ گیا۔ جہاں دائی جی دروازے میں کھڑی ہوئی کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ پھر اس نے دروازہ بند کیا اور میری طرف گھوم گئی اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میں چونک اٹھا۔
اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں کافی گھبرائی ہوئی تھی وہ پھر اس نے سرسراتے ہوئے

لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔
''وہ لوگ...... تمہارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ بستی میں داخل ہو جائیں گے...... وہ تعداد میں کئی ہیں...... اور ان کے پاس اسلحہ بھی ہے......''
''اوہ......'' میں سناٹے میں آ گیا۔
میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بدبخت ڈاکو یہاں بھی آ دھمکیں گے، اور وہ بھی پوری رات گذر جانے کے بعد......!
مجھے سب سے زیادہ فکر کامنی کی تھی...... کیا ایک بار پھر کامنی ان درندوں کے ہتھے چڑھ جائے گی......؟
میں ابھی اسی سوچ میں گم تھا کہ دائی جی نے مجھے بازو سے تھام کر جھنجھوڑا۔
''کہاں کھو گئے......؟ بتاؤ اب کیا کرنا ہے؟''
''کامنی کو کہیں چھپا دو...... کہیں اور......'' میں نے اس سے کہا۔
''اور تمہارا کیا ہوگا......؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔
''تم میری فکر نہ کرو......'' میں نے جواب دیا: ''بس کامنی کا کوئی معقول انتظام کردو......''
''میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گی......'' عقب سے اچانک ہی کامنی کی آواز آئی۔
میں نے گردن گھمائی تو کامنی کو وہاں موجود پایا۔ اس نے شاید ہماری باتیں سن لی تھیں۔
''تم...... میرے ساتھ کہاں رہوگی......؟'' میں نے اسے گھورا۔ دائی جی بھی اسی کی طرف متوجہ تھی۔
''کہیں بھی...... جہاں آپ جائیں گے......'' اس کے انداز میں ضد سی شامل تھی۔
''پاگل مت بنو......'' میں نے اسے ڈانٹا۔ ''ہم میں سے کم از کم ایک تو ان سے بچے......''
''جو کچھ بھی اب ہوگا...... دونوں کے ساتھ ہوگا۔'' اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ ''میں کسی صورت بھی آپ سے جدا نہیں ہو سکتی۔''
''سمجھنے کی کوشش کرو کامنی......'' میں نے آگے بڑھ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے: ''میں مرد ذات ہوں...... اور تم......''
''یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے......'' دائی جی بول اٹھی: ''جو کچھ بھی کرنا ہے...... جلدی کرو...... ویسے تو میں نے بستی والوں کو پیغام بھجوا دیا ہے...... کاکڑی آیا تھا یہ بات بتانے کے لئے...... میں نے اسے سمجھا دیا ہے کہ بستی والوں سے کہہ دے کہ اگر وہ لوگ کسی کا معلوم کریں، تو

انہیں ہرگز نہ بتایا جائے..... میرا مطلب ہے کہ تمہارے اور کامنی کے بارے میں.....''

''یہ تم نے اچھا کیا.....'' میں نے اس کی تعریف کی: ''لیکن کیا یہ بات بستی والوں کو معلوم ہونے کے بعد ہضم ہو سکے گی.....؟''

''دائی جی نام ہے میرا.....'' اس کا انداز فخریہ تھا۔ ''ساری بستی والے کان دبا کر میرا کہا مانتے ہیں..... مجال نہیں ہے کہ وہ چوں بھی کر جائیں۔ میں نے جو کہہ دیا ہے، وہی کریں گے۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے.....'' میں نے سر ہلایا: ''تو پھر ایسا کرو کہ ہمیں یہیں کہیں پر چھپا دو.....''

''یہ..... یہ بہتر رہے گا.....'' کامنی جلدی سے بول پڑی۔

''اور اگر..... وہ پھر بھی یہاں آ گئے.....؟'' دائی جی نے اعتراض کیا۔

''دیکھا جائے گا.....'' میں نے کندھے اچکائے: ''اب اور کیا کریں..... باہر نکل کر کہاں جائیں گے.....؟ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ اب تک بستی میں داخل بھی ہو چکے ہوں.....''

''تو پھر آؤ..... جلدی کرو.....'' یہ کہہ کر دائی جی گھومی۔

دونوں کمروں سے گذرنے کے بعد اس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''اس اسٹور میں پرانا کاٹھ کباڑ جمع ہے..... اس میں چھپ کے بیٹھے رہو..... جب وہ لوگ چلے جائیں گے، تو میں آواز دے لوں گی..... جاؤ.....''

میں نے دروازہ کھولا۔ پھر کامنی کے اندر آنے کے بعد میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ دوسری طرف سے دائی جی نے بھی کنڈی چڑھا دی تھی۔ اسٹور میں گھپ اندھیرا تھا، ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہیں دے رہا تھا۔ دروازے کی درزوں سے ناکافی روشنی اندر آ رہی تھی۔ مجھے گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔

''کامنی.....!'' میں نے پکارا۔

''جی.....'' اس کی آواز قریب سے ہی آئی۔

''ہاتھ آگے بڑھاؤ.....'' میں نے کہا: ''اسی اندھیرے میں ہم ذرا آگے بڑھ کر کوئی مناسب جگہ پر بیٹھیں گے.....''

فوراً ہی اس کا ہاتھ میرے سینے سے ٹکرایا۔ میں نے اسے تھام لیا۔ پھر ہم دونوں گرتے پڑتے آگے بڑھے۔ اب آنکھیں بھی کسی حد تک دیکھنے کے قابل ہو گئی تھیں اور پھر ایک ٹوٹی پھوٹی میز

کے عقب میں بیٹھنے کی جگہ مل گئی۔

کامنی بیٹھتے ہی مجھ سے لپٹ گئی۔ میرے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ اس کی سانسوں کی آواز مجھے صاف سنائی دے رہی تھی۔ ''یہ..... یہ کیا کر رہی ہو.....؟'' میں بوکھلا اٹھا۔

''پتا نہیں.....'' اس کی آواز آئی: ''بھگوان جانے کہ پھر مجھے یہ موقع ملے..... نہ ملے..... نہ جانے کیا ہو.....؟''

''شبھ شبھ بولو.....'' میں نے کہا: ''کیوں ایسی باتیں منہ سے نکال رہی ہو.....؟''

وہ ابھی تک میری کمر سے چمٹی ہوئی تھی۔ میری بات سن کر وہ خاموش ہی رہی۔ ویسے ایک عجیب ترین بات تھی اور وہ یہ کہ کامنی نے جب سے مجھے ''بھیا'' کہا تھا، میرے دل میں اس کے لئے کوئی میل نہیں آیا تھا..... حالانکہ مجھے کتنے مواقع حاصل ہوئے تھے۔

مجھے اتنا تجربہ تو نہیں تھا، لیکن میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ بہن اور بھائی کا رشتہ، دنیا کا مقدس ترین رشتہ ہے۔ یوں تو میں بھی کوئی پاکباز انسان نہ تھا، مجھے جب بھی اور جہاں کہیں بھی موقع ملا، میں نے اپنے ہاتھ رنگ لئے۔

لیکن کامنی کا معاملہ اس کے برعکس تھا، اس کے لئے میرے دل میں کوئی کھوٹ نہ آسکا تھا۔ سوچتے سوچتے میرا ذہن کامنی کے گھر والوں کی طرف گھوم گیا، وہ لوگ بے چارے کتنے پریشان ہوں گے.....!

ہوسکتا تھا کہ ونود صاحب نے پولیس کی مدد بھی لی ہو، لیکن پولیس والوں نے کیا کیا ہوگا.....؟ بقول سردار کے، کہ پولیس بھی ان لوگوں سے ملی ہوئی تھی۔ پولیس والے تھوڑی سی تگ و دو کھائیں گے اور پھر معاملے کو ٹھنڈا کر دیں گے۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ونود صاحب نے ابھی تک کسی کو اس معاملے کی بھنک ہی نہ پڑنے دی ہو۔

میں کامنی کا سر سہلاتے ہوئے ان ہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک ہی اسٹور کا دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا گیا۔ کامنی اچھل پڑی، خود میں بھی بری طرح چونکا تھا..... ساتھ ہی میں نے دم سادھ لیا۔

پھر کسی نے کنڈی کھولی تھی اور دروازے کو دھکا دیا، لیکن وہ تو اندر سے بند تھا۔ ''دروازہ کھولو..... بھولے بادشاہ.....! کیوں بھاگے پھر رہے ہو.....؟''

ایک گونجدار آواز ہمارے کانوں سے ٹکرائی۔

☆.....☆.....☆

میں صاف طور پر کامنی کے دل کی تیز دھڑکن سن سکتا تھا۔ خود میرا بھی حال پتلا ہو چلا تھا۔ باہر یقیناً ڈاکو کھڑے تھے...... اس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے ہماری بو سونگھ ہی لی تھی اور پھر ظاہر ہے کہ دائی جی وغیرہ کی مداخلت کا کیا فائدہ ہوتا......؟ وہ لوگ بے چارے ان خونخوار درندوں کے مقابلے پر کیا مزاحمت کرتے......؟

''منہ سے کوئی آواز مت نکالنا......'' میں نے کامنی سے سرگوشی کی اور خود بھی دم سادھ لیا۔

دروازہ پھر دھڑ دھڑایا گیا۔ ساتھ ہی کسی نے کہا۔

''بادشاہو......! آجاؤ باہر...... ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے...... بڑی عزت سے سردار کے پاس لے کر جائیں گے ...... اسے تم سے کوئی کام ہے...... کھول دو دروازہ......!''

یہ جملے سن کر میں چونک اٹھا تھا۔ پھر بھی میں بے سدھ ہی رہا۔ ''یہ کیا کہہ رہا ہے ساون بھیا......!'' کامنی نے حیرت زدہ آواز میں سرگوشی کی۔

''خاموش رہو......'' میں نے اسے چپ کرا دیا۔

''ہم یہ دروازہ توڑ بھی سکتے ہیں۔'' باہر سے پھر آواز آئی۔ ''لیکن بہتر یہ ہے کہ تم دونوں خود ہی باہر آجاؤ...... سردار نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے...... ہم بھی تمہیں دوستوں ہی کی طرح یہاں سے لے کر جائیں گے۔''

یہ ان کی چال بھی ہو سکتی تھی، اس لئے میں نے اب بھی ان کے سامنے آنا مناسب نہیں سمجھا۔ ''میرا خیال ہے کہ دونوں ایسے باہر نہیں آئیں گے......'' کسی اور نے صلاح دی۔ ''اسے توڑنا ہی پڑے گا......''

''ان کے دل میں ہمارا خوف جو ہے......'' کوئی اور ہنسا: ''ارے آجاؤ ساون بھایا......! کاہے درو جا توڑنے کی محنت کرواؤ گے...... ہماری بات کا وشواس تو کرو...... ہم دوستی کا ہاتھ بڑھاوت ہیں...... تم کو کچھ ناہی کہیں گے......''

اس لہجے میں مجھے کچھ، کچھ سچائی کی جھلک محسوس ہوئی...... میں نے ایشور کا نام لیا اور کامنی کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اب میں دروازے کی طرف بڑھا، کامنی میرے پہلو بہ پہلو تھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے کنڈی کھول دی۔

دروازہ کھلا اور آٹھ، دس افراد کی شکلیں دکھائی دیں۔ چہرے تو پرانے تھے، لیکن ان کے تاثرات نئے تھے...... کم از کم ہم دونوں کے لئے۔ ان ڈاکوؤں کے چہروں پر نرماہٹ اور دوست پرست قسم کے آثار دکھائی دیئے۔ البتہ وہ سب کے سب اسلحے سے لیس تھے۔ یہ اور بات تھی کہ اس

وقت اسلحہ ان کے ہاتھوں میں بچ نہیں رہا تھا۔

''خواہ مخواہ......'' ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر دانت نکالتے ہوئے مجھے مخاطب کیا: ''تم دونوں اتنا دوڑے پھرے......ارے بھیا......! کیا فائدہ ہوا......سردار نے تو ہوش میں آتے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا......ہم لوگوں نے تم دونوں کو بہت ڈھونڈا......پھر صبح منہ اندھیرے ہمیں سردار نے اس بستی کی طرف بھیج دیا......اسے اندازہ تھا کہ تم دونوں یہاں تو مل ہی جاؤ گے......چنانچہ ہم لوگ دائی جی کے پاس چلے آئے......''

''اوہ......'' میرے منہ سے نکلا، پھر میں نے چونک کر پوچھا: ''دائی جی کہاں گئی......؟''

''برابر والے کمرے میں......'' اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا: ''ہمارا ایک ساتھی ان کے ساتھ لڈو کھیل رہا ہے۔''

میں بے ساختہ سر کھجانے لگا۔ یہ عورت بھی سمجھ سے باہر تھی......اپنی نوعیت کی الگ ہی نفسیات تھی اس کی......

''لڈو......؟'' کامنی نے بے ساختہ پوچھا۔

''ہاں......'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''ہم نے انہیں اپنی سچی سچی ساری بات بتا دی تھی، ہم لوگ جھوٹ نہیں بولتے......ضرورت ہی کیا ہے......؟ خیر......تو انہوں نے ہمیں بتا دیا کہ تم دونوں کہاں چھپے ہو......اور پھر سا گو کو اپنے کمرے میں لڈو کھیلنے کے لئے لے گئیں۔ ہماری بات سن کر وہ بہت خوش ہوئی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم لوگ ساون کمار سے دوستی کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ بڑے مزے سے بتا رہا تھا۔

''تم لوگ بھی دائی جی کو جانتے ہو......؟'' میں نے اسے بہ غور دیکھا۔

''لو......کون نہیں جانتا......'' اس نے میری کم علمی کا گویا برا مانا تھا: ''دور پرے گاؤں میں ہمارے بیوی، بچے ہیں......ہم ان ہی کو تو لے جاتے ہیں اپنی بیویوں کے پاس......جب وہ امید سے ہوتی ہیں۔''

''اوہ......'' میرے منہ سے نکلا۔ کامنی نے منہ پھیر لیا تھا۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ شرم کے مارے، یا پھر اسے ہنسی آ گئی تھی۔ بہرحال بازی نے یکدم ہی پلٹا کھایا تھا اور ماحول خوش گوار ہو گیا تھا۔ اب ہم لوگ دوسرے کمرے میں آئے، یہاں دائی جی واقعی ایک ڈاکو کے ساتھ لڈو کھیلنے میں مگن تھی۔

اب میرے لئے سب سے بڑا مسئلہ کامنی کا تھا۔ چنانچہ میں نے دائی جی کے سامنے ہی اس

کے متعلق سردار کے آدمیوں سے پوچھا۔

''اس کی تم فکر نہ کرو......''ان میں سے ایک نے مجھے بڑے خلوص سے تسلی دی:''تم سردار کی طرف روانہ ہو جاؤ......تمہارے ساتھ ایک بندہ ہوگا......ادھر ہم لوگ لڑکی کو اس کے گھر چھوڑ کر آجائیں گے۔''

میرے چہرے پر تردد کے آثار دیکھ کر وہ فوراً ہی دوبارہ گویا ہوا:''تم اپنے دل میں میل مت لاؤ......ہم اس لڑکی کو بڑی عزت کے ساتھ اس کے گھر لے کر جائیں گے......یہ ہماری ماں ہے......ہاں......''

☆......☆......☆

کامنی بڑی مشکل سے اس بات پر راضی ہو سکی تھی کہ اسے کانپور بجھوادیا جائے۔وہ میرے بغیر گھر واپس جانے کے لئے تیار ہی نہیں تھی۔لیکن میں نے موقع غنیمت جان کر اسے ہاتھ سے گنوانا ہرگز مناسب نہ سمجھا۔نہ جانے آگے کیا ہو......؟ کب ان سرپھروں (ڈاکو حضرات) کا سر پھر جائے......؟ بہتر یہی تھا کہ وہ اپنے گھر چلی جاتی۔

اس نے آنسوؤں سے لبریز ہو کر مجھے رخصت کیا تھا۔ساتھ ہی اس نے کہا تھا:

''وہاں سے آؤ تو گھر ضرور آنا ساون بھیا......! میں تمہارا انتظار کروں گی......ہاں......انتظار کروں گی......''

پھر وہ سب کے سامنے ہی مجھ سے لپٹ گئی تھی۔میں اپنے دل میں اس کے لئے ایک خانہ بنائے بغیر نہ رہ سکا،ایسا گوشہ......جو اس کی انسیت اور اپنائیت کو محسوس کر سکتا تھا،جو اس کے لمس کو محسوس کر سکتا تھا۔میں کافی دیر تک کامنی کے خلوص کا دل سے معترف ہوتا رہا۔

دوپہر ہونے سے قبل ہی میں ایک بار پھر سردار کے سامنے کھڑا تھا۔

سردار اپنے مخصوص پلنگ پر موجود تھا۔البتہ اس وقت اس کا جبڑا اور بھی زیادہ بڑا دکھائی دے رہا تھا،میرے گھونسے نے اسے متروم کر دیا تھا۔

سردار کے اردگرد اس کے چیلے بھی موجود تھے،مجھے دیکھتے ہی سردار خون خوار انداز میں اٹھ کر میری طرف بڑھا۔

''لے بھئی......آگئی شامت......''اس کا جارحانہ انداز دیکھ کر میں نے دل میں سوچا۔

لیکن پھر جو کچھ ہوا،وہ میری سوچ کے برعکس تھا،سردار میرے قریب پہنچا اور پھر پوری بتیسی نکال کر مجھے گلے سے چمٹا لیا۔

''ارے میرے دوست......!تم کہاں چلے گئے تھے؟''

میں کچھ نہ بولا......لفظ'' دوست'' نے اس وقت بڑا مزا دیا۔

بہر حال سردار میرے آگے بچھا جا رہا تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی سردار کے چیلے بھی میرا اس طرح جائزہ لے رہے تھے۔ جیسے میں دنیا کا نواں عجوبہ ہوں۔

پھر سردار نے مجھے اپنے ساتھ پلنگ پر بٹھا لیا۔ وہ خود بھی میرے پہلو سے آلگا تھا۔ پھر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی:

''مجھے ایشور کی سوگندھ ہے......کبھی زندگی میں اتنا زبردست اور بھرپور گھونسا نہیں کھایا...... اف بھگوان......!اس وقت مجھے یوں لگا تھا جیسے میں کسی پہاڑ سے ٹکرا گیا ہوں......بیڑو......! مجھے ٹھیک ٹھیک اندازہ ہے کہ تم میں کئی ہاتھیوں کی شکتی ہے......تم مہا پرش ہو......کوئی عام انسان نہیں ہو......''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے سردار......'' میں نے دھیرے سے کہا: ''وہ بس ایک اتفاق تھا...... اور کچھ نہیں......''

''مہان لوگوں کے ایسے ہی وچار ہوتے ہیں۔'' اس نے سر ہلایا۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف گھوما:

''تم لوگ کھڑے ہوئے منہ کیا دیکھ رہے ہو...... جاؤ...... جا کر بڑھیا قسم کے بھوجن کا انتظام کرو......جاؤ......''

اس کا حکم سنتے ہی سب کے سب بگٹٹ دوڑ پڑے۔ چند ہی لمحوں میں کمرہ خالی ہو گیا۔ اب وہاں صرف میں اور سردار موجود تھے۔

تنہائی ملتے ہی سردار میرا کندھا دبانے لگا، اس کا انداز خوشامدانہ تھا:

''تم ہی میرا وہ کام کر سکتے ہو گرو......!'' اس نے غور سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا: ''قسم ایشور کی......صرف تم ہی کر سکتے ہو......''

''کون سا کام......؟'' میں نے چونکتے ہوئے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

یہ سنتے ہی سردار کے چہرے پر اداسی پھیل گئی، اس کی آنکھیں نم ناک ہو گئیں:

''مت پوچھو گرو......!'' اس نے سر ہلایا: ''اس دل پر ایسا پہاڑ ٹوٹا ہے کہ بس......میرا جیون کھوکھلا ہو کر رہ گیا ہے......''

''بتاؤ بھی تو سردار......! آخر ہوا کیا ہے؟''

''پورن ماشی کی رات......'' سردار کے لہجے میں سرسراہٹ تھی: ''میرے لئے بڑی منحوس ہے...... اس رات نے مجھ سے میری بہن چھین لی...... میری پیاری بہن کرشنا مجھ سے اوجھل ہوگئی۔''

میں خاموش ہی رہا تھا۔ سردار مجھے دیکھتا رہا، پھر خود ہی دوبارہ گویا ہوا:

''میرا پریوار جس گاؤں میں رہتا ہے، وہاں کچھ عرصے سے عجیب مصیبت آئی ہوئی ہے...... کسی نہ کسی پورن ماشی کی رات کو گاؤں سے ایک جوان لڑکی غائب ہوجاتی ہے...... پھر اس کا کوئی پتا نہیں چلتا کہ اسے زمین کھا گئی یا آسمان......''

''ہر پورن ماشی کی رات کو یہیں ہوتا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں......'' سردار نے نفی میں سر ہلایا: ''اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے...... یوں سمجھ لو گرو......! کہ سال میں کم از کم دو یا تین بار ایسا ضرور ہوتا ہے اور...... آخری بار میری بہن کرشنا کے ساتھ یہی ہوا ہے...... چار ماہ پہلے ایک پورن ماشی کی رات کو وہ غائب ہوگئی۔''

کمرے میں موت کا سا سکوت طاری ہوگیا۔ کیونکہ اتنا کہہ کر سردار خاموش ہوگیا تھا۔ اب اس کی آنکھیں، آنسوؤں سے لبریز ہوکر چھلکنے لگی تھیں۔

میں چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے چادر سے اپنا چہرہ صاف کیا:

''مجھے اپنی بہن سے...... بہت محبت ہے...... بہت۔'' سردار پھر بولا: اس کی آواز رندھی ہوئی تھی: ''جب سے وہ غائب ہوئی ہے...... مجھے کسی پل چین نہیں پڑتا...... بس اپنے آپ کو سنبھالے رکھتا ہوں...... ورنہ تو......'' ''مجھے افسوس ہے سردار......!'' میں نے آہستہ سے کہا: ''لیکن...... میں اس سلسلے میں کیا کرسکوں گا......؟''

''یہ تو میں نہیں جانتا......'' سردار نے گہری نظروں سے مجھے دیکھا: ''لیکن میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ تم کچھ نہ کچھ ضرور کرلو گے...... ورنہ تو ہمارے گاؤں میں کئی سادھو آئے، گیانی آئے اور مہاراجے آئے، لیکن کوئی بھی ہمیں اس مصیبت سے نجات نہ دلا سکا۔ ہمارے گاؤں کا مکھیا، بہت اچھا انسان ہے...... اس نے شہر سے کئی لوگوں کو بلوایا، لیکن لڑکیوں کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ اور اب...... کرشنا بھی غائب ہوگئی...... آہ......!''

''اب تک کتنی لڑکیاں غائب ہوچکی ہیں......؟'' میں نے دریافت کیا۔

''مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں ہے......'' سردار نے بتایا: ''گاؤں کے مکھیا کو معلوم ہے...... دس، بارہ لڑکیاں تو ہوں گی ہی......''

''ہوں......'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں ہنکارا بھرا: ''یہ قصہ ہے تو بہت پریشان کن ہے...... آخر لڑکیاں کہاں غائب ہو جاتی ہیں......! حیرت کی بات ہے......''

''یہیں بات تو معلوم نہیں ہوتی......'' سردار نے کہا: ''چپہ چپہ چھان مارا جاتا ہے...... لیکن کچھ ہاتھ نہیں آتا...... کرشنا گئی، تو میں پاگل ہی ہو گیا تھا...... لیکن وہی ہوا...... وہ کہیں بھی نہ مل سکی......''

''میں پھر وہی بات کروں گا سردار......!'' میں اصل بات کی طرف آ گیا: ''میں بھلا اس انہونی کے لئے کیا کر سکوں گا......؟''

''یہ تو میں بھی نہیں جانتا......'' سردار نے طویل سانس لی: ''لیکن میں تمہارے گھونسے کی شکتی کو جیون بھر نہیں بھول سکتا۔''

''تمہارا گاؤں ہے کہاں......'' میں نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

اسی وقت سردار کے آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں کھانے، پینے کا سامان تھا۔

☆......☆......☆

دروازہ ونود صاحب نے کھولا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ان کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

لیکن پھر جیسے ہی ان کی نظر میرے ساتھ آنے والے پر پڑی، ان کی آنکھوں میں تشویش کے بادل امڈ آئے:

''گھبرایئے مت......'' میں نے جلدی سے کہا: ''اس وقت یہ ڈاکو ہرگز نہیں ہیں...... بلکہ آپ کے مہمان ہیں......''

میرے ساتھ آنے والے نے فوراً ہی بتیسی نکال کر سر ہلایا۔ یہ سردار تھا...... میں نے اس سے کہا تھا کہ کامنی اور اس کے گھر والوں سے ملنے کے بعد ہی میں گاؤں کا رخ کروں گا۔

سردار نے فوراً حامی بھر لی اور میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ البتہ میں نے اسے اتنا ضرور کہا تھا کہ وہ ذرا ڈھنگ کا حلیہ بنائے۔

چنانچہ اس وقت لباس کے علاوہ اس کی داڑھی اور مونچھیں بھی ڈھنگ سے ترشی ہوئی تھیں۔ کافی حد تک وہ انسان کا بچہ دکھائی دے رہا تھا۔

''اوہ...... اچھا......'' ونود صاحب نے اس کے سراپے کا لمحہ بھر میں جائزہ لیا اور جلدی سے بولے۔

''جی ہاں...... اور...... کامنی کیسی ہے......؟'' میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''بالکل ٹھیک ہے......فرسٹ کلاس......'' ونود صاحب کے لہجے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔
میں نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ''ڈاکو پارٹی'' فطرتاً شریف تھی اور اپنے عہد کی پکی بھی......

''آجاؤ ساون بیٹا......اندر آؤ......'' ونود صاحب نے راستہ دیا: ''کامنی تو جب سے آئی ہے، بس تمہارے ہی گن گا رہی ہے......وہ تمہارے لئے بہت فکرمند بھی تھی......یوں تو مجھ سمیت سب ہی تمہارے لئے پریشان تھے۔''

میں سر ہلا کر خاموش ہی رہا۔ ان کا اشارہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا، کیونکہ میں ابھی تک ڈاکوؤں کے چنگل سے نکل نہیں پایا تھا۔ کامنی مجھے دیکھتے ہی خوشی سے اچھل پڑی اور دیوانہ وار میری طرف لپکی۔

اور پھر تو سارا گھر ہی میرے آگے بچھ گیا، کامنی کی ماں، اس کی بہنیں اور خود ونود صاحب نے مجھے سر آنکھوں پر بٹھا لیا تھا۔

میرے ساتھ ساتھ سردار بھی ان کے رویئے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

تھوڑی دیر بعد کمرے میں صرف میں، سردار، کامنی اور ونود صاحب رہ گئے۔ کیونکہ میرے منع کرنے کے باوجود کامنی کی ماں اور دوسری بہنیں نت نئے پکوان تیار کرنے کے لئے رسوئی (کچن) میں جا گھسی تھی۔

ویسے کامنی اب بھی سردار کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہی تھی۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ساون بیٹا......! میں تمہارا شکریہ تو ادا نہیں کروں گا'' ونود صاحب نے مجھ سے کہا: ''کیونکہ اس بات سے غیریت کا احساس ہوگا، جبکہ تم اب اس گھر کے فرد کی طرح ہو......تمہارے لئے کسی قسم کی بھی کوئی روک ٹوک نہیں ہے، بس اتنا ضرور کہوں گا کہ تم نے ہم لوگوں کو ایک نیا جیون دیا ہے۔''

''اور کچھ کچھ مجھے بھی......'' سردار جلدی سے بولا: ''یہ اب میرے بھی گرو جی ہیں......'' ''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔'' ونود صاحب مسکرائے: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنا گورکھ دھندا بھی چھوڑ دیا ہوگا......؟''

''وہ تو میرا پیشہ ہے......'' سردار نے فوراً پینترا بدلا: ''اسے میں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔''

''سنسکار بدل جائیں تو جیون بھی بدل جاتا ہے......'' ونود صاحب کا لہجہ ٹھہرا ہوا

تھا: ''خیر...... چھوڑو...... ہاں تو ساون......! اب تم آئے ہو تو کم از کم مہینہ بھر رک کر جاؤ...... بلکہ میرا تو خیال ہے کہ اب تم یہیں رہو...... خواہ مخواہ بمبئی میں فلیٹ کا کرایہ دے رہے ہو...... ہم تمہارے اپنے ہیں...... تم یہاں رہو گے تو کوئی اچھی سی نوکری بھی مل جائے گی۔''

''آپ کی باتوں نے میرا دل بڑھا دیا۔'' میں واقعی متاثر ہوں: ''میں ایسا ہی کروں گا...... لیکن ظاہر ہے کہ اپنے جھمیلے نمٹانے کے لئے مجھے وقت درکار ہوگا۔ ویسے میں جلد سے جلد کوشش کروں گا یہاں شفٹ ہونے کی......''

کامنی خاموش بیٹھی ہوئی تھی، لیکن میری بات سن کر اس کے چہرے پر مسرت و انبساط کے تاثرات پھیل گئے تھے۔

''چلو ٹھیک ہے......'' ونود صاحب نے رضامندی ظاہر کی: ''لیکن ابھی تو تم ٹھہرو گے نا......؟''

''ابھی میں صرف کامنی کی خیریت پوچھنے آیا تھا۔'' میں نے بتایا: ''میں ایک ضروری کام کے چکر میں نکلا ہوں...... اس کام سے فارغ ہوتے ہی میں دوبارہ آؤں گا...... بہت جلد...... بھگوان نے چاہا تو......!''

☆......☆......☆

جس وقت ہم دونوں گاؤں پہنچے، تو سورج دیوتا اپنی تمازت کھو چکا تھا۔

یہ گاؤں درمیانے رقبے پر واقع تھا، اس کے چاروں طرف لہلہاتے ہوئے کھیت تھے۔ زیادہ تر مکان پکے بنے ہوئے تھے، لال اینٹوں سے بنے ہوئے ان مکانوں میں بجلی کا بھی معقول انتظام تھا۔

یہاں مجھے بیل گاڑیوں کے علاوہ آٹو رکشہ وغیرہ بھی دکھائی دیئے۔

گاؤں میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے جو سوال میرے ذہن میں ابھرا، وہ میں نے فوراً ہی سردار سے کر ڈالا:

''ریل گاڑیاں تو تم لوٹ لیتے ہو اور اس گاؤں میں رہتے ہو......؟''

''کیوں...... اس گاؤں میں کیا برائی ہے؟'' سردار کا لہجہ سادہ سا تھا: ''تم اپنی جنم بھومی اتنی آسانی سے چھوڑ دو گے......؟ میں نے کئی بار سوچا ہے، کہ شہر میں کوئی اچھا سا مکان ہے کہ وہیں آباد ہو جاؤں...... لیکن پھر ٹال جاتا ہوں......''

''کیا یہاں سب کو معلوم ہے کہ تم ڈاکوؤں کے سردار ہو......؟'' میں نے آہستہ سے پوچھا۔

اس سوال پر اس نے مجھے گھور کر دیکھا، جیسے اسے میں نے کوئی گالی دے دی ہو:
''کیسی بات کر رہے ہو گرو......! یہ بات کسی کو نہیں معلوم، یہاں تک کہ میری پتنی کو بھی نہیں......سب یہیں سمجھتے ہیں کہ میں کانپور میں ایک ساہوکار کا منشی ہوں......''
میں بے ساختہ ہنس پڑا۔ پھر سردار مجھے اپنے گھر لے آیا۔
یہ وہ مکان تھا، جس میں ضرورت کی ہر شے موجود تھی، میں سردار کی بیوی سے بھی ملا، اس کا نام ریکھا تھا، وہ بڑی سیدھی سادی اور گھر گرہستی والی عورت تھی، کم گو بھی تھی، اس کے باوجود اس کے ہونٹوں پر ایک ٹھنڈی اور دھیمی سی مسکراہٹ ہر وقت موجود رہتی۔ ان دونوں کے ہاں ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔
سردار نے اپنے دوست کی حیثیت سے میرا متعارف کروایا تھا۔ ریکھا نے بڑے ادب سے مجھے پرنام کیا۔
وہ کھانا بھی بہت عمدہ بناتی تھی۔ رات کے کھانے کے بعد سردار نے ریکھا کی غیر موجودگی میں مجھ سے کہا:
''اب تو سو رہو......کل دن میں تمہیں وہ جگہ دکھا دوں گا، جہاں سے میری بہن کرشنا غائب ہوئی تھی، تاکہ تم اپنے کام کا آغاز کر سکو......''
''کیا ساری لڑکیاں ادھر سے ہی غائب ہوئی ہیں......'' میں نے پوچھا۔
''مجھے تو صرف اپنی بہن کا معلوم ہے......'' سردار نے کہا: ''یہ سب کچھ تمہیں گاؤں کا مکھیا بتائے گا......وہ بھی بہت فکر مند رہتا ہے اس مسئلے کے لئے......میں کل تمہیں اس سے بھی ملا دوں گا......''
میں نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

☆......☆......☆
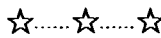
دوسرے دن صبح ناشتے کے بعد سردار مجھے گھر سے باہر لے آیا۔
یہ حقیقت ہے کہ گاؤں کی صبح، شہر کے مقابلے میں کہیں زیادہ دلکش، صحت افزاء اور مسحور کن ہوتی ہے۔ شاید یہ میرا احساس تھا، یا پھر واقعی آلودگی نہ ہونے کی بناء پر ماحول صاف ستھرا اور نکھرا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔
رہی سہی کسر اس ہریالی نے پوری کر دی تھی، جو کسی قالین کی طرح دور تک بچھی ہوئی تھی۔ میٹھے سروں میں بولنے والے پرندے چہچہا رہے تھے۔ اس نئی صبح کی ٹھنڈک مجھے اپنی سانسوں میں

اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔

میں سردار کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔ شاید سارا گاؤں جاگ چکا تھا۔ کیونکہ یہاں کافی گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔

اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ سردار کا نام امر ناتھ تھا اور گاؤں میں اس کی کافی عزت تھی، کیونکہ راستے میں جو شخص بھی ملا، بڑے تپاک سے ملا۔

یہاں تک کہ ایک بڑے میاں، جو کہ کاندھے پر بوری اٹھائے سامنے سے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے بوری زمین پر رکھی اور امر ناتھ کے ساتھ ساتھ میری بھی خیریت معلوم کی۔

ذرا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں پوچھ ہی بیٹھا:

''سردار......! کیا بات ہے......گاؤں والے تمہاری بڑی عزت کرتے ہیں......؟''

''کیوں نہ کریں گے!'' اس کا لہجہ فاخرانہ تھا: ''ان لوگوں کو یہی معلوم ہے کہ میری شہر میں بڑی اچھی نوکری لگی ہوئی ہے......شہر میں رہنے والوں کی یہ لوگ ویسے ہی بہت عزت کرتے ہیں......اور ہاں......تم مجھے سردار مت بولا کرو گرو......! امر ناتھ......بلکہ امر ہی کہا کرو......''

''واقعی......تم ٹھیک کہتے ہو......اب خیال رکھوں گا......'' میں نے سر ہلایا۔

امر ناتھ خوش دلی سے مسکرا دیا۔

''امر ناتھ......ایک بات پوچھوں......؟'' مجھے چلتے چلتے پھر ایک خیال آیا۔

''ہاں......پوچھو گرو......؟''

''تم نے اب تک کتنی ناریوں کے ساتھ بلدکار کیا ہے......؟......میرا مطلب ہے کہ زور زبردستی سے......

اس نے چونکتے ہوئے انداز میں مجھے گھورا، پھر اس نے میری طرف سے نظریں پھیرتے ہوئے کہا:

''یاد تو نہیں......لیکن اب میں یہ کام نہیں کرتا......بہت پہلے میں یہ کام چھوڑ چکا ہوں......تمہارے ساتھ جو لڑکی تھی، اس کے چکر میں، میں نے مونگے کو بھی ڈانٹ پلائی تھی۔''

''یہ مونگا کون ہے......؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جس نے ریل گاڑی میں اس لڑکی سے بدتمیزی کی تھی......میں اس سے خود جیل میں ملنے کے لئے گیا تھا۔''

''لیکن تم نے تو خود اس لڑکی کی عزت کا تماشہ لگا دیا تھا......'' میں نے تیکھے انداز میں کہا۔

''وہ تو بس یونہی...... میں تو تمہیں آزمارہا تھا گرو......!'' وہ ہنس کر بولا۔

''تمہارے وہ ساتھی اب بھی جیل میں بند ہیں......؟'' میں نے موضوع بدلا۔

''ہاں...... آجائیں گے باہر......'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں ایک ایسی جگہ کھڑے تھے، جہاں چاروں طرف گھنے درخت تھے اور درمیان میں کافی کھلی جگہ پر ایک چوڑا سا پتھر رکھا ہوا تھا، یہ پتھر ایسا تھا کہ کم از کم دو افراد آرام سے اس پر بیٹھ سکتے تھے۔

''وہ...... یہاں آئی تھی......'' امرناتھ نے کھوئے کھوئے انداز میں مجھے مخاطب کیا: ''ہاں...... کرشنا یہاں آئی تھی......!''

''تمہارا مطلب ہے کہ تمہاری بہن یہاں آئی تھی......؟'' میں نے جلدی سے پوچھا۔

''ہاں......''

''کیا وہ بتا کر آئی تھی؟''

''نہیں...... اگر وہ بتاتی، تو کیا رات گئے میں اسے یہاں آنے دیتا......؟''

''ہوں......'' میں نے ہنکارا بھرا: ''تو پھر...... تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ یہاں آئی تھی؟''

''اس کے جوتے یہاں ملے تھے...... وہ بھی ایسے کہ ایک الٹا تھا اور ایک سیدھا...... آہ...... میری بہن کرشنا......!''

☆......☆......☆

گاؤں کے مکھیا کا نام نارائن تھا، اس کی حویلی کافی شان دار تھی۔ یہ شاید اسے اپنے باپ دادا سے ورثے میں ملی تھی۔ کیونکہ اس حویلی کی ساخت بتا رہی تھی کہ وہ بہت پرانی بنی ہوئی تھی۔

''اتنی بڑی حویلی میں نارائن اپنے ملازموں کے ساتھ تنہا رہتا تھا۔ اس نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ حالانکہ اس کی عمر 35 سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ گاؤں والوں سے بہت مخلص تھا۔ کسی قسم کا بھی مسئلہ درپیش ہو، وہ گاؤں والوں کی معاونت ضرور کرتا تھا...... بھلا آدمی تھا۔ یہ سب باتیں مجھے امرناتھ نے راستے میں بتائی تھیں۔

حویلی اپنی سادگی کے باوجود بڑی رعونت سے کھڑی تھی...... اس کی مضبوط دیواریں، اس بات کی غماز تھیں کہ انہیں اپنے دور میں بڑی شان و شوکت سے بنایا گیا تھا۔

یہ انگریزوں کا دیا ہوا تحفہ تھا، جنہوں نے ایسٹ انڈیا پر قبضہ جمالیا تھا اور وہ اپنے حامیوں اور خدمت گاروں کو انعام دیتے تھے۔

ملازم نے ہمیں مہمان خانے میں پہنچا دیا۔ یہ کمرہ بھی کافی سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ میں اور امرناتھ سامنے رکھے ہوئے صوفوں پر براجمان ہو گئے۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ اب یہاں ہمیں انتظار کرنا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہمیں شربت پیش کیا گیا۔ یہ بھی گاؤں کے مکھیا کی اعلیٰ ظرفی کا نمونہ تھا۔

میں اور امرناتھ شربت پیتے ہوئے دھیمے لہجے میں ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر گذری ہوگی کہ دو افراد کمرے میں داخل ہوئے۔ امرناتھ فوراً ہی اٹھا، میں نے بھی اس کی تقلید کی۔

دونوں میں سے جو شخص آگے تھا، میں نے اندازہ لگایا کہ وہی شخص گاؤں کا مکھیا ہوگا۔ اس کا جسم متناسب تھا، دھوتی اور کرتا پہنے ہوئے تھا۔ اس کے سر پر قلفی پگڑ بھی موجود تھی، اس کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ تھی۔

امرناتھ کے ساتھ ساتھ میں نے بھی نمستے کے لئے ہاتھ جوڑے۔ اس نے مزید خوش دلی سے مسکراتے ہوئے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

پھر وہ خود بھی ہمارے سامنے والی ایک شاہانہ قسم کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس وقت میری نظر اس آدمی پر پڑی جواب تک گاؤں کے مکھیا کے عقب میں تھا۔

وہ خود بڑے غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا، یہ بات میں نے اسی وقت نوٹ کی۔ اپنے حلیے سے وہ ملازم ہی لگتا تھا۔ سادہ سا لباس تھا اس کا......!

وہ جسمانی طور پر کافی دبلا پتلا سا تھا، سانولی رنگت کا مالک تھا، البتہ اس کی آنکھوں میں کچھ عجیب سی بات تھی، پیلی زرد سی آنکھوں میں ایک وحشت زدہ سی ویرانی دکھائی دے رہی تھی۔

پہلی ہی نظر میں مجھے وہ کوئی اچھا آدمی نہیں لگا۔ وہ خاموش کھڑا ہوا مجھے ہی گھورے جا رہا تھا۔

ادھر گاؤں کا مکھیا نارائن، امرناتھ سے حال چال دریافت کر رہا تھا۔ دفعتاً اس سانولے آدمی نے جھک کر آہستہ سے نارائن سے کہا:

''میں شام میں آؤں گا مکھیا جی......!''

''نارائن فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا:

''شام میں...... کیوں......؟''

''تھوڑا کام ہے......'' اس نے آہستہ سے جواب دیا: ''اب میں چلتا ہوں......''

''اچھا...... ٹھیک ہے......'' مکھیا نے سر ہلایا۔

سانولے آدمی نے ایک بار پھر مجھے دیکھا اور مڑ کر قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے نکلتا چلا گیا۔
اس کے جانے کے بعد مکھیا نے ہم دونوں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا:
''کیسے آنا ہوا امر......! سب خیریت تو ہے نا......! کیا ہوا......؟ کرشنا کی کوئی خیرخبر ملی......؟''
''نہیں مکھیا جی......'' امرناتھ نے طویل سانس لے کر کہا: ''نہ معلوم وہ کہاں ہے......ابھی تک میں صرف اس کے لئے پریشان ہوں...... مجھے چین نہیں پڑتا...... کسی پل......''
''ٹھیک کہتے ہو......'' مکھیا نے سر ہلایا: ''یہ دکھ ہی ایسا ہے...... میں نے بھی بہت کوشش کی......لیکن بھگوان جانے کیا بات ہے......!اس گاؤں سے جو لڑکی بھی غائب ہوئی ہے......اس کا اب تک کوئی پتا نہیں چل سکا......''
''مجھے معلوم ہے مکھیا جی......'' امرناتھ نے سر ہلایا: ''آپ نے کرشنا کے سلسلے میں بھی بڑی جان لڑائی تھی......آپ سارے گاؤں والوں کا دھیان رکھتے ہیں...... کسی کو آپ سے کوئی شکایت نہیں......آپ تو بھگوان کا دوسرا روپ ہیں......''
''ان باتوں کو تو رہنے دو......'' نارائن نے انکسار سے کام لیا، پھر میری طرف دیکھ کر بولا: ''یہ کون صاحب ہیں......؟اپنے گاؤں کے تو ہرگز نہیں لگتے......''
''آپ کا خیال ٹھیک ہے......'' امرناتھ مسکرایا: یہ کانپور سے آئے ہیں...... بڑے علم والے ہیں......میں نے کرشنا کا پتا لگانے کے لئے انہیں یہاں بلایا ہے......اور ہوسکتا ہے کہ باقی کی کھوئی ہوئی لڑکیاں بھی مل جائیں......''
''اوہ......اچھا......'' اب نارائن نے غور سے میری طرف دیکھا: ''لیکن بھئی......لگتا تو نہیں ہے کہ انہیں اس قسم کی کوئی مہارت ہے......؟ میرا مطلب ہے کہ نہ تو یہ کوئی سادھو مہاراج لگ رہے ہیں......اور نہ کوئی گیانی......''
''یہ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے مکھیا جی......'' امرناتھ میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔
میں اب تک خاموش ہی تھا۔
''نام کیا ہے آپ کا سوامی......؟'' مکھیا نے براہ راست مجھ سے پوچھا۔
''ساون کمار شرما......'' میں نے جواب دیا۔
''بہت بھلا نام ہے......'' مکھیا نے سر ہلایا: ''آپ اس سلسلے میں کیا کرسکیں گے......؟ میں نے تو شہر کے مشہور سادھوؤں کو بھی بلایا تھا، لیکن وہ بھی ناکام رہے......!''

''انسان اپنی سی کوشش تو کر سکتا ہے......'' میں نے آہستہ سے کہا: ''باقی معاملہ تو بھگوان کے ہاتھ ہے......''

''یہ تو ہے......'' مکھیا بولا: ''اس گھمبیرتا نے سارے گاؤں کو پریشان کر رکھا ہے......اب تو ہر پورن ماشی کی رات سارے گاؤں والے خوف اور ڈر سے گذارتے ہیں اور جاگ کر بھگوان سے سلامتی کی پرارتھنا کرتے ہیں......''

''کیا ہر پورن ماشی کی رات کو لڑکیاں غائب ہوتی ہیں......؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں ......'' مکھیا نے نفی میں سر ہلایا: ''ایسا نہیں ہوتا...... ہر پورن ماشی کی رات کو لڑکی غائب نہیں ہوتی...... کبھی دو مہینے بعد اور کبھی چار، چار مہینے گذر جاتے ہیں......لیکن ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوتا......مطلب یہ ہے کہ کوئی رات مخصوص نہیں ہے......''

''کیا لڑکی اپنے گھر سے غائب ہوتی ہے......؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں......اور یہ بھی بڑی عجیب اور دہشت ناک بات ہے......'' مکھیا آگے جھک آیا، اس کے انداز میں سرسراہٹ سی تھی: ''جس لڑکی کو غائب ہونا ہوتا ہے......وہ خود بہ خود گھر سے نکل آتی ہے......اور پھر......اس کا کہیں نشان نہیں ملتا......

البتہ اس کی صرف ایک چیز ملتی ہے......صرف ایک چیز......!''

''اور وہ کیا......؟'' میں نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا۔

''اس کی پہنی ہوئی جوتوں کی جوڑی......اور بس......!''

چند لمحوں تک کمرے پر موت کا سا سناٹا طاری رہا تھا۔ پھر امرناتھ کی آواز نے خاموشی کا پردہ چاک کیا:

''میری بہن کرشنا کا بھی صرف...... جوتوں کا جوڑا ہی ملا تھا......آہ......!''

''میں تمہارے دکھ میں برابر کا شریک ہوں امر......!'' مکھیا نے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا: ''بھگوان کرے اب کی بار دشمن کا پتا لگ جائے...... میں اسے ایسی سزا دلواؤں گا کہ اس کی آنے والی نسلیں بھی یاد رکھیں گی......ہاں......''

''بھگوان کرے ایسا ہی ہو......'' امرناتھ کی آواز میں کرب تھا: ''اور مجھے میری بہن زندہ سلامت مل جائے......''

''میں تو چاہتا ہوں کہ گمشدہ ہونے والی ساری ناریاں بازیاب ہو جائیں......سب ہی کے گھر والے کرب میں ہیں......کشٹ میں ہیں......'' مکھیا نے کہا۔

''اب تک کتنی لڑکیاں غائب ہو چکی ہیں......؟''میں نے پھر سوال کیا۔

''آپ کا تعلق پولیس سے تو نہیں ہے سوامی جی......؟'' کھیا نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے پوچھا۔

''ارے نہیں......''میں دھیرے سے ہنسا:''دراصل میرے کام کرنے کا اپنا ایک انداز ہے......''

میں بڑبڑایا پھر میں نے چونک کر پوچھا:''ایک بات پوچھوں کھیا جی......اگر آپ برا نہ مانیں......''

''ایسی کیا بات ہے......ضرور پوچھیئے......'' وہ فراخ دلی سے مسکرا کر بولا۔

ساتھ ہی اس نے بلند آواز سے صدا لگائی:

''رامو......!رامو......!''

فوراً ہی ایک ملازم دروازے میں نمودار ہوا:

''جی......صاحب جی......؟''

''چائے وغیرہ لاؤ بھئی......آلو کی پوری اور......سموسے بھی......'' کھیا نے ہانک لگائی۔

''رہنے دیجئے جناب......''میں جلدی سے بولا:''ابھی ابھی تو ہم نے شربت پیا ہے......''

''وہ تو صرف شربت تھا......یعنی پانی......'' کھیا مسکرایا۔

ملازم فوراً ہی وہاں سے ہٹ چکا تھا۔

''ہاں......اب بتایئے......''اب کھیا میری طرف متوجہ ہوا:''آپ کیا پوچھ رہے تھے......؟''

''وہ آدمی کون تھا......؟ جو ابھی کچھ دیر پہلے آپ کے ساتھ تھا......؟''میں نے اسے بہ غور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میری بات سن کر وہ چونکا، پھر فوراً ہی حیرت زدہ انداز میں کہنے لگا:

''کیوں......؟ کیا ہوا......؟ کیا آپ اسے جانتے ہیں......؟''

''جی نہیں......میں نے یونہی پوچھا تھا......''

''اوہ......''اس نے ایک طویل سانس لی:''دراصل شہر میں بھی میرا کاروبار ہے......اور اس کی دیکھ بھال کا کام میں نے گوشی کے سپرد کر رکھا ہے......اس کا نام گوشی ہے......اعتماد والا آدمی ہے......وفادار بھی ہے......''

''ہوں......اچھا......تو یہ بات ہے......''میں نے سر ہلایا۔

''ہاں......اور وہ رہتا بھی ایک قریبی گاؤں میں ہے......شہر سے میرے پاس آتا ہے تو اس بہانے اپنے گاؤں بھی ہو آتا ہے......'' اس نے بتایا: ''لیکن آپ اس کا کیوں پوچھ رہے......؟''

''یونہی......'' میں نے بات ٹالی: ''مجھے اس کا چہرہ کچھ دیکھا بھالا سا محسوس ہوا تھا......''

''اچھا......شہر میں ہی دیکھا ہوگا......'' مکھیا نے سر ہلایا۔

پھر ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس دوران ملازم چائے کی ٹرالی لے آیا تھا......ہم لوگوں نے چائے وغیرہ پی، پھر میں نے مکھیا سے پوچھا:

''اب پورن ماشی کی رات کب آئے گی......؟ کچھ اندازہ ہے آپ کو......؟''

''آپ اس گاؤں میں آئے ہیں سوامی جی......اور اتفاق کی بات ہے کہ اسی بدھوار کو پورن ماشی کی رات ہوگی......اور میرا خیال ہے کہ......اب کے یہ وہی رات ہوگی، جس میں ہمارے گاؤں کی ایک ناری غائب ہو جاتی ہے......!''

☆......☆......☆

حقیقت تو یہ تھی کہ اس تمام معاملے میں میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے......یا میں کیا کر سکتا ہوں......! امرناتھ نے مجھے اس معاملے میں گھسیٹ تو لیا تھا، لیکن عمل کی راہ میرے لئے قطعی اندھیرے میں تھی۔

پھر بھی میں ان لڑکیوں کے گھر والوں سے ملا، جو کہ پورن ماشی کی رات کو غائب ہوئی تھیں، یہاں ایک نئی بات معلوم ہوئی۔

نام تو ان کا دلبر سنگھ تھا، لیکن گاؤں والے انہیں دادو کہتے تھے، وہ کافی ضعیف تھے، لیکن اس کے باوجود ان کا جسم توانا تھا اور آنکھیں روشن تھیں، ان کے گھر سے ان کی پوتی غائب ہوئی تھی۔

وہ اب بھی اس کے لئے بہت دکھی تھے۔ میرے استفسار پر ان کی آنکھوں میں نمی عود کر آئی:

''رنجنا......دن بھر شور مچاتی تھی......خوب ہلہ گلہ کر کے رکھتی تھی گھر میں رنجنا......چڑیوں کی طرح چہکا کرتی تھی......لیکن......جب سے وہ گئی ہے، میرا گھر کسی شمشان گھاٹ کی طرح ویران ہے......''

میں خاموشی سے ان کے جذبات کو دل میں محسوس کر رہا تھا، باتیں کرتے کرتے اچانک ہی ان کے چہرے پر جوش کی کیفیت طاری ہوگئی:

''لیکن میں......اسے چھوڑوں گا نہیں......جو میری بچی کو اٹھا لے گیا ہے......اس راکھشس کی ایک نشانی میرے پاس ہے......''

''نشانی......!''میں چونکا۔

''ہاں......نشانی......''دادو نے سوچ میں گم انداز میں کہا:''لیکن اس نشانی کو میں نے بہت سنبھال کر رکھا ہوا ہے، ابھی تک میں نے اس کے بارے میں کسی کو بھی نہیں بتایا......لیکن نہ جانے کیوں میرا دل مجھے اکسا رہا ہے کہ میں تمہیں اس سے آگاہ کردوں......''

''یہ آپ کا مجھ پر احسان ہوگا کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا......''میں صرف اتنا ہی کہہ سکا

''نہیں......یہ احسان نہیں......یہ بس......میرے دل کی پکار ہے......تم اندر آؤ......میں تمہیں وہ نشانی دکھاؤں......''

دادو مجھے اندر لے آئے، پھر انہوں نے مجھے ایک کمرے میں بٹھایا اور کہیں چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد ان کی واپسی ہوئی تو ان کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی، جسے لال رنگ کے کپڑے میں لپیٹا گیا تھا۔

''یہ ہے وہ نشانی......''یہ کہہ کر انہوں نے کپڑے کو میرے نزدیک کر دیا۔

ساتھ ہی انہوں نے تہہ کھولی، اس کپڑے میں خنجر رکھا ہوا تھا۔ میں نے وہ خنجر اٹھالیا، یہ خنجر قدیم اور کافی پرانا دکھائی دیتا تھا۔

اس کا دستہ شاید ہاتھی دانت سے بنا ہوا تھا، دستے پر کام بھی بنا ہوا تھا۔

جیسے ہی خنجر کے دستے کو میں نے غور سے دیکھا، میں چونک اٹھا۔

اس پر شیطان کی تصویر کندہ تھی۔

دادو میری طرف دیکھ رہے تھے، پھر ان کے ہونٹ ہلے:''یہ خنجر اسی دن مجھے اپنے گھر کے آنگن سے ملا ہے کہ جس رات رنجنا غائب ہوئی تھی، میں نے اسے اٹھالیا اور اپنے پاس چھپالیا......پھر میں نے اپنی زبان بند ہی رکھی......کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اگر میں نے گاؤں کے مکھیا کو یا کسی اور کو اس کے بارے میں بتادیا، تو اس راکھشس کی یہ نشانی مجھ سے چھن جائے گی......ل......اب میں اسے خود ڈھونڈ رہا ہوں......کبھی نہ کبھی تو وہ مجھے مل ہی جائے گا......آہ......نہ جانے رنجنا کس حال میں ہوگی......''

''گاؤں کے مکھیا کو بھی اس مصیبت کی فکر ہے......''میں نے کہا:''وہ بے چارے تو خود بھی اس معاملے سے پریشان ہیں......''

''خاک پریشان ہوگا وہ......''دادو کا چہرہ بگڑ گیا:''فکر صرف اسے ہوتی ہے، جس کے دل کا

ٹکڑا غائب ہوتا ہے......درد اسے ہوتا ہے، جس کے شریر کا کوئی حصہ کٹ جائے......وہ بھلا کیوں پریشان ہوگا......!اس کا نہ آگے کوئی اور نہ پیچھے......ہونہہ......''

کسی حد تک یہ بات درست ہی تھی، میری معلومات کے مطابق گاؤں کا مکھیا نارائن اپنی حویلی میں تنہا ہی رہتا تھا۔لیکن تنہا شخص بھی تو ہمدردی کا جذبہ رکھ سکتا ہے......!

ادھر دادو کہتے رہے:

''رنجنا سمیت نہ جانے اب تک کتنی معصوم ناریاں اس راکھشس کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں......اب تک اس مکھیا نے کیا کیا......؟ کوئی کسی کے لئے کچھ نہیں کرتا بابو......کوئی کسی کے لئے کچھ نہیں کرتا......میں اسے ڈھونڈ رہا ہوں اور ڈھونڈتا رہوں گا......ابھی میرے بازوؤں میں اتنی شکتی موجود ہے کہ یہ کسی کا نرخرہ دبا سکیں......''

☆......☆......☆

جب میں سردار امرناتھ کے گھر پہنچا، تو سورج غروب ہونے والا تھا۔

اس دوران میں، میں نے تقریباً پورے گاؤں کا چکر لگا لیا تھا۔لیکن کوئی بات ایسی نہ معلوم ہوسکی، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا کہ غائب ہونے والی لڑکیوں کا یہ پراسرار سلسلہ آخر ہے کیا......!

وہ خنجر مجھے دکھانے کے بعد دادو نے دوبارہ اپنے ہی پاس سنبھال کر رکھ لیا تھا۔میری شکل دیکھتے ہی امرناتھ نے پوچھا:

''گرو......!کہو......کچھ معلوم ہوا......؟''

میں نے اسے گھور کر دیکھا:

''اتنی جلدی کیا معلوم ہوسکے گا......؟ میں تمہاری نظر میں گرو ہوں......لیکن یہ سچ ہے کہ میں ایک عام سا انسان ہوں......''

''یہ تو تم کہہ رہے ہونا گرو......'' وہ دھیرے سے مسکرایا:''میرے دل سے پوچھو......تم کیا جانو کہ اس دل میں تمہاری کیا قدر ہے......گرو......!''

''اچھا چھوڑو ان باتوں کو......'' میں نے موضوع بدلا:''اب تم یہ بتاؤ کہ تمہاری بہن جس رات غائب ہوئی، وہ گھر میں تھی......یا باہر......؟''

''وہ......گھر میں تھی......وہ بھلا کہاں جائے گی......''امرناتھ نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

''ہوں......لیکن اس کے جوتے......؟''میں نے اعتراض کیا۔

''جوتے تو سب ہی کے وہیں سے ملتے ہیں..... میرا خیال ہے کہ کسی طرح کرشنا کو گھر سے نکالا گیا تھا..... کس طرح.....؟ یہ میری سمجھ میں آج تک نہیں آسکا..... ہوسکتا ہے کہ منتر وغیرہ سے یہ کام کیا جاتا ہو.....'' امرناتھ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، بڑے پتے کی بات کی تھی اس نے..... یہ ہو بھی سکتا تھا.....!

مجھے یاد پڑ رہا تھا کہ گاؤں کے مکھیا نارائن نے بھی کچھ اسی قسم کا خیال ظاہر کیا تھا۔

ہم دونوں ابھی بیٹھے ہوئے باتیں کر ہی رہے تھے کہ مکھیا کا ملازم آ گیا، اس نے مکھیا کا پیغام مجھے دیا:

''مکھیا جی آپ کو بلا رہے ہیں..... ان کا کہنا ہے کہ رات کا بھوجن آپ ان کے ساتھ کریں.....''

''مجھے بلا رہے ہیں.....'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''جی ہاں.....'' ملازم نے کہا: ''صبح سویرے وہ شکار پر روانہ ہو جائیں گے..... ہرن کے شکار پر.....''

''لیکن وہ مجھے کیوں بلا رہے ہیں.....؟''

''یہ تو وہی جانیں..... ہو گی کوئی بات.....''

''اچھا..... تم جاؤ..... میں آتا ہوں.....''

''ساتھ ہی چلیے..... کہیں آپ راستہ نہ بھول جائیں..... اندھیرا پھیل رہا ہے.....'' ملازم نے کہا۔

میں نے امرناتھ کی طرف دیکھا اور اس کا اشارہ ملنے پر میں نے ایک طویل سانس لی اور اٹھ کھڑا ہوا:

''چلو..... میں ساتھ چل رہا ہوں.....''

☆.....☆.....☆

مکھیا مجھ سے بہت لپک کر ملا تھا، یوں تو وہ پہلے ہی بہت نرم مزاج تھا، لیکن اس وقت تو گویا وہ میرے آگے بچھا جا رہا تھا۔

اس کے اس رویے پر میں تھوڑا بہت حیران بھی ہوا تھا۔

''مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا سوامی جی.....!'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا......!!''میں نے چونک کر پوچھا۔
''ارے.....آپ دن چڑھے سے جو دوڑ دھوپ کر رہے ہیں.....''اس نے میرا کندھا تھام لیا:''مجھے پوری امید ہے کہ آپ ضرور ان ناریوں والے معاملے کی تہہ تک پہنچ جائیں گے.....میرا جی آپ سے بہت خوش ہوا ہے.....میرے گھر کے دروازے آپ کے لئے ہر وقت کھلے ہوئے ہیں.....میرے لائق کوئی بھی کام ہو.....خواہ کسی وقت بھی ہو، میں حاضر ہوں.....''
''بہت بہت شکریہ آپ کا.....''میں بس اتنا ہی کہہ سکا تھا۔
اسی وقت ملازم نے آ کر کھانے کی اطلاع دی:
''چلیے.....بھوجن تیار ہے.....''مکھیا نے اٹھتے ہوئے کہا۔
کھانے کی میز پر بھی کافی باتیں ہوئیں، میں نے مکھیا سے وہ سوال کر ہی ڈالا، جو کافی دیر سے میرے ذہن میں مچل رہا تھا:
''مکھیا جی.....! آپ اتنی بڑی حویلی میں تن تنہا رہتے ہیں!''
''میں تنہا کہاں ہوں.....؟''اس نے جواب دیا:''اتنے سارے ملازم تو ہیں میرے ساتھ.....!''
''آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی.....؟''میں نے پوچھا۔
چند لمحوں تک وہ خاموش رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ کہیں وہ برا نہ مان گیا ہو۔ لیکن پھر فوراً ہی ایک افسردہ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر عود کر آئی:
''شادی.....!''اس کا انداز بڑبڑاہٹ لئے ہوئے تھا:''کتنا سندر شبدھ ہے یہ.....لیکن.....میرے لئے یہ سندر نہیں ہے.....جس ناری کو میں نے چاہا.....جس کی پوجا کی.....اس نے میرا اپمان کیا اور وہ کسی اور کی ہو گئی.....بس.....اسی دن میں نے یہ سوچ لیا کہ اب جیون بھر کسی سے ویواہ نہ کروں گا.....اور میں اب تک اپنی اس پرم پرا پر قائم ہوں۔''
''ناریوں کی تو کوئی کمی نہیں ہے مکھیا جی.....!''میں نے کہا:''اور خاص طور پر آپ کے لئے.....کس چیز کی کمی ہے آپ کے پاس.....؟''
میرے آخری سوال پر نہ جانے کیوں لمحہ بھر کے لئے اس کا چہرہ تاریک سا ہو گیا۔ اس کا رنگ ہی بدل گیا تھا۔ فوراً ہی اس نے پہلو بدل کر کہا:
''چھوڑیئے سوامی جی.....! اس تذکرے کو رہنے دیجئے.....ہاں.....میں نے آپ کو اس لئے بلایا تھا کہ کل صبح میں شکار پر جا رہا ہوں.....کیا آپ چلیں گے میرے ساتھ.....ذرا تفریح

رہے گی......''

''شکار پر......؟''

''جی ہاں...... ہرن کا شکار...... یہاں سے قدرے پرے جنگل ہے......اس جنگل میں ہرن بکثرت موجود ہیں، اس جنگل کی یہ خوبی ہے کہ وہاں درندے نہیں ہیں۔ ہم وہاں ہرن کا شکار کریں گے اور وہیں بھون کر کھائیں گے......''

''لیکن میں تو......''

''جی...... میں جانتا ہوں کہ آپ کس سلسلے میں یہاں آئے ہیں۔'' اس نے میری بات کاٹی: ''لیکن وہ معاملہ اپنی جگہ پر ہے، بھگوان جانتا ہے کہ آپ کے ساتھ دو گھڑی رہنا بہت بھلا معلوم ہوگا...... آپ سے مل کر دل کو شانتی سی ملتی ہے...... ہم لوگ صبح تڑکے یہاں سے نکلیں گے اور سورج غروب ہوتے ہی واپس آ جائیں گے۔''

میں نے بہت منع کیا، لیکن اور کھیا مصر رہا، آخر مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ میرے منہ سے ''ہاں'' کا لفظ سنتے ہی اس کی باچھیں کھل گئیں، اس نے کہا:

''بس تو پھر طے رہا کہ آپ آج کی رات یہیں گزاریں گے...... میں ابھی امرناتھ کے پاس پیغام بھجوا دیتا ہوں...... ورنہ وہ آپ کا انتظار کرے گا......''

☆......☆......☆

وہ رات، حویلی کے ہی ایک کمرے میں گذری تھی، جہاں آرام دہ بستر موجود تھا۔

سونے سے قبل نارائن کافی دیر تک میرے ساتھ رہا، اس کی باتیں کافی دلچسپ تھیں، وہ شکار کا بے حد رسیا تھا۔ زیادہ تر وہ شکار ہی کے حوالے سے گفتگو کرتا رہا۔

ابھی اندھیرا ہی پھیلا ہوا تھا کہ ایک ملازم نے مجھے نیند سے جگا دیا۔

''اٹھ جائیے صاحب...... کھیا جی ناشتے کی میز پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

میں نے بستر چھوڑ دیا۔ باتھ روم میں غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد میں کافی حد تک تازہ دم ہو چکا تھا، گو کہ نیند کا خمار اب بھی تھا۔

ناشتے کی میز پر کھیا واقعی میرا منتظر تھا، لیکن وہ تنہا نہیں تھا، میز پر اس وقت وہ آدمی بھی موجود تھا، جس سے میری پہلی ہی نظر نے ناپسندیدہ قرار دیا تھا اور جس کا نام کھیا نے گوشی بتایا تھا۔

کھیا مسکراتے ہوئے گویا مجھے خوش آمدید کہا، ساتھ ہی وہ بولا:

''پدھاریئے سوامی جی......! کہیے...... رات کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی......؟''

''تکلیف کیسی کھیا جی......! مجھے بہت مزے کی نیند آئی......اگر جگایا نہ جاتا تو دن چڑھے تک شاید سویا ہی رہتا......''

یہ کہہ کر میں نے ایک کرسی کھسکائی اور بیٹھ گیا۔ کھیا نے ہنس کر میری طرف دیکھا اور ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

گوشی اب تک خاموش ہی تھا۔ میں نے اس پر نظر ڈالی تو اسے بھی اپنی ہی جانب متوجہ پایا۔ اس کی نگاہوں سے مجھ یوں لگا جیسے وہ مجھ میں کچھ ڈھونڈ رہا ہو......عجیب سی ٹٹولنے والی نظریں تھیں اس کی نیند کے خمار کے باعث اس وقت اس کی آنکھوں کی ویرانی مزید بڑھ گئی تھی۔

''گوشی بھی ہمارے ساتھ ہی جائے گا......'' کھیا نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا: ''ایسے موقعوں پر یہ کافی پر مذاق ہو جاتا ہے......آپ کو مزا آئے گا......کافی دلچسپ آدمی ہے یہ......یا تو خاموش ہی رہتا ہے، یا اتنا بولتا ہے کہ......رام......رام......!''

میں نے گوشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک لکیر سی کھنچتی ہوئی دیکھی......وہ اب بھی خاموشی سے ناشتے پر جھکا ہوا تھا۔

پھر میں بھی ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کافی پر تکلف ناشتہ تھا اور اس وقت مجھے بھوک بھی شدید لگ رہی تھی۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ باہر نکل آئے۔ جہاں دو جیپیں موجود تھیں اور ایک مرسڈیز کار بھی تھی۔ جیپوں میں چھولداری وغیرہ جیسا سامان رکھا ہوا تھا اور ان میں شکار کے لئے بندوقیں بھی موجود تھیں۔

کار میں ڈرائیور موجود تھا۔ میں کھیا اور گوشی کار میں آ بیٹھے اور پھر ہمارا یہ سفر شروع ہوا۔

اب پو پھٹ رہی تھی، صبح کی میٹھی اور دھیمی دھیمی ہوا کا سامنا تھا، جو ساون کی پہلی پھوار کی طرح چہرے پر پڑ رہی تھی۔

اس ہوا نے میرے شریر اور آتما کو شانتی نگر کے دیس میں پہنچا دیا۔ میں نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

میرے برابر میں گوشی موجود تھا۔ اس نے پہلی بار مجھے مخاطب کیا:

''بابو......! کیا سپنوں کی دنیا میں پہنچ گئے......؟'' اس کی آواز کھردری تھی۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور خواہ مخواہ مسکرا کر بولا:

''ہاں......تمہارا خیال ٹھیک ہے......''

''لیکن تم تو جاگ رہے ہو بابو.....اور جاگتے ہوئے سپنے دیکھنا کچھ اچھی بات نہیں ہوتی۔''
''گوشی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نارائن آگے والی سیٹ پر تھا۔ اس نے شاید گوشی کا جملہ سن لیا تھا، اس لئے وہ میری طرف گھوما اور قہقہہ لگا کر بولا:

''لیجئے سوامی جی..... یہ تو ہو گیا شروع.....اب آپ بھگتیے.....''

میں بھی بے ساختہ ہنس دیا اور پھر گوشی سے مخاطب ہوا:

''سپنے تو مہمانوں کی طرح ہوتے ہیں..... یہ جب بھی آئیں.....انہیں ٹالا نہیں جا سکتا۔''

''کویتا بھی لکھتے ہو کیا.....؟ تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے.....گوشی نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں کہا۔ وہ شاید کھڑا لہجہ ہی استعمال کرتا تھا۔ اسی لئے مجھے بے تکلفی سے مخاطب کر رہا تھا۔

''ہر انسان کویتا ہے.....''میں نے جواب دیا: ''بس.....کمال صرف شبدھدوں میں ڈھالنے کا ہے.....ورنہ زندگی ایک کاغذ کی طرح ہے.....اور انسان مرتے دم تک اسے بھرتا ہی رہتا ہے.....''

''تم تو کافی جذباتی لگتے ہو بابو.....!''

''ساون نام ہے میرا.....''

''نام تو سندر ہے.....لیکن لگتا ہے کہ تمہارا من پیاسا ہے.....لیکن چنتا مت کرو.....تمہاری پیاس بجھے گی.....ضرور بجھے گی.....''

یہ کہہ کر گوشی بھرپور انداز میں مسکرایا۔ کافی بے موقع سی مسکراہٹ تھی یہ۔

کار اپنی مخصوص رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔ میں کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

☆.....☆.....☆

اس جنگل کا نام ''ساندرا جنگل'' تھا۔ یہ بات مجھے گوشی نے ہی بتائی تھی، وہ راستے بھر باتیں کرتا رہا تھا.....اور اب تک کافی حد تک بے تکلف بھی ہو چکا تھا۔

باتوں باتوں میں اس نے بڑی کوشش کی کہ مجھ سے میرے بارے میں کچھ اگلوا سکے.....میرے پاس کون سا علم ہے.....کون سی شکتی ہے.....

لیکن وہ قطعی ناکام رہا تھا.....میں اسے اپنے بارے میں بھلا کیا بتاتا.....؟ میں تو خود سے ہی آشنا تھا۔

ویسے اس کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوا کہ کھیا نے اسے میرے بارے میں ضرور بتایا ہوگا......

کھیا کے ملازموں نے ایک کھلی جگہ پر چھولداریاں نصب کردیں۔ ایک چھولداری میں سامان اور بندوقیں رکھی گئیں۔ دوسری چھولداری میں ملازم موجود تھے اور تیسری میں ہم لوگ...... یعنی میں، کھیا اور گوشی......

میں محسوس کررہا تھا کہ کھیا اب مجھے نظرانداز کررہا ہے اور یہ بات کچھ عجیب سی تھی۔ ورنہ اپنی حویلی میں تو وہ میرے آگے بچھا جارہا تھا۔

البتہ اس کے بجائے گوشی اب سائے کی طرح میرے ساتھ تھا۔ کھیا اس وقت بندوق کی نال صاف کررہا تھا اور گوشی مجھ سے جڑا بیٹھا تھا:

''تمہیں کچھ اندازہ ہے گوشی......!'' میں نے کھیا کی طرف دیکھتے ہوئے گوشی کو مخاطب کیا: ''گاؤں کی لڑکیوں کو کون غائب کررہا ہے......؟''

گوشی نے جواب دینے کے بجائے خود بھی ایک بندوق اٹھالی اور اس کی نال سے آنکھ لگاتے ہوئے بولا:

''کوئی تو ہوگا......اور ہوگا بھی پرش ہی......''

''تو میں نے کب کسی درندے کا نام لیا ہے...... ویسے بھی میرے خیال میں اس دھرتی کا سب سے بڑا درندہ پرش ہی ہے......''

''ضروری نہیں ہے کہ تمہارا یہ خیال ٹھیک ہو......'' گوشی کی نظر اب بھی بندوق کی نال پر ہی تھی: ''پرش اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی......لیکن درندہ صرف درندہ ہوتا ہے...... یہ اور بات ہے کہ کسی خاص ضرورت کے تحت درنگی کا سہارا لیا جائے......''

ابھی میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کھیا نے ہانک لگائی:

''سوامی جی......!'' آپ نے کبھی شکار کیا ہے ہرن کا......؟''

''کبھی اتفاق نہیں ہوا......'' میں نے جواب دیا: ''ویسے بھی شہر میں ان سب چیزوں کے لئے وقت نکالنا ذرا مشکل ہے......''

''ہاں...... یہ تو ہے......'' کھیا نے سرہلایا: ''لیکن آج آپ ہمارے ساتھ شکار بھی کریں گے......ایک بندوق آپ بھی اٹھالینا......''

''نہ کھیا جی......'' میں ے جلدی سے کہا: ''کسی کی جان لینا میرے بس کا روگ نہیں......ہاں

البتہ کھال ضرور اتار سکتا ہوں......"

"اس کام میں تو میں ماہر ہوں......" گوشی نے مداخلت کی: "کھیا جی اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کھال کتنی صفائی سے اتارتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے بندوق ایک طرف رکھی اور اپنے کپڑوں میں ہاتھ ڈال کر کسی جانب سے ایک چیز نکال کر ہوا میں لہرائی۔

جیسے ہی میری نظر اس چیز پر پڑی۔ میں بری طرح چونک اٹھا، حیرت سے میری آنکھیں پھیل گئیں۔

"گوشی کے ہاتھ میں خنجر تھا...... بالکل ویسا ہی خنجر کہ جیسا میں گاؤں میں بوڑھے دادو کے پاس دیکھ چکا تھا...... گوشی ابھی تک خنجر کی طرف متوجہ تھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

میرے رگ و پے میں سنسنی دوڑ گئی، بڑی مشکل سے میں نے اپنے اوسان بحال کئے۔

اسی وقت گوشی میری طرف متوجہ ہوا، پھر میرے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات دیکھ کر چونک اٹھا:

"کیا ہوا ساون......؟ طبیعت تو ٹھیک ہے......؟"

"آں...... ہاں......" میں سنبھل کر بولا: "معلوم نہیں اچانک کیا ہوا......"

"نیند تو نہیں ستا رہی......؟" یہ کہہ کر اس نے خنجر کی دھار پر انگلی پھیری اور اسے دوبارہ اپنے کپڑوں میں چھپا لیا۔

بالکل وہی خنجر تھا...... ہو بہو وہی...... تو...... تو کیا گوشی ہی دادو کے گھر میں......؟

"چلو سوامی جی......!" کھیا کی آواز نے مجھے چونکا دیا: "شکار کا وقت ہو گیا...... ہرنوں کا ایک جھنڈ اس وقت سامنے والے میدان سے گذرتا ہے...... ہم اب وہیں چلیں گے......"

☆......☆......☆

3 ہرن شکار کئے گئے تھے، ان میں سے ایک کی کھال خود گوشی نے اتاری تھی، اسی خنجر سے......!

اب ملازم ان ہرنوں کے گوشت کو آگ پر بھون رہے تھے، میں ان سب سے الگ تھلگ ہو کے ایک درخت کے نیچے آ بیٹھا تھا۔

اس وقت کھیا اور گوشی نے تاش کے پتے لگا لئے تھے۔ گوشت بھوننے کی مسحور کن خوشبو یہاں

تک پہنچ کر مجھے تنگ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

لیکن اس وقت میرا ذہن صرف اس خنجر کے گرد گھوم رہا تھا۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے گوشی سے وہ خنجر لے کر اسے اچھی طرح دیکھا بھالا تھا اور پھر مجھے سو فی صد یقین ہو گیا کہ یہ بالکل ویسا ہی خنجر تھا، جیسا بوڑھے دادو کے پاس تھا۔ گوشی والے خنجر پر بھی شیطان کی تصویر کندا تھی۔

جس وقت میں نے گوشی کو خنجر واپس کیا، میرے ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش تھی۔ یہ شاید کسی قسم کی جذباتی کیفیت کے باعث ہوا تھا۔

پھر اس کے بعد مجھے یوں لگا جیسے گوشی کی زرد اور ویران آنکھیں میرے شریر میں گھسنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

اس نے نے خنجر چپ چاپ میرے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ پھر میں تھوڑی دیر بعد وہاں سے ہٹ آیا۔

یوں تو گوشی پہلے ہی میری آنکھوں میں کھٹک سا گیا تھا، لیکن اب اس کی شخصیت اور بھی پراسرار ہو گئی تھی۔

میرا دل کہہ رہا تھا کہ لڑکیوں والے پراسرار معاملے میں کچھ نہ کچھ ہاتھ گوشی کا ضرور ہے ...... یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ان وارداتوں کا ذمہ دار وہی ہو۔ ورنہ پھر غائب ہونے والی لڑکی کے گھر میں اسی سے ملتے جلتے خنجر کا کیا کام ......؟ دونوں پر شیطان کی تصویر موجود تھی۔

میں ان ہی سوچوں میں گم تھا کہ کس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا، میں چونک کر مڑا، سامنے گوشی کھڑا تھا:

''اکیلے یہاں کیوں بیٹھے ہو......؟ کیا ہوا......؟ تم کافی دیر سے کچھ بجھے بجھے سے ہو......؟''

گوشی نے غور سے میری طرف دیکھا۔

''کچھ نہیں......بس ایسے ہی......'' میں نے کندھے اچکائے۔

''کھیا جی تو اونگھ رہے ہیں......آؤ ذرا آگے تک چہل قدمی کر آئیں......'' گوشی نے کہا۔

میں نے چند لمحے سوچا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ہو سکتا تھا کہ میں اس وقت گوشی سے کچھ اگلوا سکوں۔

درختوں کے درمیان سے گذرتے ہوئے گوشی نے کہا:

''میں نے سنا ہے کہ تم لڑکیوں کا پتا لگانے آئے ہو......غائب ہوئی لڑکیوں کا......!''

''کسی حد تک یہ بات صحیح ہے......'' میں نے جواب دیا۔

''کیا تمہارا تعلق خفیہ پولیس سے ہے......؟'' گوشی نے پوچھا۔

''نہیں بابا...... پولیس سے میرا کیا سمبندھ......؟''

''تو پھر...... کیا تم واقعی پراسرار شکتیاں رکھتے ہو......؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ بات بھی نہیں ہے......'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''جھوٹ مت بولو......'' گوشی کا انداز یک لخت ہی بدل گیا۔

اس کے چہرے پر غصے کے آثار پھیل گئے تھے۔

''جھوٹ...... کیا مطلب......؟'' میں چونکا۔

''ہاں...... جھوٹ بول رہے ہو تم...... تم شکتی شالی ہو...... شکتی شالی......!''

میں ایک لفظ بھی نہ بول سکا۔ گوشی نے جملہ پورا کیا اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اپنا دھیان بٹا رہا ہو۔

اس کا چہرہ بھی کافی حد تک پرسکون ہو چکا تھا۔ پھر اس نے خود ہی بات شروع کی:

''ہمارے مکھیا جی بھی ان وارداتوں سے بہت پریشان ہیں...... سارے کا سارا گاؤں اس کی لپیٹ میں ہے...... لیکن میں کہتا ہوں...... کہ اس معاملے میں اتنا پریشان ہونے کی اور چنتا کرنے کی کیا ضرورت ہے......؟ بھگوان نے ناری کو ایسا بنایا ہی کیوں ہے...... دوشی تو بھگوان ہے...... تم خود بتاؤ...... کیا ناری کبھی اپنے ماتا پتا کے پاس بھی رکی ہے...... نہیں کبھی نہیں......''

اس کا یہ فلسفہ میری سمجھ سے باہر تھا، میں نے کہا:

''تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں......؟''

''میں کون سی مشکل باتیں کر رہا ہوں......'' اس نے منہ بنایا: ''بھئی سیدھی سی بات ہے...... پرائی چیز کے لئے چنتا کیا کرنا...... اچھا چھوڑو...... آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ اب تک گاؤں کی جو لڑکیاں غائب ہوئی ہیں...... وہ کہاں ہیں......!''

میں اس کی شکل ہی دیکھتا رہ گیا۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس نے مذاقاً یہ بات کہی تھی یا سنجیدگی سے...... وہ پھر بولا: ''ہمارے گاؤں پر ایسی شکتی کا راج ہے...... کہ ہم سب بے بس ہیں۔ یہ سب اسی کا کرنا ہے...... وہ ہم لوگوں سے بھینٹ مانگتی ہے......!''

''کون سی شکتی ہے وہ......؟'' میں نے پوچھا۔

''شیطان کی شکتی......!'' اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں جواب دیا: ''اور یہ بات کسی کو بھی معلوم نہیں ہے...... جو لوگ جانتے ہیں...... وہ کچھ نہیں کر سکتے...... کچھ بھی نہیں کر سکتے...... اس شکتی نے جتنی بھینٹ لینی ہے...... وہ لے کر رہے گی......''

''یہ سب تمہیں کیسے معلوم ہوا......؟''میں نے پوچھا۔

''یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا...... پہلے تمہیں وہ جگہ دکھادوں، جہاں ساری ناریاں موجا ہیں......اور میں...... کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتا...... کچھ کر نہیں سکتا......ہوسکتا ہے ساون......! کہ تم ہی کچھ کر پاؤ......''

یہ کہہ کر وہ مجھے ساتھ لئے ہوئے آگے بڑھا۔ درختوں کے درمیان سے گذرتے ہوئے ہم ایک کھلی جگہ پر آ گئے۔

یہاں خودرو جھاڑیاں تھیں۔ گوشی کا رخ ان جھاڑیوں کی طرف تھا۔ میں کسی حد تک اس کی طرف سے محتاط اور چوکنا ہو کر اس کے ساتھ چلتا رہا۔

جھاڑیوں کے درمیان میں ایک بڑا سا تختہ رکھا ہوا دکھائی دیا۔ گوشی نے جھک کر وہ تختہ ہٹا دیا۔

میں نے دیکھا، یہ کسی کنوئیں کا دہانہ تھا۔ گوشی اس دہانے کے پاس اکڑوں بیٹھ گیا:

''یہ اندھا کنواں ہے......'' گوشی کے ہونٹ ہلے: ''اور گاؤں سے غائب ہونے والی ہر ناری اسی اندھے کنوئیں میں ہے......ہاں......''

''تم کیسے کہہ سکتے ہو......؟''میں نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''گوشی کا کوئی سپنا کبھی جھوٹا نہیں ہوا......'' گوشی نے طویل سانس لے کر جواب دیا:''جب بھی کوئی ناری غائب ہوتی ہے، اسی رات کو مجھے سپنے میں یہی کنواں دکھائی دیتا ہے...... میں ان ناریوں کی چیخیں بھی سنتا ہوں۔ دیکھو...... دیکھو......اب بھی کوئی ناری چیخ رہی ہے......وہ......ا کے لئے پکار رہی ہے......دیکھو......سنو......!''

یہ کہہ کر وہ کنوئیں پر مزید جھک گیا۔ میں بھی بے ساختہ اندر جھانکنے لگا، لیکن یہی میری سب سے بڑی غلطی تھی۔

جیسے ہی میں جھکا، گوشی نے بجلی کی سی سرعت سے اپنا داہنا ہاتھ میری گردن میں ڈالا اور پوری قوت سے مجھے اندر جھکا دیا۔

نتیجہ یہ کہ میں سنبھل نہ سکا اور میری ٹانگوں نے زمین چھوڑ دی۔ دوسرے ہی لمحے میں کنوئیں کے اندر گرتا چلا گیا۔ ساتھ ہی گوشی کے ہونٹوں سے نکلا ہوا ایک زہریلا قہقہہ کنوئیں کی فضاء میں گونج کر رہ گیا۔

میں نیچے گر رہا تھا اور دہشت کے مارے میرا ذہن ماؤف ہو رہا تھا اور پھر میرے حواسوں نے

میرا ساتھ چھوڑ دیا۔

ہوش آیا، تو میرے چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا، شریر کا انگ انگ پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ میں صحیح سلامت اور زندہ تھا، وگرنہ یہ کنواں نہ جانے کتنا گہرا تھا۔ میری تو ہڈیوں کا بھی سرما بن جانا چاہیے تھا۔

میں نے اچھی طرح خود کو ٹٹولا اور اس جانب سے مطمئن ہو کر میرا ذہن اس اچانک افتاد کے بارے میں سوچنے لگا۔

جو کچھ میرے ساتھ ہوا تھا، اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ گوشی نے مجھے جھانسا دیا تھا۔ اس کی اس حرکت سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی تھی کہ وہ ناریوں والے مسئلے میں پوری طرح ملوث ہے......

دفعتاً ایک اور خیال میرے ذہن میں آیا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے:

''میں اس کنوئیں سے باہر کیسے نکلوں گا......؟''

اس خیال نے میرے جسم کو اچانک سن کر کے رکھ دیا......

یہ خیال واقعی اتنا ہی بھیانک تھا، جس طرح بھی سہی، اتنی بلندی سے گرنے کے بعد میں صحیح سلامت تو تھا......لیکن میں باہر کیسے نکلوں گا......؟

کنوئیں میں پانی نہیں تھا، زمین پتھریلی اور خشک تھی یہاں گھٹن کا بھی شدید احساس تھا۔ مجھے سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی تھی۔

میں نے اوپر گردن اٹھائی، لیکن گھپ اندھیرے کے سوا وہاں اور کچھ نہ تھا۔ ظالم گوشی نے مجھے اندر دھکیل کر تختہ بھی دوبارہ رکھ دیا تھا۔

میں نے اندھیرے میں ٹٹولنے کی کوشش کی، لیکن پھر ایک انجانے سے خوف نے مجھے اپنی جگہ منجمد کر دیا۔

اگر یہاں سانپ یا کوئی اور زہریلی شئے ہوئی تو......؟ کچھ بعید نہ تھا کہ یہاں بچھو وغیرہ بھی موجود ہوں۔

میرے جسم میں جھرجھری سی دوڑ گئی۔ اب مجھے اپنی موت صاف دکھائی دے رہی تھی...... یقینی موت......!

کون جانتا تھا کہ میں یہاں ہوں......گوشی شاطر انسان تھا......وہ امر ناتھ وغیرہ کے سامنے

کوئی بھی کہانی گڑھ سکتا تھا۔ مجھے یاد آ رہا تھا کہ اس نے کس طرح اپنی باتوں کے شکنجے میں جکڑ کر مجھے اس اندھے کنوئیں کے حوالے کیا تھا۔ اگر کھیا اس کے کرتوتوں سے ناواقف ہوا تو وہ اسے بھی میری گمشدگی کے سلسلے میں کوئی جھانسا دے دے گا۔

میرا ذہن چاروں طرف دوڑ رہا تھا، اچانک ہی میرے ذہن میں ایک جھماکہ سا ہوا، مجھے اس پراسرار کتاب کا خیال آیا جو اس وقت بھی میری جیب میں تھی۔

کیا وہ کتاب اب اس حال میں میرے کام نہیں آئے گی......؟ سادھو بابا نے تو اس کے متعلق بڑی باتیں کی تھیں، کیا وہ سب محض دعوے تھے......؟

طلسماتی دنیا کی باتیں تھیں......؟ عام انسانی زندگی میں تو وہ سب کچھ ہوتا ہے جو اس وقت میرے ساتھ ہو رہا تھا۔

میں نے کتاب کا خیال ذہن سے جھٹک دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ان بے جان صفحوں سے کوئی امید رکھنا فضول ہی تھا۔

مرنا تو تھا ہی......! تو پھر کیوں نا زندگی کے لئے کوشش کی جائے۔ چنانچہ میں نے قدم آگے بڑھائے۔

گھپ اندھیرے میں یہ احساس خون نچوڑ رہا تھا کہ اگلا قدم میری زندگی کا آخری قدم نہ ہو۔ چار قدم آگے بڑھنے کے بعد میری قوت برداشت جواب دے گئی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کچھ بھی تو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اسی وقت میرے ذہن نے کام کیا، میں فوراً ہی اکڑوں بیٹھ گیا اور ہاتھوں سے ٹٹول کر آگے بڑھنے لگا۔ اس کوشش میں مجھے بار بار اچکنا پڑ رہا تھا۔ لیکن یہ طریقہ کسی حد تک تسلی بخش تھا۔

جلد ہی میں کنوئیں کی دیوار سے ٹک گیا۔ میں نے دو چار طویل سانسیں لیں اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

اب میں پاگلوں کی طرح کنوئیں کی دیوار کو ٹٹول رہا تھا، پہلے ایک جانب...... پھر دوسری جانب......لیکن......!

میرے ارمانوں پر اوس پڑ گئی، اوپر جانے کے لئے کہیں کوئی راستہ نہیں تھا۔ کنوئیں کی دیواریں ہر طرف سے چکنی تھیں۔ سیڑھیاں تو درکنار، پاؤں رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔

گوشی کی ایک بات سچ ثابت ہوئی تھی اور وہ یہ کہ یہ واقعی اندھا کنواں تھا...... جسے موت کا کنواں بھی کہا جا سکتا تھا۔

میری آخری امید بھی ٹوٹ گئی۔ جس کا مجھے بہت سہارا تھا۔ اب میرے شریر میں بالکل شکتی نہیں رہی تھی۔ وہ شدید بے بسی تھی، یا موت کا خوف تھا کہ میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

میں بے جان سا ہو کر دیوار کے سہارے زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ میں نے اپنی آنکھیں موند لیں اور دھپ سے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

عین اسی وقت کوئی چیز میرے چہرے سے ٹکرائی تو میں بری طرح اچھل پڑا۔

میں نے فوراً ہی ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں، ایک ناقابل یقین منظر میرے سامنے تھا۔

کنوئیں میں ہلکی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی، لیکن اس ہلکی سی روشنی میں مجھے وہ رسی صاف دکھائی دے رہی تھی جو میرے چہرے سے ٹکرائی تھی اور میں چونک اٹھا تھا۔

یہ رسی اوپر سے ہی آرہی تھی، میں نے دیکھا، کنوئیں کا تختہ بھی ہٹا ہوا تھا۔

عین اسی وقت ایک آواز نے میرے وجود میں نئی زندگی دوڑا دی:

''میں نے رسی ڈال دی ہے گرو......! جلدی سے اوپر آجاؤ......''

یہ آواز یقیناً امرناتھ کی تھی۔ میں لمحہ بھر کے لئے حیرت میں ڈوب گیا۔ امرناتھ یہاں کیسے پہنچ گیا......؟

لیکن یہ وقت ان باتوں کا نہیں تھا۔ میں نے فوراً ہی رسی تھام کر اوپر چڑھنے لگا۔

یہ سفر زیادہ کٹھن ثابت نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ رسی میں قدم قدم پر گانٹھیں بنی ہوئی تھیں، جنہیں پکڑ کر میں آرام سے اوپر چڑھ سکتا تھا۔

مجھے معلوم نہیں کہ میں کنوئیں کے دہانے تک کتنی دیر میں پہنچا۔ لیکن یہاں بھی ایک شدید قسم کی حیرت میری منتظر تھی۔

امرناتھ کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا اور جس رسی کے ذریعے میں باہر نکل کر آیا تھا وہ تھوڑی دور ایک درخت سے بندھی ہوئی تھی۔

پہلے تو میں سمجھا کہ امرناتھ مجھ سے مذاق کر رہا ہے اور کہیں چھپ گیا ہے۔

لیکن جب درخت کے آس پاس، اِدھر اُدھر اور جھاڑیوں میں بھی ڈھونڈنے کے باوجود وہ مجھے نہ ملا تو ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ میرے مساموں سے پھوٹ پڑا۔

اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ امرناتھ یہاں آیا ہی نہیں تھا۔ تو پھر......؟ وہ کون تھا اور کہاں گیا......؟ آواز تو ہوبہو امرناتھ ہی کی تھی۔

کہیں یہ کتاب ہی کا کوئی طلسم تو نہیں تھا......؟ کیونکہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا تھا، وہ ناقابل

یقین تھا۔ اگر میں کسی کو بتاتا بھی تو کوئی یقین نہیں کرتا......

مجھے نیا جیون ملا تھا، اس وقت میری عجیب کیفیت تھی۔ سب سے پہلے تو میں نے بھگوان کا شکر ادا کیا اور پھر جیب میں سے کتاب نکال کر اس کے کور کو ہونٹوں سے چوم لیا۔ یہ میرا اس سے پہلا اظہار محبت تھا۔

اتنا کچھ کرنے کے باوجود یہ کتاب اپنا حق نہیں جتاتی تھی، یہ ایسی محسن تھی کہ احسان کرنے کے باوجود خاموش تھی۔

میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ کافی دیر تک میں کتاب کو اپنے ہاتھ میں دبائے رہا۔ پھر میں نے اسے دوبارہ اپنی جیب میں رکھ لیا۔

شام ہونے کو تھی اور مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ میں کئی گھنٹے تک اس اندھے کنوئیں میں موجود رہا تھا۔

شدت سے مجھے اب بھوک کا احساس بھی ستا رہا تھا۔ چنانچہ میں اپنی سمت کا تعین کر کے اسی جانب چل دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد میں اس جگہ کھڑا تھا، جہاں ان لوگوں نے چھولداریاں نصب کی تھیں، لیکن اب...... یہ جگہ خالی پڑی تھی۔

یہاں کچھ سامان ضرور موجود تھا، جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ ان لوگوں نے میری غیر موجودگی میں دعوت طبیعت سے اڑائی تھی۔

اب یہاں سے پیدل کا سفر کافی طویل تھا، لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ ہو سکتا تھا کہ آگے چل کر لفٹ وغیرہ کا بندوبست ہو جاتا۔

میں چلتا رہا اور ذہن بھی دوڑاتا رہا۔ اب جو کچھ مجھے کرنا تھا، اس کی سب سے پہلی سیڑھی امرناتھ تھا۔ مجھے اس طرح امرناتھ کے گھر پہنچنا تھا کہ کسی کو کانوں کان بلکہ آنکھوں آنکھ خبر نہ ہو۔

مجھے اندازہ تھا کہ جب تک میں گاؤں میں داخل ہوں گا، اندھیرا پھیل چکا ہوگا اور یہ اندھیرا میرے لئے سودمند ثابت ہوگا۔

گاؤں تک کا فاصلہ مجھے پیدل ہی طے کرنا پڑا تھا۔ راستہ اتنا دشوار نہیں تھا، آتے ہوئے تو میں دیکھ ہی چکا تھا۔

البتہ سارا راستہ ٹانگوں کے سہارے طے کرنے کے بعد جسم حد درجے تھکن سے چور ہو گیا، جوڑ جوڑ دکھنے لگا تھا...... زبان پیاس کے مارے تالو سے جا لگی تھی۔

گاؤں میں داخل ہوا تو قدم من من بھر کے ہونے لگے۔ رات بھی ہو چکی تھی، گاؤں میں ہو کا سا عالم طاری ہو چکا تھا۔ یہاں کے رہنے والے ویسے بھی جلدی سونے کے عادی ہوتے ہیں۔
پھر بھی میں احتیاطاً پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا کہ کہیں پہچان نہ لیا جاؤں، ورنہ کھیل بگڑ جاتا۔
آخر بھگوان کی کرپا سے میں امرناتھ کے دروازے پر پہنچ ہی گیا۔ گلی میں سناٹا طاری تھا، مجھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے خود امرناتھ اور اس کی پتنی بھی سو چکے ہیں۔
لیکن میرا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا، میری پہلی دستک پر ہی دروازہ کھل گیا، دروازہ کھولنے والا خود امرناتھ تھا۔
جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی، وہ چونک اٹھا، کچھ بولنے ہی والا تھا کہ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کروا دیا:
''اندر چلو......'' میں نے سرگوشی کی اور پھر اسے حیرت زدہ چھوڑ کر گھر میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر لیا۔
وہ اب بھی حیرت زدہ انداز میں میری طرف دیکھ رہا تھا:
''تم میرے لئے پریشان نہیں تھے......؟'' میں نے دھیرے سے مسکرا کر پوچھا۔
''پریشان......!'' اس نے لفظ کو کھینچ ڈالا: ''تم نے تو کھیا جی کے سامنے میری بے عزتی کروا دی...... مجھے تو اتنا غصہ آ رہا تھا کہ شاید میں رات بھر سوتا بھی نہیں اور صبح ہی صبح شہر پہنچ کر تمہیں مار ڈالتا......''
''پہلے مجھے پانی پلاؤ...... بھوک کے مارے بھی برا حال ہے......!'' میں کراہا۔
''تم نے اچھا نہیں کیا گرو......!'' وہ اب بھی مجھے گھور رہا تھا۔
''ارے...... میں مر جاؤں گا...... پانی......!'' میں نے اسے دھکیلا۔
بہرحال ناچاری کے سے عالم میں اس نے مجھے پانی دیا، میں لگاتار چار گلاس چڑھا گیا۔
پھر ہم دونوں کمرے میں چلے آئے، میں پلنگ پر گویا ڈھیر ہو گیا۔ چار گلاس پانی نے پیٹ بھاری کر دیا تھا...... میں کرتا بھی کیا......! پیاس ہی اتنی شدید تھی۔
''اب تم یہ بتاؤ کہ کھیا نے تم سے کیا کہا تھا......؟'' میں نے امرناتھ سے پوچھا جو میرے برابر میں بیٹھا ہوا اب بھی آنکھوں سے میری ''تواضع'' کر رہا تھا۔
''پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم کہاں چلے گئے تھے......؟ تمہاری حالت بھی کچھ اچھی نہیں لگ

رہی......!''

''میں بتادوں گا...... پہلے میری بات کا جواب دو......''

''مکھیا جی شام کو ہی شکار سے واپس آ گئے تھے، انہوں نے مجھے حویلی بلوایا۔ میں حویلی گیا تو ان کا خاص ملازم بھی وہاں موجود تھا، میں نے تمہارے بارے میں پوچھا تو مکھیا جی نے کہا کہ تم شہر بھاگ گئے ہو...... تم نے مکھیا جی سے کہا تھا کہ گاؤں کی ناریوں کا معاملہ کافی خطرناک نظر آتا ہے اور بس سے باسیر بھی ہے...... چنانچہ مکھیا جی کی تم نے منت سماجت کی اور انہوں نے مجبوراً تمہیں اپنی کار میں بٹھا کر شہر کے قریب پہنچادیا۔'' امرناتھ نے تفصیل بتائی۔

''اوہ......!'' میرے منہ سے نکلا۔

اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ خود مکھیا بھی میری موت کے منصوبے میں برابر کا شریک تھا صرف گوشی ہی دوشی نہیں تھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم میدان چھوڑ کر اس طرح بھاگ نکلو گے......''

امرناتھ نے پھر منہ بنا کر کہا۔

''میں بھاگا نہیں تھا امرناتھ......!'' میں نے جواب دیا:'' بلکہ مجھے تو جیون کا میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا تھا...... یہ بھگوان کی ہی کرپا ہے کہ میں تمہارے سامنے زندہ سلامت کھڑا ہوں۔''

''کیا مطلب گرو......؟ میں سمجھا نہیں......؟'' امرناتھ نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

جواباً میں نے اسے اپنی بپتا سنا ڈالی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے سنتا رہا۔ اسے میری قوتوں اور صلاحیتوں پر بھروسہ تھا، اس لئے اندھے کنوئیں سے نکلنے والے ''مرحلے'' کو وہ آسانی سے ہضم کر گیا۔ وہ تو پہلے سے ہی مجھے نہ جانے کیا سمجھتا رہا تھا۔ پوری تفصیل سننے کے بعد اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا:

''کیا کہہ رہے ہو گرو......؟ تو...... تو کیا...... گاؤں کا مکھیا اور گوشی ان وارداتوں میں ملوث ہیں......؟''

''جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے...... اس سے تو یہیں ظاہر ہوتا ہے......'' میں نے جواب دیا۔

امرناتھ سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی کشمکش کے آثار تھے۔

''کیا سوچ رہے ہو امرناتھ......؟'' میں نے اسے ٹہوکا دیا۔

''دل نہیں مانتا...... گاؤں کا مکھیا تو بہت اچھا آدمی دکھائی دیتا ہے...... اس کا دوسرا روپ اتنا

بھیانک بھی ہوسکتا ہے......؟"

"تم اپنے گریبان میں تو جھانکو......!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا: "تم خود کیا ہو......؟ بہ ظاہر کچھ اور......"

"تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی......" امرناتھ نے جلدی سے میری بات کاٹی: "میں روٹی بنانے کے لئے ریکھا کو اٹھاتا ہوں......"

یہ کہہ کر وہ جلدی سے اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ اس کے انداز پر میں بے ساختہ مسکرا اٹھا۔

بھوجن کرنے کے بعد میرے جسم میں ایک نئی زندگی دوڑ گئی، میں نے ڈٹ کر کھایا پیا۔

اس ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد میں اور امرناتھ سکون سے دری پر بیٹھ گئے۔

"اب کرنا کیا ہے گرو......؟" امرناتھ نے پوچھا۔

"اب کیا کرنا ہے......!" میں نے جیسے بے خیالی میں اس کی بات دہرائی، پھر میں نے کہا: "سب سے پہلے تو مجھے تمہارے گھر میں روپوش ہونا پڑے گا......ان دونوں کو اس بات کا قطعی علم نہ ہونے پائے کہ میں اندھے کنوئیں سے زندہ سلامت واپس آچکا ہوں......"

"یہ تو ہو جائے گا......" امرناتھ نے سر ہلایا: "تم چپ چاپ سے ادھر ہی پڑے رہو...... ضرورت ہی نہیں ہے گھر سے نکلنے کی......"

"گھر سے تو خیر نکلنا پڑے گا......" میں نے جواب دیا: "گھر میں بیٹھ کر میں کیا کر پاؤں گا......البتہ اب میں جو کچھ بھی کروں گا......رات کے اندھیرے میں کروں گا......تا کہ لوگوں کی نگاہوں سے بچ سکوں......اور ہاں......اب یہ بتاؤ کہ پورن ماشی کی رات کب ہوگی......مکھیا تو بتا رہا تھا کہ بدھوار کو ہوگی......؟"

"ہاں......ابھی تین دن باقی ہیں......" امرناتھ نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے......" میں نے کہا: "تین دن بہت ہیں، بھگوان نے چاہا تو اس پورن ماشی کی رات کے بعد گاؤں سے کوئی ناری غائب نہیں ہوگی......!"

"ایشور کرے کہ ایسا ہی ہو......" امرناتھ کا لہجہ فکرمند تھا: "اور میری بہن کرشنا مجھے واپس مل جائے......واپس مل جائے۔"

میں نے اسے اس طرح دیکھا، جیسے اس نے کوئی انوکھی بات کہہ دی ہو، پھر میں دری پر ہی لیٹ گیا:

''اب مجھے سخت نیند آ رہی ہے...... تم بھی جاؤ اور...... سو جاؤ...... باقی باتیں صبح ہوں گی۔''
امرناتھ اٹھ کر چلا گیا۔ میں نے کروٹ لی اور فوراً ہی نیند کی وادی میں چلا گیا۔

☆......☆......☆

رات حد درجے تاریک تھی، کیونکہ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔
اس وقت میں تنہا نہیں تھا۔ میرے ساتھ امرناتھ بھی تھا۔ جو کچھ میں کرنے جا رہا تھا۔ اس میں امرناتھ کی شمولیت ضروری تھی۔
ہم دونوں بڑے نپے تلے انداز میں قدم اٹھا رہے تھے۔ چاروں طرف تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ کبھی دور کسی کونے سے کسی آوارہ کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دیتی اور پھر معدوم ہو جاتی۔
''بھگوان بھی ہمارا ساتھ دے رہا ہے گرو......!'' امرناتھ نے میرے کان میں سرگوشی کی: ''چاند بادلوں میں چھپ گیا ہے......''
''ہاں......'' میں نے جواب دیا: ''حویلی تمہاری دیکھی بھالی ہے نا......؟ جو جگہ مجھے درکار ہے وہ......''
''تم چنتا نہ کرو گرو......!'' امرناتھ جوش میں بولا: ''تمہیں آنکھیں بند کر کے حویلی کے اندر پہنچا دوں گا...... اس کام بہت ماہر ہے۔ تمہارا چیلا......'' ''ڈاکوؤں سردار جو ٹھہرے......'' میں نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا۔
پھر امرناتھ نے مصنوعی غصے کا اظہار کیا: ''تم فوراً ہی میری ٹانگیں کھینچنے لگتے ہو......''
اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے ہم مکھیا کی حویلی کے نزدیک پہنچ گئے۔ امرناتھ مجھے حویلی کی پشت پر لے آیا۔
یہ حصہ مکمل طور پر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ البتہ میں نے محسوس کیا کہ اندرون حویلی کہیں کہیں روشنی بھی ہو رہی تھی۔
''آؤ گرو......!'' امرناتھ کی سرگوشی گونجی: ''یہ رہا پائپ...... پہلے تم اوپر پہنچو......''
میں نے آگے بڑھ کر نکاسی کا پائپ تھام لیا۔ پھر کسی خیال کے تحت میں نے جوتے اتارے اور بھگوان کا نام لے کر پائپ پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا۔
مجھے اس کام میں کسی قدر دشواری کا سامنا تھا، پہلے کبھی ایسی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔
ادھر امرناتھ جھٹ سے میری دم سے آ لگا۔ ساتھ ہی اس نے میرے پاؤں پر تھپکی دے کر

مجھے جلدی آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اس کی اس حرکت پر میں صرف بڑبڑا کر رہ گیا۔

آخر کار یہ مرحلہ بھی طے ہوا، چھت پر پہنچ کر پہلے میں نے منڈیر سے جھانک کر چاروں طرف کا جائزہ لیا اور پھر مطمئن ہو کر دوسری جانب اتر گیا۔

امرناتھ بھی اوپر آ چکا تھا۔ اب کسی حد تک میری آنکھیں بھی اندھیرے میں دیکھنے کی عادت ہو چکی تھیں۔

امرناتھ نے میرا ہاتھ پکڑا، اس کا رخ زینے کی طرف تھا۔ دبے پاؤں اور احتیاط کے ساتھ ہم دونوں نے یہ مرحلہ بھی طے کر لیا۔

یہاں ہو کا عالم تھا، لیکن اس کے باوجود مجھے ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ داہنی جانب ایک طویل راہداری تھی، جس کے سرے پر مجھے روشنی دکھائی دے رہی تھی...... دھیمی سی روشنی......!

میں نے امرناتھ کو اسی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ ہم دونوں اتنی احتیاط سے کام لے رہے تھے کہ کپڑوں کی سرسراہٹ بھی نہیں ہو رہی تھی۔

راہداری کے اختتام پر داہنی جانب جالیوں والی دیوار تھی۔ شاید دوسری جانب بڑا کمرہ تھا۔ روشنی اس کمرے سے آ رہی تھی۔ اچانک ہی ایک آواز میرے کانوں سے ٹکرائی: ''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں کس بات کی چنتا ہے...... اسے میں نے اپنے ہاتھوں سے دھکا دیا تھا......''

یہ آواز گوشی کی تھی، میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

☆......☆......☆

''معلوم نہیں کیوں......'' کھیا کی آواز آئی: ''میرے دل کو قرار نہیں آ رہا...... ایک عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا ہوں......''

''تمہارے دل کا بھی مجھے علاج کرنا پڑے گا۔'' گوشی کی شوخ آواز سنائی دی: ''چنتا مت کرو...... تین ناریوں کے بعد جب تمہارا خاص علاج پورا ہو جائے گا، تو میں تمہارے دل کا بھی علاج کر دوں گا۔''

جواب میں کھیا نے معلوم نہیں کیا کہا، اس کی آواز دھیمی تھی۔ امرناتھ مجھ سے چپک کر ہی کھڑا تھا اور ساری باتیں سن رہا تھا اور دم بخود تھا۔

اس وقت ہم دونوں کو بہت بہترین قسم کی آڑ ملی تھی، ساتھ ہی ساتھ ان دونوں کا پول بھی کھل رہا تھا۔

''بس کل کی پورن ماشی ہے......'' گوشی کی آواز آئی: ''اور اس کے بعد صرف دو راتیں اور آئیں گی......اس کے بعد تمہیں جو مردانہ شکتی ملے گی وہ کبھی ختم نہ ہوگی......کبھی نہیں......!''

سارا معاملہ پل بھر میں میری سمجھ میں آ چکا تھا۔ میں نے امرناتھ کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔

ابھی میں یہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ گوشی اور مکھیا کا سامنا ہو۔ اس وقت بغیر محنت کئے ہوئے اور کسی قسم کی دشواری کا سامنا کئے بغیر مسئلہ حل ہو گیا تھا۔

اب صرف کل کی رات تھی......اسرار و رموز میں لپٹی ہوئی پورن ماشی کی رات......!

جو میرے اندازے کے مطابق خونی اور جان لیوا بھی تھی۔

دوسرا دن امرناتھ کے لئے کافی بھاری ثابت ہوا۔ اس لحاظ سے کہ میں تو اس کے گھر میں ''روپوش'' تھا اور رات کے سلسلے میں چند ضروری کام اسے خود نمٹانے پڑے۔

ظاہر ہے کہ پورن ماشی کی رات کے لئے کچھ انتظامات بھی کرنے تھے۔ اس رات میں گاؤں کے چند لوگوں کا بھی اہم حصہ تھا۔

میں نے امرناتھ کو اچھی طرح ذہن نشین کروا دیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ چنانچہ سہ پہر تک وہ بے چارہ ان ہی چکروں میں لگا رہا۔

ویسے ہی وہ گزشتہ رات کو بھی دیر سے سویا تھا۔ اس لئے جب اسے فراغت ہوئی تو نیند کے مارے اس کا برا حال تھا۔

اس کی حالت دیکھ کر میں نے مسکراتے ہوئے کہا:

''اب تم بھوجن کر کے سو رہو......کیونکہ آج رات کو پھر......جاگنا ہے۔''

☆......☆......☆

اور پھر وہی ہوا، جس کا مجھے پورا پورا اندازہ تھا۔

پورن ماشی کی رات اپنی آب و تاب پر تھی۔ آسمان پر آج بھی بادل تھے، لیکن ان کی تعداد زیادہ نہ تھی۔

اس لئے جب بادلوں کا پردہ ہٹتا، تو چاروں طرف مست قسم کی چاندنی رقص کرنے لگتی۔

آس پاس کے درخت جھوم رہے تھے، میرے خیال سے شاید وہ بھی اس دلفریب چاندنی سے محفوظ ہو رہے تھے۔

تقریباً گیارہ سوا گیارہ کا وقت تھا، لیکن گاؤں کی زندگی جلد معطل ہونے کی وجہ سے یوں لگ رہا تھا جیسے آدھی رات گذر چکی ہو۔

حویلی سے ایک سایہ برآمد ہوا اور تھوڑی دیر رک کر ایک جانب چل پڑا۔

میرا دل دھڑک اٹھا، حالانکہ سارا معاملہ میری متوقع کے عین مطابق تھا۔ میں دبے پاؤں اس سائے کے تعاقب میں چل پڑا۔ درمیان میں، میں نے مناسب فاصلہ رکھا تھا۔

ابھی تک میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ سایہ کون تھا......؟ مکھیا...... گوشی...... یا پھر کوئی اور......

بہر حال وہ جو کوئی بھی تھا، مجھے اسی کا انتظار تھا اور اب میں اس کے پیچھے تھا۔

تین گلیوں سے گذرنے کے بعد وہ ایک مکان کے پاس آ کر رک گیا۔ اتفاق سے اس گلی میں ایک ٹھیلہ کھڑا ہوا تھا، میں اسی کے پیچھے دبک کر اس سائے کی حرکات وسکنات پر نظریں رکھے ہوئے تھا۔

میں خود البتہ اس کی نگاہوں سے محفوظ تھا۔ اس ٹھیلے نے اس وقت میرے لئے مورچے کا کام کیا تھا۔

میں دیکھ نہ سکا کہ اس نے کیا حرکت کی، وہ اب بھی کھڑا ہوا تھا کہ اس گھر کا دروازہ کھل گیا۔

اگلے ہی لمحے میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ دروازے سے ایک لڑکی برآمد ہوئی تھی۔

اور پھر وہ فوراً ہی اس سائے کے ساتھ قدم اٹھانے لگی۔ وہ دونوں جب میرے سامنے سے گذرے تو میں تھوڑا اور دبک گیا۔

وہ ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہوئے گذرتے چلے گئے۔ جب ان کا اور میرا فاصلہ بڑھ گیا تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ دونوں ایک دوسرے میں کافی مگن تھے۔ اب سائے نے اس لڑکی کی کمر کے گرد اپنا ہاتھ ڈال رکھا تھا۔

وہ دونوں چلتے رہے اور پھر گلیوں سے نکل کر درختوں کی جانب بڑھے۔ یہ اچھی بات تھی، اب کسی درخت کی اوٹ لے کر میں ان سے قریب ہوسکتا تھا۔

اور پھر میں نے یہی کیا، یہ جگہ مجھے کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔ شاید میں یہاں پہلے بھی آ چکا تھا، اندھیرے کے باعث صحیح اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

لڑکی دھیرے سے ہنسی تھی، شاید اس سائے نے اس کے ساتھ کوئی اٹکھیلی کی تھی۔ اب میں ان سے کافی قریب تھا، لیکن ان دونوں کے خدوخال اب بھی واضح نہیں تھے۔

ویسے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ لڑکی زیادہ عمر کی نہیں تھی۔ اس سائے کے متعلق ابھی میں کچھ

کہنے سے قاصر تھا۔
اچانک لڑکی بے جان ہو کر سائے کی بانہوں میں جھول گئی۔ میں چوکنا ہو گیا۔ میرے خیال سے ابھی وہ صرف بے ہوش ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

سائے نے جلدی سے اسے اٹھایا اور اطمینان سے کندھے پر لاد لیا۔
ایک بار پھر وہ آگے بڑھنے لگا۔ مشکل سے بیس قدم چلنے کے بعد وہ چند لمحے کے لئے رکا۔ آگے جھاڑیاں تھیں۔ اس نے جھاڑیوں میں جگہ بنائی اور ایک درخت کے قریب پہنچ کر لڑکی سمیت غائب ہو گیا۔
میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس جگہ کے قریب پہنچا۔ پھر میں نے جھاڑیاں ہٹائیں اور درخت کے پاس پہنچ گیا۔
غور کیا تو درخت کی جڑ میں ایک بڑی کھوہ دکھائی دی، وہ سایہ یقیناً اسی کھوہ میں اترا تھا۔ میں نے سر ہلایا اور چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔
اب میں نے اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھے اور الو کی آواز گلے سے نکالی، پھر میں نے اس آواز کو تین مرتبہ دہرایا تھا۔
آدھا منٹ گذرا ہو گا کہ امرناتھ میرے قریب آ کھڑا ہوا:
''کہاں ہے وہ راکھشس ......؟'' امرناتھ نے دبے لہجے میں پوچھا۔
''مجھ سے اندازے کی ذرا سی غلطی ہوئی......'' میں نے بتایا: ''وہ حویلی میں نہیں گیا...... اس درخت کی کھوہ میں اتر گیا ہے لڑکی سمیت......''
''تو چلو پھر...... دیر کس بات کی ہے......؟'' امرناتھ کے انداز میں بے تابی تھی۔
''ابھی صرف میں جاؤں گا......'' میں نے کہا: ''ابھی بارہ بجنے میں دیر ہے۔ اب تم نے وہی کرنا ہے جو میں نے تمہیں سمجھایا ہے......''
''تو کیا بارہ بجنا ضروری ہے......؟''
''ہاں...... بہت ضروری ہے......'' میں نے جواب دیا: ''اب میں کھوہ میں اتر رہا ہوں...... تم جاؤ......''
یہ کہہ کر میں واقعی کھوہ میں اتر گیا۔ اندر اندھیرا تھا، میں اب تک اندھیرے کا عادی ہو چکا تھا۔ لہٰذا آگے بڑھتا رہا۔

یہ کھوہ کسی سرنگ کی طرح سیدھی چلی جارہی تھی، جہاں تک میرا اندازہ تھا، میں تقریباً 4 منٹ تک چلتا رہا تھا۔ سرنگ کا اختتام ایک دروازے پر ہوا، جس کی درزوں سے ہلکی سی روشنی پھوٹ رہی تھی۔

میں نے چند لمحے سوچا اور دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ بند نہیں تھا، اس لئے کھلتا چلا گیا۔

میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور امرناتھ کا دیا ہوا ریوالور نکال لیا۔ دوپہر کے وقت میں نے ہی امرناتھ سے اس کی فرمائش کی تھی۔

میں نے ریوالور سیدھا کیا اور بے دھڑک ہوکر اندر گھس گیا۔ یہ ہال نما کمرہ تھا، جس میں کئی برقی بلب روشن تھے۔

ہال کے وسط میں چبوترے پر ایک مجسمہ رکھا ہوا تھا، یہ شیطان کا مجسمہ تھا۔ اس چبوترے کے سامنے وہی لڑکی لمبی لمبی لیٹی ہوئی تھی، وہ شاید اب تک بے ہوش تھی۔

اس کے بالکل سامنے وہ دونوں کھڑے تھے، یعنی گوشی اور کھیا...... کے بائیں ہاتھ میں میرا جانا پہچانا ہتھیار بھی موجود تھا...... یعنی وہی خنجر، جس سے پہلے بھی دو مرتبہ میرا واسطہ پڑ چکا تھا۔

کھیا بے ہوش لڑکی کے سر کے قریب کھڑا تھا۔ اب تک وہ دونوں ہی میری آمد سے بے خبر تھے۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے کھیا نے اپنا خنجر والا ہاتھ گھمایا اور لڑکی پر جھکنے لگا۔

یہی موقع تھا کہ میں اپنی آمد کا اعلان کردوں۔ چنانچہ میں بلند آواز سے چیخا:

''یہ کیا ہورہا ہے......؟ کیا کررہے ہو تم لوگ......؟''

وہ دونوں بری طرح اچھل کر گھومے۔ عین اسی وقت امرناتھ اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے گاؤں کے کئی اور لوگ بھی تھے۔ بوڑھے دادو بھی ان میں شامل تھے۔

کھیا اور گوشی کے چہروں پر حیرتوں کا طوفان امڈ آیا تھا۔ دوسرے لوگوں کی بہ نسبت مجھے یہاں دیکھ کر تو ان کی آنکھیں پلکیں جھپکنا بھول گئی تھیں۔

''تم...... تم...... زندہ...... زندہ ہو......؟'' گوشی نے بمشکل جملہ پورا کیا۔

عین اسی وقت کھیا کے ہاتھ سے خنجر چھوٹ کر فرش پر گر گیا۔ پھر وہ خود بھی لہرایا اور فرش پر آرہا۔ یا تو وہ مکر کررہا تھا، یا واقعی بے ہوش ہوچکا تھا۔

''ساتھیوں......!'' میں نے امرناتھ وغیرہ کو مخاطب کیا: ''تمہارے دشمن حاضر ہیں...... ان لوگوں کے ساتھ جو چاہے سلوک کرو...... یہ شیطان کے پجاری ہیں۔ گاؤں کی جوناریاں اب تک

غائب ہوئی ہیں، وہ ان ہی دونوں نے شیطان کو بھینٹ کی ہیں۔ وہ بے چاریاں تو اب اس دنیا میں نہیں رہیں، لیکن ان کو بھینٹ کرنے والے تم لوگوں کے سامنے ہیں۔ اس ناری کا جیون تھا، ورنہ ٹھیک بارہ بجے اسے بھی ذبح کر دیا جاتا......

''کتے کی اولاد......شیطان کی نسل......حرام زادے......!'' امرناتھ وغیرہ مغلظات بکتے ہوئے آگے بڑھے اور ان دونوں پر ٹوٹ پڑے۔

جس کی جہاں سمجھ میں آ رہا تھا، وہ وار کر رہا تھا۔ ہر کوئی خوں خوار ہو رہا تھا۔ میں ان سب الگ ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ لوگ بے ہوش مکھیا کو بھی نہیں بخش رہے تھے اور فی الحال میں چاہ بھی یہی رہا تھا کہ وہ لوگ اپنے دل کی تھوڑی سی بھڑاس نکال لیں۔

یہ بھی اچھا ہی تھا کہ تمام لوگوں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا، ورنہ مکھیا نے جس طرح اپنی دھاک لوگوں پر بٹھا رکھی تھی، اس بناء پر انہیں زبانی یقین دلانا اتنا آسان نہ ہوتا......

اب ان دونوں مجرموں کے گرد لوگوں کا گھیرا تھا، حد تو یہ تھی کہ بوڑھے دادو بھی اچھل اچھل کر وار کر رہے تھے۔ لوگ گالیاں بھی بک رہے تھے، ایک شور بپا تھا۔

اب مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ لوگ ان دونوں کو جان سے ہی نہ مار ڈالیں۔ چنانچہ میں فوراً ہی چلایا:

''بس کریں آپ لوگ......انہیں جان سے نہیں مارنا......ابھی ان سے بہت سی باتیں معلوم کرنی ہیں......پھر انہیں قانون کے حوالے کرنا ہے......بس اب چھوڑ دیں انہیں......بھگوان کے لئے......!''

لیکن ان لوگوں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ عین اسی وقت کئی آدمی الٹ کر گرے اور گوشی بڑی تیز رفتاری سے ان کے درمیان سے نکل کر دروازے کی طرف لپکا۔ وہ خون میں لہولہان تھا۔

''رکو......رک جاؤ......'' میں چیخا اور پھر جتنی دیر میں، میں ریوالور سیدھا کرتا۔ وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

سبھی ہکا بکا تھے، پھر جیسے انہیں ہوش آ گیا اور وہ بھی دروازے کی طرف جھپٹے۔

تھوڑی ہی دیر میں ہال خالی تھا، اب یہاں صرف میں، بے ہوش زخمی مکھیا اور وہ بے ہوش لڑکی موجود تھے۔ باقی سب ہی گوشی کے پیچھے دوڑ پڑے تھے۔

گوشی نے اس موقع پر بھی......دھوکا دے دیا تھا......کتنا کائیاں تھا وہ۔

گوشی، چھلاوے کی طرح غائب تھا۔ دروازے سے باہر نکلنے کے بعد وہ کسی کو دکھائی نہ دیا۔ حالانکہ امرناتھ وغیرہ نے بھی کم پھرتی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ لیکن امرناتھ کے مطابق، ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے سرنگ نگل گئی۔

مکھیا اب بھی بے ہوش تھا، البتہ لڑکی کو ہوش آ چکا تھا۔

جب اسے صورت حال کا اندازہ ہوا، تو وہ بری طرح بوکھلا گئی، اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔

میرے علاوہ سبھی اسے جانتے تھے، وہ رام لکھن نامی ایک کسان کی لڑکی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد جب اس نے مجمع دیکھا تو وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

بوڑھے دادو نے بڑی مشکل سے اسے سنبھالا تھا۔ پھر وہ ذرا سنبھلی تو اس نے اٹک اٹک کر کہا:

''بھگوان کے واسطے...... بابو کو مت بتائیے گا ورنہ وہ مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔''

''جان سے تو تم پہلے ہی چلی جاتیں......'' بوڑھے دادو نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا: ''وہ تو ساون بابو کا احسان مانو کہ تم بچ گئیں۔''

''تم گوشی سے کب سے مل رہی تھیں......؟'' میں نے لڑکی کو مخاطب کیا۔

لڑکی نے چونک کر مجھے دیکھا اور سر جھکا لیا:

''بتاؤ جمنا......! ساون بابو جو پوچھ رہے ہیں...... بتادو......!'' کسی نے میری حمایت لی۔

''کچھ دن پہلے...... میں ندی پر پانی بھرنے گئی تھی۔'' اس نے بتایا: ''وہ مجھے وہیں ملا تھا، اس نے مجھ سے کچھ ایسی باتیں کیں، کہ میں...... اس کی باتوں میں آ گئی۔ پھر وہ مجھ سے ملتا رہا۔ وہ مجھے چیزیں بھی کھلاتا تھا......''

''کیا کھلاتا تھا......؟'' میں نے اس کی بات کاٹی۔

''کبھی سموسے...... کبھی آلو پوری...... کبھی کچھ...... میں اس کی بالکل دیوانی ہو چلی تھی، جو وہ کہتا...... وہی کرتی...... جس وقت بلاتا...... اسی وقت آتی...... پھر اس نے کہا کہ وہ مجھے شہر لے جائے گا...... اور ہم دونوں شہر میں خوب گھومیں گے، پھریں گے اور پھر بیاہ رچالیں گے۔ پھر دو دن پہلے اس نے اچانک ہی مجھے کہا کہ پرسوں رات میں تیار رہنا...... رات والی گاڑی سے شہر چلنا ہے...... اس نے یہ بھی کہا کہ باپو اور ماتا کے سونے کے بعد میں تیار ہو کر دروازے پر ہی کھڑی ہو جاؤں۔ پھر ہم دونوں فوراً ہی نکل جائیں گے۔''

''تمہیں معلوم نہیں تھا کہ رات کے وقت کوئی گاڑی شہر نہیں جاتی......؟'' میں نے اسے گھورا۔

''مجھے کچھ بھی نہیں معلوم...... وہ مجھے اچھا بھی نہیں لگتا تھا، پھر بھی میں اس کی ہر بات مانتی تھی...... نہ جانے اس نے مجھے کیا گھول کر پلایا تھا......'' لڑکی کے انداز میں افسردگی اور بے چارگی تھی۔

میں نے سوچ میں گم انداز میں سر ہلا کر شیطان کے مجسمے پر نظریں جمادیں۔ ہال میں جو کچھ ہوا تھا، مجھے لگا کہ وہ مجسمہ اس پر ناخوش ہے اور اب مجھے غصہ بھری نگاہوں سے گھور رہا ہے۔

اب میں امرناتھ کی طرف متوجہ ہوا:

''قریب میں کوئی پولیس اسٹیشن ہے......؟''

''ہاں...... ہے...... دو کوس دور...... کیوں......؟'' وہ چونک کر بولا۔

''کچھ آدمی وہاں بھیج کر پولیس بلالاؤ......''

''چھوڑو ساون بابو پولیس کے چکر کو......'' کسی نے کہا: ''ہم اسے خود ہی زمین میں زندہ گاڑ دیں گے...... اور اس گوشی کو بھی ڈھونڈ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے...... ہاں......''

''میں تو اس راکھشس گوشی کو نہیں چھوڑوں گا......'' امرناتھ نے دانت پیسے: ''وہی میری بہن کا خونی ہے...... وہی ہے......''

''فی الحال جو میں کہہ رہا ہوں، آپ لوگ وہی کریں۔'' میرا لہجہ ذرا سخت ہوگیا: ''پولیس کے آدمیوں کو یہاں لانا ضروری ہے...... ابھی تو مکھیا بھی ایک کہانی سنائے گا...... جو مکھیا کی اپنی کہانی ہوگی......!''

☆......☆......☆

نیند کے مارے میری آنکھیں شدید بوجھل ہو رہی تھی، لیکن مجھے پولیس والوں کے انتظار میں وہاں رکنا پڑا۔

آخر کار تقریباً ایک گھنٹے بعد پولیس کی دو لاریاں وہاں آ پہنچیں۔ تھانے کا انچارج کافی سمجھدار آدمی تھا۔ اس نے کم وقت میں صورت حال کا اندازہ کرلیا۔

یہ ہال...... اسی حویلی کے نیچے بنا ہوا ایک تہہ خانہ تھا۔ یہ تہہ خانہ شاید انگریزوں ہی کے زمانے کا بنا ہوا تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کا یہ مصرف بھی ہوسکتا ہے۔ اس میں اتنا گھناؤنا کام بھی ہوسکتا ہے۔ اس سرنگ کا استعمال بھی خوب سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ ناریاں اسی

سرنگ کے ذریعے قربان گاہ (ہال) میں لائی جاتی تھیں۔

لڑکی کو اس کے گھر بھیج دیا گیا، اس کا کاغذی بیان بعد میں لیا جاتا۔ گوشی تو فرار ہو چکا تھا۔ کھیا کو بے ہوشی کی حالت میں ہی حراست میں لے لیا گیا۔

خنجر وغیرہ بھی اٹھا لیا گیا تھا۔ اس جانب سے فارغ ہونے کے بعد انچارج میری طرف متوجہ ہوا۔ وہ مجھ سے کافی متاثر دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے بطور کالم نگار کے اس سے اپنا تعارف کروایا تھا۔

''یہ شیطان کا مجسمہ ابھی یہیں رہے گا۔'' انچارج نے مجھے بتایا: ''کیونکہ ابھی اخبار والے بھی آئیں گے...... ویسے آپ نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے......''

''یہ تو آپ بھی کر سکتے تھے......'' میرا انداز تیکھا تھا: ''گم شدہ ناریوں کی رپورٹیں تو آپ کے پاس ہی درج ہوئی ہوں گی......''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں......'' وہ جلدی سے بولا: ''لیکن ان گاؤں گوٹھوں میں اس قسم کے کیس اکثر ہوتے رہتے ہیں...... خیر چھوڑیں......! میں کھیا کو لے جا رہا ہوں...... آپ صبح تھانے میں تشریف لے آیئے گا...... اس کا زبانی بیان آپ کے سامنے ہی لیا جائے گا...... اب ہم پوری کوشش کریں گے کہ گوشی کو پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالیں...... مجھے پوری امید ہے کہ وہ بھی جلد ہی جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوگا......!''

☆......☆......☆

دوسرے دن میں ذرا دیر سے سو کر اٹھا تھا۔ امرناتھ کو میں نے اپنے قریب ہی بیٹھا ہوا پایا۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ رویا بھی تھا، اس کے چہرے پر بے پناہ اداسی اور افسردگی پھیلی ہوئی تھی۔

میں نے اسے اس وقت چھیڑنا مناسب نہ سمجھا، میں نے چپ چاپ بستر چھوڑا اور غسل خانے میں گھس گیا۔

نہا دھو کر باہر آیا۔ تو وہاں ناشتہ موجود تھا، شاید ریکھا رکھ کر گئی تھی۔ امرناتھ اب بھی اسی طرح بیٹھا تھا:

''آؤ امرناتھ...... ناشتہ کر لو......'' میں نے اسے دعوت دی: ''پھر تھانے بھی چلنا ہے...... تاکہ کھیا کا بیان سن سکیں...... ابھی تو یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ ناریوں کو مار ڈالنے کے بعد وہ ان کا کیا کرتے تھے...... اف بھگوان......! وہ دونوں انسان تھے کہ درندہ......؟''

''درندہ تو میں بھی ہوں گرو......!'' امرناتھ نے سرد آہ بھری۔
''میں نے بھی اب تک نہ جانے کتنے معصوم انسانوں کے ساتھ انیائے کیا ہے...... کتنے لوگوں کا جیون اجاڑا ہے...... میں بھی تو درندہ ہی ہوں......''
''آؤ...... ناشتہ کرو......'' میں نے جان بوجھ کر اس کی بات نظر انداز کر دی۔
''مجھے بھوک نہیں ہے گرو...... میں اپنی بہن کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں...... اپنی پیاری بہن کرشنا کو......''
''دل کو مضبوط رکھو امرناتھ......'' میں نے اسے تسلی دی: ''تمہاری بہن سورگ واسی ہے...... وہ تمہارے دل میں اب بھی زندہ ہے...... اور ہمیشہ زندہ رہے گی......''
''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے گرو......!'' دفعتاً امرناتھ نے عجیب سے لہجے میں کہا: ''جیون کا ایک اہم ترین فیصلہ......!''
میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
''کیسا فیصلہ......؟'' میں نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔
''میں آج سے اپنے پیشے کو خیر باد کہہ رہا ہوں......'' امرناتھ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا: ''میں نے اپنے اندر کے ڈاکو کو بھی ذبح کر دیا، اب میں صرف امرناتھ ہوں...... صرف امرناتھ...... میں آج سے رام کا بھگت ہوں...... اس کا پجاری ہوں...... اسی لئے ڈاکوؤں کے سردار کو بھگوان کے نام پر میں نے قربان کر دیا...... جیسے گوشی اور لکھیا نارائن نے شیطان کے لئے میری بہن کو قربان کیا تھا...... یہ سب میرے کرموں کا پھل ہے...... میں نے شیطان بن کر دنیا کو برباد کیا، جواب میں ایشور نے شیطان کے ذریعے میرا گھر برباد کروا دیا...... آہ...... جیسی کرنی ویسی بھرنی......''
''تمہارا یہ فیصلہ مجھے بہت پسند آیا امرناتھ......'' میں نے خوشی کا اظہار کیا: ''تم نے دیر سے سہی، لیکن بالکل صحیح فیصلہ کیا...... صبح کا بھولا اگر شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے...... اور اب جبکہ تم نے اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے تو میں یہ بھی چاہوں گا کہ اب تم مجھے گرو نہیں بلکہ ساون کہہ کر مخاطب کرو گے......''
''یہ نہیں ہوسکتا گرو......'' اس نے نفی میں سر ہلایا: ''تم تو میرے گرو ہی رہو گے، میں تمہارا نام لے کر تمہاری بے ادبی نہیں کر سکتا...... تم نے میرے دل میں اپنے لئے وہ مقام بنا لیا ہے...... جسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔''

''پھر بھی آج سے تم میرے لئے سگے بھائی سمان ہو، میں تمہیں اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہوں۔''
میں نے جواب دیا۔

''کیوں مجھے شرمندہ کر رہے ہو گرو......!'' امرناتھ کی آواز کپکپانے لگی: ''کہاں تم......
اور کہاں میں......''

''میں بھی اسی کمرے میں ہوں اور تم بھی......'' میں مسکرایا: ''اب آؤ اور اپنے گرو کی بات
مانو، ناشتہ کرلو...... پھر ہمیں تھانے بھی چلنا ہے، جلدی آؤ، دیر مت کرو......''!

میری بات سن کر امرناتھ نے چند لمحے سوچا اور پھر ایک طویل سانس لے کر ناشتے کی طرف
ہاتھ بڑھادیا۔

میرے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆......☆......☆

تھانے کے انچارج نے مجھے اور امرناتھ کو فوراً ہی اپنے کمرے میں بلوالیا تھا۔

یہاں اخبار کے دو رپورٹر بھی موجود تھے، انچارج نے میرا ان سے تعارف کروایا۔ وہ لوگ
غائبانہ مجھ سے واقف ہو چکے تھے اور رات والے معاملے کے متعلق مجھ سے معلومات حاصل کرنا
چاہتے تھے جو کچھ ہوا تھا، وہ میری زبانی سننے کے خواہش مند تھے۔

میں نے مختصراً انہیں تفصیل بتائی، پھر میرے کہنے پر نارائن کو وہاں بلایا گیا۔ گاؤں کے مکھیا
نارائن کو......!

تھوڑی دیر بعد مکھیا کو دو سپاہی لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ میں نے مکھیا کو دیکھا
اور مجھے یوں لگا جیسے گذری ہوئی رات نے اس کے جسم سے لہو کی بوند بوند نچوڑ لی ہو۔

اس کا چہرہ انتہائی زردی مائل ہو رہا تھا، آنکھیں ویران تھیں اور کسی ایک ہی سمت میں ٹکی ہوئی
تھیں وہ خالی خولی انداز میں خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا، کسی قسم کے بھی
تاثر سے خالی، کسی بے جان لاش کی طرح......

''تمہیں یہاں بیان دینے کے لئے بلایا گیا ہے......'' انچارج نے بلند آواز سے اسے
مخاطب کیا: ''چلو شروع ہو جاؤ......''

نارائن خاموش ہی رہا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو:

''میں تم سے کہہ رہا ہوں مسٹر نارائن......!''

''میں سن رہا ہوں......'' اس کے ہونٹ ہلے: ''مجھے...... پھانسی تو ہو جائے گی نا انسپکٹر......!

میں اب یہی چاہتا ہوں کہ اس دنیا میں ایک سانس بھی نہ لوں...... میں مرنا چاہتا ہوں...''

''تمہاری یہ خواہش بھی جلد ہی پوری ہو جائے گی......'' انچارج کا لہجہ زہرخند تھا: ''پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ اتنا گھناؤنا اور بھیانک جرم کیوں کر رہے تھے......؟ اور اب تک کتنی معصوم ناریوں کا تم نے خون بہایا ہے......''

''بارہ ناریوں کا......'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا: ''کل تیرہویں ہوتی......''

''اف بھگوان......!'' کسی نے خوف زدہ آواز میں کہا: ''یہ انسان ہے یا درندہ......! یہ کام کرتے وقت اس کا دل نہیں لرزا......؟''

''اپنی ضرورت کے تحت مجھے درندہ بننا پڑا......'' نارائن نے جواب دیا: ''اور ضرورت انسان کو کبھی کبھی درندہ بھی بنا دیتی ہے۔''

''تم نے ایسا کیوں کیا......؟'' انچارج نے پوچھا۔

''اپنی مردانہ شکتی کے لئے میں نے ایسا کیا...... میں اندرونی طور پر بالکل ناکارہ ہوں، میں شادی کے قابل نہیں ہوں......'' اس نے صاف تسلیم کیا۔

اس انکشاف پر میں نے اسے چونک کر دیکھا۔

''تو کیا ناریوں کی جان لینے سے مردانہ شکتی مل جاتی ہے......؟'' انچارج کا لہجہ مذاق اڑانے والا تھا۔

''گوشی تو یہی کہتا تھا......'' وہ آہستہ سے بولا: ''وہ شیطان کا پجاری تھا، اس نے کہا تھا کہ شیطان کے چرنوں میں چودہ ناریوں کو قربان کر کے مردانہ شکتی حاصل کی جا سکتی ہے۔''

''تم نے اس کی اس بات کو کیسے مان لیا......؟'' کسی کو ذبح کرنا کتنا مشکل کام ہے...... اس نے کہا اور تم نے کر دیا......؟ واہ......!''

''یہ میں نہیں جانتا کہ میں اس کی باتوں میں کیسے آ گیا......!'' اس نے جواب دیا: ''وہ دو سال پہلے ملا تھا، آہستہ آہستہ اس نے مجھ سے تعلقات بڑھائے، مجھے ہر طرح سے اپنے اعتماد میں لے لیا، میں اس پر اتنا بھروسہ کرنے لگا کہ میں نے اپنے کاروباری معاملات بھی کافی حد تک اسے سونپ دیئے۔ پھر ایک دن...... میں نے اسے اپنی بیماری کے متعلق بھی بتا دیا، جس کا میں ہر طرح سے علاج کروا چکا تھا...... لیکن مجھے رتی بھر بھی فائدہ نہ ہوا تھا۔ گوشی نے میری بات سن کر ایسا تاثر دیا، جیسے اسے بہت دکھ پہنچا ہے۔ پھر اس نے میری اچھی طرح جانچ کی، میری بیماری کو دیکھا بھالا اور کہنے لگا۔

''لکھیا جی......! کام ذرا مشکل تو ہے، لیکن اگر آپ نے کرلیا، تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ کی مردانہ شکتی لوٹ آئے گی......اور پھر پوری زندگی یہ شکتی برقرار رہے گی۔''

''کیا واقعی......؟ میرے ساتھ ایسا ہوسکتا ہے......؟'' میں نے خوشی سے اچھلتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل......اس میں کوئی شک نہیں ہے لکھیا جی......!'' اس نے اعتماد سے کہا تھا۔

''کیسے......؟ یہ کس طرح ہوگا......؟ میں نے بے تاب ہوکر پوچھا۔

اس دھرتی پر ایک ایسی شکتی موجود ہے، جسے خوش کردیا جائے تو من اور تن کی ہر کامنا پوری ہوجاتی ہے......اس نے کہا

''کون ہے وہ......؟'' میں نے پوچھا۔

''دشت (شیطان)......!'' اس نے جواب دیا۔

''دشت......!!'' میں نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں......دشت......'' اس نے سر ہلا کر کہا: ''میں اس کا پجاری ہوں......''

''تم......تم......دشت کے پجاری ہو......؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں......'' وہ مسکرایا: ......لیکن میں جب سے دشت کا چیلا بنا ہوں، دنیا بھر کی آسائشیں میرے قدموں میں ڈھیر ہوگئی ہیں......اور میں شکتی شالی ہوگیا ہوں......''

''مجھے کرنا کیا ہوگا......؟'' میں نے پوچھا۔

''چودہ ناریوں کو قربان کرنا ہوگا......دشت کے چرنوں میں......'' اس نے بتایا۔

''چودہ ناریوں......!!!'' میں ہکا بکا رہ گیا۔

''ہاں......مدت 3 سال ہوگی......لیکن جس رات کو ناری قربان کی جائے گی، وہ رات پورن ماشی کی ہونی چاہیے۔''

''لیکن......لیکن......''

''لیکن ویکن کچھ نہیں......'' اس نے میری بات کاٹی: ''اس کے علاوہ تمہارا اعلاج کسی طریقے سے نہیں ہوسکتا' جیسے ہی چودھویں ناری قربان ہوگی، تمہیں مردانہ شکتی مل جائے گی......''

''ناریاں کہاں سے آئیں گی......؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ تمہارے ہی گاؤں کی ہوں گی......'' اس نے بتایا۔

''اور اگر......گاؤں والوں کو خبر ہوگئی تو......؟'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''انہیں قطعی معلوم نہ ہوگا......'' اس نے کہا: ''اس کی چنتا نہ کرو......اور ناریاں بھی میں ہی تمہیں لاکر دوں گا......تمہارے پاس اس کام کے لئے بہت موزوں جگہ ہے......یعنی حویلی کا تہہ خانہ اور سرنگ......سارا معاملہ نہایت آسانی سے طے ہو جائے گا......

میں نے حامی بھرلی، پھر گوشی نے شیطان کا مجسمہ بھی کسی طرح تہہ خانے میں پہنچا دیا، تہہ خانے کا ایک راستہ حویلی سے باہر بھی نکلتا ہے۔

گوشی خود بھی شیطان کی پوجا کرتا تھا اور مجھ سے بھی کرواتا تھا اور پھر......ہم دونوں نے مل کر وہ بھیانک کام انجام دینا شروع کر دیا......پہلی دفعہ یہ کام کر کے میں دو دن تک سو نہ سکا تھا...... لیکن پھر آہستہ آہستہ میں اس کا عادی ہوتا چلا گیا۔

گاؤں والے ظاہر ہے کہ اس افتاد سے پریشان اور خوف زدہ ہو گئے تھے، چنانچہ میں نے گوشی کے کہنے پر اپنا رویہ گاؤں والوں سے اس طرح رکھا، جیسے میں خود بھی ان کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔

گاؤں والوں کو دکھانے کے لئے میں شہر سے چند فراڈی قسم کے لوگوں کو لے آتا تھا' جو سادھوؤں وغیرہ کا بہروپ بھر کر آتے تھے اور گاؤں والوں کو جھوٹی تسلیاں دے کر اور الٹی سیدھی پٹی پڑھا کر چلے جاتے تھے۔

اور پھر جب سوامی جی......یعنی ساون کمار اس گاؤں میں آئے، تو مجھ سے بھی ملے، اس وقت گوشی نے بھی انہیں دیکھا، بعد میں اس نے مجھے بتایا کہ ساون نامی یہ آدمی مجھے کافی خطرناک دکھائی دیتا ہے......ہوسکتا ہے کہ یہ معاملے کی تہہ تک پہنچ جائے۔ اس لئے اس کو ٹھکانے لگانا ضروری ہے، چنانچہ میرے منع کرنے کے باوجود گوشی نے ساون کمار کو شکار والے دن اپنے ساتھ لے جا کر اندھے کنوئیں میں دھکا دے دیا۔

اس رات بھی میں نہ جانے کیوں بہت بے چین رہا، حالانکہ گوشی نے مجھے ہر طرح سے تسلی دی تھی کہ وہ اپنے ہاتھوں سے ساون کمار کو کنوئیں میں دھکیل کر آیا ہے......اور پھر جو کچھ ہوا، وہ سب کے سامنے ہے۔''

اتنا کہہ کر نارائن خاموش ہوگیا، کمرے پر موت کا سا سناٹا طاری تھا، ہر کوئی اپنی سوچ میں گم تھا۔ پھر مجھے خیال آیا اور میں نے نارائن کو مخاطب کیا:

''مردہ ناریوں کا کیا کرتے تھے تم لوگ......؟''

''تہہ خانے میں ہی ایک گٹر کی لائن ہے......ان کا شریر......'' نارائن خود بھی بولتے بولتے

رک گیا۔

دوسروں کے بارے میں تو میں کہہ نہیں سکتا، البتہ مجھے ضرور ایک زبردست قسم کی جھرجھری آ گئی تھی......اف بھگوان......! بعض انسان، کتنے سفاک اور درندہ صفت ہوتے ہیں......

''گوشی کہاں ملے گا......؟'' انچارج کی آواز آئی۔

''مجھے نہیں معلوم......'' نارائن نے ایک طویل سانس لی۔ پھر وہ کسی خیال کے تحت یک بیک ہی ہنسا تھا: ''حالانکہ میں بے حد ڈرپوک اور بزدل انسان ہوں......لیکن شیطان نے مجھ سے کیسا کام لیا تھا......ایک ایسا کام......جو بڑے بڑے سورما نہیں کر سکتے......ہاہاہا......'' لیکن......ادھورا کام......ادھورا......''

وہ ہنستا رہا......ہنستا رہا......یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مدہوش ہو رہا ہو......گردوپیش سے بالکل بے خبر......

سب لوگ اس کی شکل ہی دیکھتے رہ گئے۔ کمرے میں ایک بوجھل سی فضاء طاری ہونے لگی۔

میں نے امرناتھ کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا، اب یہاں میرا کام ختم ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

میں امرناتھ کے ساتھ واپس آ گیا......نہ جانے کیوں میرے قدم بوجھل سے ہو رہے تھے۔

جیسے ہی ہم دونوں دروازے کے پاس پہنچے، کسی جانب سے ایک چھوٹا سا بچہ نکل کر ہمارے سامنے آ گیا۔ امرناتھ نے اس سے پوچھا:

''کیا ہوا گامو......؟ کیا بات ہے......؟''

''یہ چٹھی ہے......'' اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا ایک پرچہ اس کی طرف بڑھایا: ''وہ......ادھر......گلی کے کونے پر ایک آدمی نے دی تھی، اس نے کہا تھا کہ یہ چٹھی امرناتھ جی کو دے دینا......''

امرناتھ نے پرچہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ لیکن جیسے ہی امرناتھ نے اس پر نظر ڈالی، یوں لگا جیسے اسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

اس نے جلدی سے پرچہ مجھے تھمایا اور بچے سے پوچھا:

''کدھر تھا وہ آدمی......؟''

''ادھر......کونے پر......'' بچے نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔

''کیا ہوا......؟'' میں ابھی تک حیران تھا۔

''میں آتا ہوں گرو......'' یہ کہہ کر امرناتھ نے دوڑ لگا دی۔

اب میری حیرت اور بڑھی، میں نے جلدی سے پرچہ کھولا، اس میں تحریر تھا:

''ابھی میرے پاس ایسے کئی اور خنجر ہیں، میں دشت کا پجاری ہوں اور تم دشت کے دشمن، اس لئے مسٹر ساون کمار......! تم میرے بھی دشمن ہو، تم نے میرے منصوبے پر پانی پھیر دیا، اسے تباہ و برباد کر دیا۔ اگر چودہ ناریاں پوری ہو جاتیں، تو مجھے شکتیاں مل جاتیں، میں دشت کا خاص بھگت ہو جاتا، لیکن تم نے میرا یہ سپنا پورا نہیں ہونے دیا۔ فی الحال تو میں جا رہا ہوں، لیکن میں نہ تو تمہیں بھول سکوں گا اور نہ ہی تمہارا پیچھا چھوڑوں گا۔ ایک دن میں تم سے بدلہ ضرور لوں گا...... مجھے دشت کی سوگندھ ہے اور امید ہے کہ وہ دن بھی جلد ہی آئے گا۔

گوشی۔

میں نے نام دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔ بچہ جا چکا تھا تھوڑی دیر بعد امرناتھ بھی سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اس نے دوڑ بھی لگائی ہوگی۔

اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ اس نے آتے ہی بے ربط سے انداز میں بولا: ''بھاگ گیا سالا...... کتے کی اولاد...... حرامی...... ہاتھ لگ جاتا تو اس کے جسم کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالتا...... وہیں ذبح کرتا سالے کو......''

''شانت ہو جاؤ امرناتھ......'' میں نے اس کا کندھا تھپکایا: وہ بھی اپنے انجام کو ضرور پہنچے گا، کیونکہ اصل مجرم تو وہی ہے...... اس چٹھی سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اس نے کھیا کو محض آلہ کار بنایا تھا...... کم بخت غضب کا ذہین ہے۔ کس طرح اپنا کام نکال رہا تھا......!''

امرناتھ کا چہرہ بگڑا رہا، شاید وہ اب تک تاؤ کھا رہا تھا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن کی صبح ایک اور خبر لائی۔ جسے سن کر نہ جانے کیوں مجھے دکھ سا ہوا......!

یہ خبر نارائن کی موت کی تھی، وہ حوالات میں مردہ پایا گیا تھا، اس کی موت پراسرار سہی...... لیکن قطعی قدرتی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں ساکت ہو گئی تھیں۔

ایک بے آرزو شخص، بے آرزو موت مر گیا تھا۔ میں کافی دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر میں نے امرناتھ سے کہا:

''اب میں واپس بمبئی جاؤں گا امرناتھ......! اتنے دن گذر گئے...... اب اپنا شہر یاد آ رہا ہے......''

''چلے جانا گرو......! جلدی کا ہے کی ہے......؟ وہاں کون سے تمہارے بیوی، بچے رو رہے ہونگے......''

''کہہ تو تم ٹھیک ہی رہے ہو امرناتھ......لیکن تم نہیں جانتے کہ میرے ساتھ بھی کتنے مسئلے مسائل ہیں، جب تم نے مجھے بلایا تھا، تو اس وقت بھی صرف کامنی کی وجہ سے مجبوراً مجھے آنا پڑا...... ورنہ میں ہرگز نہ آتا......''

''میرے لائق کوئی کام ہو تو بتاؤ گرو......!'' امرناتھ نے سینہ ٹھونکتے ہوئے کہا: ''امرناتھ تمہارے لئے جان بھی دے دے گا۔''

''تم نے یہ کہہ دیا......اتنا ہی کافی ہے......'' میں نے آہستہ سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ زبانی جمع خرچ نہیں ہے گرو......!'' امرناتھ نے مجھے گھورا: ''موقع ملا تو امرناتھ اسے ثابت بھی کر دے گا۔''

عین اسی وقت امرناتھ کی بیوی ریکھا کمرے میں داخل ہوئی اور دوپٹہ سنبھالتی ہوئی بولی:

''باہر لوگ کھڑے ہیں......وہ کہتے ہیں کہ سوامی جی سے ملنا ہے......ان کے درشن کرنے ہیں......؟''

''سوامی جی......؟'' میں نے زیرِ لب دہرایا اور سوالیہ نظروں سے امرناتھ کی طرف دیکھا۔ وہ بے ساختہ ہنس کر بولا:

''لو گرو جی......! خود کو ہی بھول گئے تم......؟ بھئی تم ہی تو سوامی جی ہو......تم نے گاؤں والوں کو اتنے بڑے کشٹ سے نکالا ہے......اب وہ تمہارے درشن بھی نہ کریں......!''

میں نے مصنوعی غصے سے اسے گھورا۔ کیونکہ اب یہ مرحلہ بھی طے کرنا تھا۔

گاؤں والوں سے نمٹتے نمٹتے شام ہی ہو چلی تھی۔ پھر میں نے امرناتھ کی التجا کو ہوا میں اڑاتے ہوئے اپنا سامان سفر سمیٹنا شروع کر دیا۔ وہ اس وقت بھی میرے سر پر سوار تھا۔ حد تو یہ تھی کہ اس کی بیوی ریکھا بھی بہ ضد تھی کہ میں ابھی نہ جاؤں۔

''یار امرناتھ......! سمجھنے کی کوشش کرو......'' میں افسردگی سے بولا: ''مجھے بمبئی میں بہت ضروری کام ہے......اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں......!''

''میں کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں۔'' وہ منہ بنا کر بولا: ''مجھے سب سمجھ میں آتا ہے۔ جیسے مجھے اس وقت صاف معلوم ہو رہا ہے کہ تم مجھ سے جان چھڑا کر بھاگنے کی کوشش کر رہے ہو......''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے......'' میں نے طویل سانس لی: ''اگر ایسا ہوتا، تو میں کبھی کا بھاگ

نکلا ہوتا......"

میری بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ کیونکہ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ "میں دیکھتا ہوں......" امرناتھ نے کہا۔

میں اس وقت اپنے سفری بیگ میں سامان سیٹ کر رہا تھا اور امرناتھ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی واپسی ہوئی، تو وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک عمر رسیدہ عورت اور ایک چھ یا سات سال کا بچہ بھی تھا، بچہ کافی خوبصورت تھا اور شرارتی بھی دکھائی دیتا تھا۔

"گرو......! یہ برابر والے گاؤں سے آئی ہیں......تم سے ملنا چاہتی ہیں......" امرناتھ نے مجھے مخاطب کیا۔

میں نے بوڑھی عورت کو سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے نمستے کیا۔ نہ جانے کیوں کچھ شرمندہ شرمندہ سے انداز میں انہوں نے مجھے جواب دیا تھا۔

"ماتا جی......! آرام سے بیٹھ جاؤ......" امرناتھ نے ان سے کہا: "تم دور سے آئی ہو...... تھکی ہوگی......"

بوڑھی عورت بچے کو لے کر تخت پر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے میری طرف بڑی امید بھری اور حسرت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

"میں بڑی آشا لے کر تمہارے پاس آئی ہوں بیٹا......" اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی: "اب تو من چاہتا ہے کہ یا تو اسے جان سے مار دوں......یا خود مر جاؤں......کیا کروں......؟"

"کون ہے موسی......!" میں نے ازراہ ہمدردی پوچھا: "جس سے آپ اتنی پریشان ہیں......؟"

"میری بیٹی روپا......!" اس نے دکھ بھرے انداز میں جواب دیا۔

ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے سیلاب رواں کے درمیان کہا:

"تم ہی میرے سوئے ہوئے بھاگ جگا سکتے ہو بیٹا......تم نے برا تو نہیں مانا کہ میں نے تمہیں بیٹا کہا......؟"

"بالکل نہیں......" میں جلدی سے بولا: "آپ میری ماتا سمان ہی ہیں......! بتائیں کہ مسئلہ کیا ہے......؟"

"کیا بتاؤں بیٹا......؟" اس نے ایک سرد آہ بھری۔

اس کے ساتھ آنے والا شرارتی بچہ اب تخت سے اترنے کے چکر میں تھا۔ امرناتھ نے اسے گھورا، تو وہ دوبارہ تخت پر ہی چپک گیا۔

''روپا میری اکلوتی اولاد ہے......'' بوڑھی عورت نے پھر کہنا شروع کیا: ''میں نے بڑے مان سے اسے پالا پوسا...... ہر ماں کو اپنی اولاد سندر لگتی ہے، لیکن میری بیٹی واقعی بہت سندر ہے...... اپنی سندرتا کی وجہ سے وہ گاؤں بھر میں پہچانی جاتی ہے۔ لیکن بیٹا......! جب سے وہ جوان ہوئی ہے ......اس کے بھاگ اتنے ہی بدصورت ہیں، جتنی کہ وہ خوبصورت ہے۔ اب تک اس کے پانچ بیاہ ہو چکے ہیں۔''

''پانچ بیاہ......؟'' میں چونکا۔ امرناتھ بھی حیرت سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

''ہاں......'' اس نے سر ہلایا: ''لیکن انہونی یہ نہیں ہے، بلکہ انہونی تو یہ ہے کہ اس کا کوئی بھی پتی زندہ نہیں رہا...... سب مر گئے......! ...... سہاگ رات کو......''

''کیا......!!!'' میرے منہ سے حیرت کے مارے نکلا۔ چند لمحوں تک میں اور امرناتھ ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھتے رہے، پھر امرناتھ نے کہا:

''اس کا کیا مطلب ہوا موسی......! کیا انہیں کسی نے مار ڈالا......؟''

''یہ تو بھگوان ہی جانے......'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری: ''پر...... میری بچی ودوا ہی رہی...... اس کا کسی سے سمبندھ نہ رہ سکا...... اس کی سندرتا پر لوگ مرتے ہیں، اس لئے اس کی شادی بھی ہو جاتی تھی...... لیکن اب...... اس سے کوئی ویواہ کرنے کو تیار نہیں ہے۔ سب لوگ اسے ابھاگن کہتے ہیں...... لیکن...... میری بیٹی ابھاگن نہیں ہے۔''

اتنا کہہ کر بوڑھی عورت نے دوپٹے سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ وہ پھر رونے لگی تھی۔

''تو کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں گاؤں والوں کو یقین دلاؤں کہ آپ کی بیٹی بدقسمت نہیں ہے......؟'' میں نے پوچھا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ میرے پاس کیوں آئی تھی۔

''نہیں بیٹا......!'' اس نے خود کو سنبھالا اور دوپٹہ ہٹاتے ہوئے کہا: ''یہ وشواس تو بھگوان ہی ان کے من میں ڈال سکتا ہے...... لیکن...... بیٹا تم...... دلیپ سے بدلہ ضرور لے سکتے ہو......''

''دلیپ سے......؟'' میں نے دہرایا: ''کون ہے یہ دلیپ......؟''

''گاؤں کا ایک لفنگا...... بدمعاش......'' بوڑھی عورت کے لہجے میں نفرت عود کر آئی: ''سب سے پہلے اسی نے روپا کا ہاتھ مانگا تھا اور میں نے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا۔ بھلا ایک غنڈے

اور موالی آدمی سے میں اپنی بیٹی کی شادی کیسے کر دیتی......؟"

"تو کیا...... آپ کی بیٹی کے جو پتی مرے ہیں، انہیں دلیپ نے مارا ہے......؟"

"ہاں...... اسی نے مارا ہے...... وہ نہیں چاہتا کہ میری بچی سکھی رہے...... روپا کی اس سے سگائی نہ ہو سکی، اس لئے وہ اپنا انتقام لے رہا ہے۔"

بوڑھی عورت نے بتایا۔

"آپ نے پولیس میں رپورٹ کروائی......؟"

"یہ پولیس والوں کے بس کی بات نہیں ہے بیٹا......!"

"کیوں......؟" کیا وہ بہت پہنچ رکھتا ہے...... "کسی بڑے پریوار سے تعلق ہے اس کا......؟"

"یہ بات نہیں ہے......"

"تو پھر کیا بات ہے......؟" اگر اس کے خلاف ثبوت مل جائے، تو پھر وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوگا......

"اس کا جرم ایسا ہے کہ اسے کوئی قانون پکڑ نہیں سکتا......" بوڑھی عورت کی آواز میں حسرت تھی: "اس نے نہ گولی چلائی اور نہ خنجر گھونپا...... اسے کون پکڑ سکتا ہے؟"

"تو پھر...... کیا سب کو اس نے گلا گھونٹ کر مارا ہے......؟" امرناتھ نے پوچھا۔

"نہیں بیٹا......!" بوڑھی نے پھر نفی میں سر ہلایا: "یہ بھی کرتا، تو دل کو قرار تو آتا، وہ تو ایسا کاری وار کرتا ہے کہ نہ ہینگ لگتی ہے اور نہ پھٹکری...... وہ...... وہ کالا منتر کرواتا ہے......!"

"کالا منتر......؟" ہم دونوں کے منہ سے نکلا۔

شرارتی بچہ اب مچل کر بوڑھی عورت سے لپٹنے کی کوشش کر رہا تھا، بوڑھی عورت نے بے خیالی کے عالم میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرا:

"ہاں...... کالا منتر......" بوڑھی عورت پھر بولی: "سارے مرد ایک ہی طرح سے مرے، انہیں خون کی الٹیاں ہوئیں...... ذرا دیر تڑپے اور...... مر گئے......!"

"کیا وہ کالا منتر خود ہی کرتا ہے......؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں......" اس نے نفی میں سر ہلایا: "وہ تو دوسرے گندے کام کرتا ہے...... ہمارے گاؤں میں ہی ایک کالا منتر کرنے والا جوگی ہے...... وہ اس جوگی سے یہ کام کرواتا ہے......"

"اوہ......!" میرے منہ سے نکلا۔ میں سوچ میں ڈوب گیا۔

''چلو گے نا بیٹا میرے ساتھ......؟'' بوڑھی عورت بولی: ''میں تمہاری تعریف سن کر بھاگی بھاگی یہاں آئی ہوں...... اس گاؤں میں روپا کا ایک منہ بولا چاچا رہتا ہے، اسی نے آج صبح ہمارے گاؤں میں آ کر تمہارے متعلق مجھے بتایا...... مجھ سے رہا نہ گیا اور میں دوپہر کو وہاں سے چل پڑی...... یوں بھگوان نے تمہارے درشن کروا دیئے......''

''ٹھیک ہے موسی......'' میں نے آمادگی ظاہر کی: ''آپ اپنے گاؤں پہنچیں، میں چند ضروری کام نمٹا کر آپ کے گھر ضرور آتا ہوں......''

''ساتھ ہی چلو نا بیٹا......!'' بوڑھی کے انداز میں منت تھی۔

''آپ بے فکر رہیں...... میں ضرور آؤں گا......'' میں نے سر ہلایا: ''بس آپ یہ بتا دیں کہ آپ کا گھر کہاں ہے......!''

بوڑھی عورت نے اپنا پتہ اچھی طرح مجھے سمجھا دیا، اس کا نام جمنا تھا۔ پھر وہ وہاں رکی نہیں تھی، امرناتھ نے اسے چائے پانی پلا کر رخصت کیا۔

''امرناتھ......! میں شہر جانا چاہ رہا تھا...... لیکن اب مجھے کچھ وقت لگے گا...... یہ بتاؤ...... یہاں کہیں پر ٹیلی فون کی سہولت ہے......؟''

نارائن کی حویلی میں فون موجود ہے گرو......!'' امرناتھ نے بتایا: ''اور میرے خیال سے تمہیں فون استعمال کرنے سے کوئی نہیں روکے گا...... کیوں......؟؟؟''

☆......☆......☆

میں مکھیا نارائن کی حویلی پہنچ گیا، ایک بار پھر یہاں تھانے کے انچارج سے ملاقات ہو گئی۔ اس کے دو ماتحت بھی اس کے ساتھ تھے۔

اس نے ایک نئی اطلاع دی جو قدرے دلچسپ بھی تھی۔ وہ یہ کہ حویلی کے تہہ خانے سے دشت (شیطان) کا مجسمہ غائب تھا۔

''ہم نے یوں بھی اس مجسمے کو غیر ضروری خیال کیا تھا۔'' انچارج نے بتایا: ''اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ اسے چرانے کی کوشش بھی کی جائے گی، تو ہم کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کرتے۔''

''اس کی اہمیت تو تھی انچارج صاحب......!'' میں مسکرایا: ''اگر نہ ہوتی، تو اس کی وجہ سے اتنی ناریوں کا خون کیوں بہتا......؟''

میرے اس طنز پر وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔ پھر وہ خود ہی بولا: ''میں نے اپنا جال چاروں طرف پھیلا رکھا ہے ساون جی......! یہ ضرور اسی آدمی گوشی کا کام ہے...... بہت جلد وہ پکڑ لیا جائے

گا۔"

میں نے اس کی بات پر خواہ مخواہ سر ہلا دیا۔ میں نے اس سے گوشی کے خط کا ذکر نہیں کیا تھا......اس کا فائدہ بھی کیا تھا......!

کیونکہ میرے اندازے کے مطابق اب گوشی گاؤں میں ہرگز نہیں تھا۔ اگر وہ یہاں رکا بھی تھا، تو صرف اس مجسمے کو اٹھانے کے لئے رکا تھا۔

"یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ شہر میں کہاں رہتا ہے......؟" دفعتاً میں نے انچارج سے پوچھا۔

"میں کوشش تو کر رہا ہوں......" اس نے سر کھجایا: "ہے یہ ذرا مشکل کام......کیونکہ گوشی کے بارے میں صرف نارائن کو ہی معلوم تھا......باقی نوکروں نے گوشی کے بارے میں کسی بھی قسم کی معلومات سے لاعلمی ظاہر کی ہے۔"

"خیر......!" میں نے طویل سانس لی: "میں ایک فون کرنا چاہتا ہوں......کیا یہاں فون میسر ہے......؟"

"بالکل ہے......بالکل ہے......" اس نے جلدی سے کہا۔ پھر وہ اپنے ایک ماتحت سے مخاطب ہوا: "پریم......! ان کو فون والے کمرے میں لے جاؤ......پھر انہیں وہاں چھوڑ کر مکھیا کے کمرے میں آ جانا۔"

پھر وہ دوبارہ میری طرف مڑا:

"میں ذرا نارائن کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں......ہو سکتا ہے کہ وہاں کوئی ایسی چیز مل جائے کہ جس سے گوشی کی نشان دہی ہو سکے......کیا خیال ہے......؟"

جواباً میں نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے ماتحت کے ساتھ ہو لیا۔

☆......☆......☆

میں نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے، جلد ہی سلسلہ مل گیا۔ چند لمحوں بعد ہی مجھے الیاس کی تیز آواز سنائی دی:

"ابے تم آدمی ہو یا گھن چکر؟ تم ہو کہاں......؟" کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں......؟ خدا کی قسم تم نے تو حد کر دی......؟"

وہ اور بھی نہ جانے کیا کیا کہتا رہا۔ میں نہایت سکون سے اس کی باتیں سنتا رہا، پھر میں نے کہا:

"مجھے بھی بولنے کا موقع دے دو......اگر مناسب سمجھو......"

''تم کیا بولو گے......؟'' تنک کر کہا: ''تمہاری نوکری خطرے میں پڑ چکی ہے......
دشوکاز نوٹس تمہیں گھر کا دروازہ کھولتے ہی فرش پر پڑے مل جائیں گے......راؤ صاحب نے
ڈاک کے ذریعے تمہیں بھجوائے ہیں...... بہت بھنائے ہوئے ہیں وہ ......تم ایک ہفتے کی
درخواست دے کر کر گئے تھے اور اب دو ہفتے سے بھی اوپر ہو چکے ہیں......''

راؤ صاحب ہمارے آفیسر تھے، وہ کافی حد تک سخت مزاج اور چڑچڑے پن کا شکار رہتے
تھے۔ یہ واقعی حقیقت تھی، جب سے وہ کتاب میرے ہاتھ لگی تھی، میں آفس سے کافی غیر حاضر
رہا تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے اس کی تائید کی: ''میں اس وقت......''

''پاتال میں ہو۔'' الیاس نے میری بات کاٹی: ''کیوں......ٹھیک کہہ رہا ہوں نا
میں......! کیونکہ اب بس وہیں سے تمہارا برآمد ہونا باقی رہ گیا ہے۔''

''سنو تو......'' میں جھنجھلا سا گیا: ''تم اپنی اپنی ہانکے جا رہے ہو...... ہاں...... پہلے تو یہ بتاؤ کہ
فلوریڈا کا قاتل بھی گرفتار ہوا یا نہیں......؟''

''نہیں......'' جواب ملا: ''بلکہ اب تو شاید پولیس اور سی آئی ڈی والوں کو اس لڑکی کا نام بھی
یاد نہ ہو......''

''ہوں......'' میں نے ہنکارا ابھرا: ''اور کوئی خاص بات......؟''

''ابھی تمہیں بتائی تو تھی خاص بات......بھول گئے......'' الیاس نے تیز لہجے میں جواب دیا۔

''نہیں یاد ہے......'' میں نے کہا: ''اب آفس آتے ہی مجھے راؤ صاحب کا سامنا کرنا پڑے
گا......خیر......جو بھگوان کو منظور......''

''اب یہ بھی بتا دو کہ تم اس وقت ہو کہاں......؟'' الیاس سے رہا نہ گیا۔ میں بے اختیار
مسکرا دیا۔

''پاتال میں ہی تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن بس ستارے اچھے تھے ورنہ پرلوک سدھار
گیا ہوتا......میں اس وقت ایک گاؤں میں ہوں......نام نہیں جانتا۔ بس یہاں آ گیا ہوں......''

''آج ہو جائے گی ناواپسی......؟'' الیاس کی آواز آئی۔

''ابھی کچھ نہیں معلوم......'' میں نے طویل سانس لی: ''یہاں سے ایک اور جگہ کی روانگی
ہے......''

''بس پھر نوکری سے تو ہاتھ ہی دھو کر آنا......'' الیاس نے شاید بھنا کر کہا تھا۔

''اب جو بھگوان کو منظور ہو!''

اس کے ساتھ ہی میں نے ریسیور رکھ دیا۔ اب میرا رخ اس کمرے کی طرف تھا، جہاں تھانے کا انچارج موجود تھا۔

☆......☆......☆

اس گاؤں کا نام 'لادھواں' تھا اور یہ امرناتھ کے گاؤں سے زیادہ مختلف نہ تھا۔

میرا سفری بیگ میرے ہمراہ تھا' امرناتھ کے اصرار کے باوجود میں اسے اپنے ساتھ نہیں لایا تھا۔

''میں وہاں سے بمبئی کا راستہ لوں گا۔'' میں نے اسے بتایا تھا: ''تم اگر ساتھ گئے تو ہوسکتا ہے کہ مجھے دوبارہ یہاں گھسیٹ لاؤ...... اس لئے میں اکیلا ہی جاؤں گا۔''

''مجھ سے اتنے بیزار ہوگئے ہو گرو......!'' اس نے تیکھے انداز سے مجھے دیکھا: ''جان چھڑانا چاہتے ہو...... کیوں......؟''

''یہ بات نہیں ہے امرناتھ......!'' میں نے نفی میں سرہلایا: جو ہونا تھا، وہ تو ہو چکا...... اب یوں بھی تمہیں نئے سرے سے اپنا جیون گذارنا ہے...... اس لئے اب تم سب کچھ فراموش کرکے آگے کی پلاننگ کرو...... اور میں بھی ذرا اگلا قدم اٹھاؤں...... میں جلد سے جلد اپنے ان دیکھے دشمن کے مقابل آنا چاہتا ہوں۔''

''ان دیکھا دشمن......؟'' امرناتھ چونکا: ''کون ہے وہ گرو......؟''

''یہ تو میں بھی نہیں جانتا......'' میں نے طویل سانس لی: ''البتہ یہ ضرور معلوم ہے کہ اس نے میرے پریوار کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا تھا...... زندہ ہی آگ میں جھونک دیا اس نے سب کو......''

''کون ہے وہ کتے کا بچہ......'' امرناتھ طیش میں آ گیا: ''مجھے بتاؤ...... کہاں رہتا ہے وہ......؟''

میں نے چونک کر اس کی شکل دیکھی، یہ بات تو مجھے بھی معلوم نہ تھی۔ سادھو بابا نے صرف سمندر پار کا شبدھ استعمال کیا تھا۔ میری عقل بھی شاید اس وقت گھاس چرنے چلی گئی تھی ورنہ میں آشو کا پتہ تو ان سے ضرور پوچھتا۔ مجھے اس وقت اس بات کا خیال بھی نہیں رہا تھا۔

اور اب اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ مجھے ایک بار پھر سادھو بابا کے پاس دوڑ لگانی تھی...... خیر...... یہ بھی کرنا ہوگا۔

لیکن فی الوقت تو میں بوڑھی عورت کے گاؤں میں تھا۔ مجھے اس کا مکان تلاش کرنے میں

زیادہ وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

گاؤں کے مندر کے بالکل سامنے اس کا گھر تھا' جو دو دروازوں پر مشتمل تھا۔ میرے اندازے کے مطابق مکان دو حصوں پر مشتمل تھا۔ ہوسکتا تھا کہ چھوٹے سے پریوار کی وجہ سے بوڑھی عورت دوسرا حصہ کرائے پر اٹھا رکھتی ہو۔

بہر حال میں نے دروازہ کھٹکھٹا دیا، جو جلد ہی کھل گیا اور دوسرے ہی لمحے میری آنکھوں میں گویا کہکشاں اتر آئی۔ اتنی حسین تھی وہ...... !اوہ! بھگوان...... تیرے بنائے ہوئے حسن کی انتہا آخر کہاں تک ہے......؟

میں نے جیون میں سینکڑوں حسینائیں اور خوبرو لڑکیاں دیکھی تھیں، لیکن دروازہ کھولنے والی اس لڑکی نے سب کا حسن ماند کر ڈالا تھا۔

میں ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھ رہا تھا کہ اس کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی:

''کس سے ملنا ہے بابو......؟''

میں چونک اٹھا، اس کی آواز میں مدھرتا تھی، لیکن کچھ عجیب سا تاثر بھی تھا جسے میں کوئی معنی نہ پہنا سکا۔ میں نے فوراً ہی خود کو سنبھالتے ہوئے کہا:

''موسی سے ملنا ہے...... کیا وہ گھر میں ہیں......؟''

وہ جواب دیئے بغیر گھومی اور اندر چلی گئی، جلد ہی وہی بوڑھی عورت دکھائی دی۔

مجھ پر نظر پڑھتے ہی اس کا چہرہ کھل سا گیا۔ پھر اس نے جلدی سے ادھر ادھر جھانکا اور کسی اور کو نہ پا کر مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

''آؤ...... بیٹا...... اندر آجاؤ......''

میں چند لمحے رک کر اندر چلا آیا۔ اس کمرے میں پلنگ بچھا ہوا تھا۔ بوڑھی عورت نے بڑی لجاجت سے کہا:

''یہاں بیٹھو بیٹا......! تمہاری موسی کے گھر میں کوئی کرسی ورسی تو ہے نہیں۔''

''موسی...... پلنگ سے بہتر کیا چیز ہے......؟ یہ آپ نے کیا بات کر دی......!'' میں مسکراتے ہوئے پلنگ پر ٹک گیا۔

''آرام سے بیٹھو بیٹا...... تمہارا ہی گھر ہے......'' وہ پھر بولی۔

میں نے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا اور ذرا پیچھے کھسک آیا۔ ''میرا دل کہہ رہا تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔'' بوڑھی عورت کی آواز بھرائی ہوئی تھی: ''اور ہم ماں، بیٹی کو اس سنگھرش سے نجات

دلاؤ گے......میں روپا کو بلاتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے رخ بدلا اور "روپا......روپا......" چلانے لگی۔

جلد ہی وہ حسن کا پیکر ایک بار پھر میرے روبرو تھا۔

"ارے انہیں پرنام کر......کھڑی کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہے......؟" بوڑھی عورت نے اسے ہٹوکا دیا: "یہ وہی تو ہیں......جن کا تمہارے چاچا نے بتایا تھا......"

یہ سن کر روپا نے جلدی سے مجھے نمستے کیا۔ میں نے جواباً سر ہلا دیا۔ اب ذرا مجھے اسے غور سے دیکھنے کا موقع بھی ملا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اب بھی کوئی کنواری کنیا لگ رہی تھی۔ یقین نہیں آتا تھا کہ اس کے کئی تو الگ رہے ایک بھی بیاہ ہو چکا ہے۔

وہ میری نظر میں ایسا پھول تھا، جیسے ہاتھ بھی لگانے سے ڈر لگے کہ کہیں اس کی خوبصورتی پر میل نہ لگ جائے۔

"ادھر ہی بیٹھ جا روپا......" بوڑھی عورت پھر بولی: "ساون بابو جو کچھ پوچھیں......انہیں بلا جھجک بتا دے......"

روپا نے ہونٹ بھینچے اور پلنگ کے کونے پر بیٹھ گئی۔ میں نے بات کا آغاز کیا:

"آپ کی ماتا جی نے جو کچھ مجھے بتایا ہے......اس میں کوئی کمی ہے......؟"

"کمی......؟" اس کے ہونٹ ہلے اور اس نے غور سے مجھے دیکھا: "جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے......کیا وہ کم ہے......؟"

"میرا یہ مطلب نہیں ......" میں جلدی سے بولا: "میں ان حادثوں کی تصدیق کرنا چاہتا تھا......"

"ہاں......انہوں نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے، وہ صحیح ہے......سچ ہے......میرے سارے پتی بھگوان کے پاس چلے گئے......سچ کہتے ہیں گاؤں والے کہ میں ابھاگن ہوں......"

"ایسی باتیں کر کے میرا دل جلاتی ہے یہ......" بوڑھی نے شکایت آمیز انداز میں مجھے مخاطب کیا: "اب تم ہی بتاؤ......؟"

"یہ تو خیر غلط بات ہے......" میں نے روپا کی طرف دیکھا: "اس میں تمہارا کیا قصور ہے......تم تو نردوش ہو......بالکل نردوش......"

"نردوش ہونا الگ ہے......ابھاگن ہونا الگ......" روپا نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا۔ پھر وہ بولی: "میں نے تو ماں سے کہہ دیا ہے کہ اب میں ساری عمر ایسے ہی گذار دوں گی......اب

میں کسی اور کے خون سے ہولی نہیں کھیل سکتی۔"

"تمہارا بیاہ ہوگا......اور ضرور ہوگا......" میں نے اسے دلاسہ دیا: "ایشور نے چاہا تو تمہیں جلد ہی اس گھٹنا سے نجات مل جائے گی......اور تم من پسند اور خوشیوں بھرا جیون گذارو گی......"

"مجھے نہیں لگتا......" اس کے انداز میں مایوسی تھی۔

"ہمت سے کام لو......ایسا ہوگا اور ضرور ہوگا......ارے ہاں......وہ......کیا نام ہے اس لڑکے کا......یاد آیا......دلیپ کہاں رہتا ہے......؟"

یہ نام سن کر روپا چونکی اور مجھے غور سے دیکھتے ہوئے بولی:

"وہ پورے گاؤں میں مشہور ہے......ہر کوئی جانتا ہے اسے......اس کا گھر معلوم کرنا بہت آسان ہے......"

"پاکھنڈی کہیں کا......" بوڑھی عورت بڑبڑائی۔

روپا نے تیز نظروں سے اسے گھورا اور بولی:

"اس کا کوئی دوش نہیں ہے ماں......تم کیوں اسے برا بھلا کہتی رہتی ہو......میں تو اپنی تقدیر کا لکھا بھگت رہی ہوں......بس......"

"اس نے تجھے بھی کچھ گھول کر پلا دیا ہے......" بوڑھی عورت بھنائی: "اس کی حمایت کیوں لیتی ہے تو......؟"

اس نازک موقع پر میں نے دخل دینا مناسب خیال کیا:

"موسی......! مجھے پیاس لگی ہے......پانی اگر......"

"اری جا......" بوڑھی عورت نے فوراً روپا کی طرف دیکھا: "ساون کے لئے پانی بھی لا اور بوجھن بھی......چائے بھی چڑھا دے......"

روپا فوراً ہی اٹھ کر کمرے سے چلی گئی، ویسے اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اسے اپنی ماں کی بات اچھی نہیں لگی۔

اس کے جانے کے بعد ایک بار پھر بوڑھی عورت نے دلیپ نامی نوجوان کی کہانی سنانا شروع کر دی۔

اب میرے دل میں بھی اس سے ملنے کی آشا جاگ اٹھی تھی۔ تھوڑی دیر بعد روپا اپنے ہاتھوں میں برتن لئے ہوئے کمرے میں آئی تو بوڑھی عورت نے کہا:

"ساون بیٹا......! تم رہنے اور کھانے پینے کی بالکل چنتا مت کرنا......میں نے گھر کے دو

حصے کر رکھے ہیں، تم جب تک یہاں ہو...... ادھر ہی رہو...... میں گاؤں والوں سے کہہ دوں گی کہ تم ہمارے نئے کرائے دار ہو......"

"لیکن میں اجنبی بھی تو ہوں......" میں مسکرایا۔

"وہ میں گاؤں والوں کو سمجھالوں گی......" اس نے سر ہلایا: "اس سے پہلے بھی میں اجنبیوں کو یہاں ٹھہرا چکی ہوں...... اور یہ بھی بھگوان کی کرپا ہے کہ ان دنوں میرا مکان خالی ہی پڑا ہے...... ارے لو...... میں تو باتوں میں بھول ہی گئی...... بھوجن تو کرو......!"

☆......☆......☆

اس سے مجھے معلوم ہوا کہ روپا کی ماں یعنی اس بوڑھی عورت کا نام چندانہ کماری تھا۔ جب روپا چھوٹی تھی تو اسی سے چندانہ کماری کے شوہر کا دہانت ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے تنہا ہی روپا کی پرورش کی۔

اب مسئلہ تھا دلیپ نامی لڑکے سے ملاقات کا...... یوں تو مجھے روپا کے رویّے کے باعث ابھی اس سے بھی چند باتیں کرنی تھیں، لیکن ابھی فی الحال اس کا موقع نہیں تھا۔

چنانچہ میں اپنا سامان اسی گھر کے برابر والے حصے میں رکھنے کے بعد باہر نکل آیا۔

دلیپ سے براہ راست ملنا مناسب نہیں تھا، چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے گاؤں کا ایک مفصل چکر لگا لیا جائے۔

گاؤں کے لوگ مجھے گھور ضرور رہے تھے، لیکن کسی نے کچھ کہا نہیں۔ کیونکہ میں نے حلیہ ہی ایسا بنا رکھا تھا۔ میرے ماتھے پر چشمہ، سر پر فلیٹ ہیٹ اور گلے میں کیمرہ جھول رہا تھا۔

بعض جگہوں پر کھڑے ہو کر میں نے تصویریں بھی کھینچیں۔ اب تک میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ میں کس بہانے سے دلیپ سے ملاقات کروں۔

اسی الجھن کے عالم میں، میں گاؤں سے باہر نکل آیا۔ یہاں درختوں کے جھنڈ دور تک پھیلے ہوئے تھے، جن کے درمیان ایک صاف و شفاف پانی کی نہر بہہ رہی تھی۔

گاؤں والوں کی نظروں میں، میں نے خود کو آرٹسٹ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن اس وقت یہ منظر مجھے اتنا بھلا لگا کہ میں نے اپنے کیمرے میں اس کی کئی تصویریں اتار لیں۔

ابھی میں اس میں مصروف ہی تھا کہ میرے کانوں میں کچھ ایسی آوازیں پڑیں، جیسے کچھ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہوں۔

میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی، دور دور تک کوئی نہیں تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ آوازیں

ہوا کے دوش پر آئی تھیں۔

میں نے کان لگا کر اندازہ کیا اور نہر میں گھس کر دوسری جانب کی طرف چل پڑا۔

اس جانب نہ تو پانی گہرا تھا اور نہ ہی اس کی چوڑائی زیادہ تھی، چنانچہ پینٹ کے پائنچے چڑھا کر میں بآسانی اسے پار کر گیا۔

دفعتاً کسی جانب سے فائر کی آواز سنائی دی۔

میرے کان کھڑے ہو گئے، آواز سامنے والی جھاڑیوں سے ہی گونجی تھی۔ شاید ہوائی فائر تھا، کیونکہ جواب میں کوئی چیخ سنائی نہیں دی تھی۔

میں فطری طور پر تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر آگے بڑھا۔ پھر بڑی احتیاط سے میں نے جھاڑیوں کو سرکایا۔

اور پھر مجھے جو منظر دکھائی دیا، وہ کافی سنسنی خیز تھا۔ آگے جگہ کافی کھلی ہوئی تھی اور یہاں چھ نوجوان لڑکوں نے اپنی ہی عمر کے ایک تن تنہا اور ہنستے نوجوان کو گھیر رکھا تھا۔

ان چھ میں سے ایک کے ہاتھ میں پستول بھی دکھائی دے رہا تھا۔ ان لوگوں کی پیٹھ میری طرف تھی۔ میں ایک درخت کی طرف لپکا، تاکہ ان سے اور قریب ہو سکوں۔ یہاں سے وہ لوگ اور بھی صاف دکھائی دے رہے تھے۔

اس نوجوان کے چہرے پر میں نے خوف کے بجائے مضحکہ اڑانے والے تاثرات دیکھے۔ پھر اس نے ہنس کر کہا:

''گولی چلانا تو آسان ہے دلبر سنگھ...... لیکن دلیپ کے سینے پر مارنے کے لئے شیر کا دل چاہئے...... اور میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کے سینے میں چوہوں کے دل ہیں......''

اس کا نام سن کر میں بری طرح چونک اٹھا تو کیا...... یہ وہی دلیپ ہے......!!

''ہم تمہیں اتنی آسان موت کب دیں گے......؟'' ان چھ میں سے ایک نے بھنائی ہوئی آواز میں کہا۔ شاید اسی کا نام دلبر سنگھ تھا: ''جب تک تمہارے شریر کا انگ انگ جیون کی بھیک نہیں مانگے گا، اس سمے تک تم زندہ رہو گے...... تمہارا وہ حال ہوگا، کہ کتے بھی تمہاری بوٹیاں نہ کھا سکیں گے...... تم ابھی دلبر سنگھ کو جانتے نہیں ہو......''

''تم نے مجھے مکاری سے گھیرا ہے......'' دلیپ نے دانت نکوسے: ''لیکن ابھی بھی مجھے خود پر بھروسہ ہے کہ میں تمہارے لئے لوہے کا چنا ثابت ہوؤں گا''

''ہاہاہاہا......'' دلبر سنگھ کا قہقہہ گونجا۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا: ''مارو سالے کو......

بوٹی بوٹی کرڈالواس کی......"

اس کے ساتھی فوراً ہی آگے بڑھے۔لیکن عین اسی وقت ایک آواز نے انہیں چونکا دیا:

"ٹھہرودوستو......!"

میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ صورت حال کافی نازک ہے۔دلیپ اگرنڈراور دلیر بھی تھا،تو بھی اس کے مقابلے پر چھ افراد تھے جو اس سے زیادہ بھاری بھر کم تھے۔ان میں سے ایک کے پاس پستول بھی تھا،ہوسکتا تھا کہ دوسروں کے پاس بھی اسلحہ ہوتا۔

ان میں آپس کا جو بھی معاملہ ہو،لیکن اس وقت مجھے دلیپ کا جیون شدید خطرے میں دکھائی دے رہا تھا،اس کے دشمنوں کے تیور قطعی اچھے نہیں تھے۔

چنانچہ بے ساختہ میرے منہ سے نکلا:

"ٹھہرودوستوں......!"

وہ سب ہی پلٹے اور حیرت زدہ انداز میں میری طرف دیکھنے لگے،جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں۔

دلیپ کی آنکھوں میں بھی حیرت کے دیئے جل اٹھے تھے۔

"کون ہوتم......؟"دلبر سنگھ نے سر سے پاؤں تک مجھے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا۔

"پرش ہی ہوں......"میرا انداز مزاحیہ سا تھا:"میرے سر پرسینگ تو ہرگز نہیں ہیں......میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آدھے درجن لوگ اگر ایک اکیلے آدمی کو مل کر ماریں گے،تو یہ تو بڑے شرم کی بات ہوگی......تم لوگوں کو لاج نہیں آئے گی اس بے چارے کو مارتے ہوئے......؟"

"کاش تمہارے سر پرواقعی سینگ ہوتے......"دلبر سنگھ کا لہجہ بے حد پرسکون تھا:"کیونکہ اس کے ساتھ اب،ہم تمہارا بھی قیمہ بنائیں گے......"

"کیا تم لوگ قصائی ہو......؟"میں نے حیرت سے پوچھا تھا۔

ایسی سچویشن کے باوجود بھی دلیپ بے ساختہ ہنس پڑا۔دلبر سنگھ نے جھلاہٹ میں آکر اپنا پستول میری طرف گھمایا اور فائر کردیا۔

یہ حملہ قطعی غیر متوقع تھا،اس کے باوجود میں بجلی کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور دلبر سنگھ پر جاپڑا۔

یہ منظر بالکل فلمی سین کی طرح ہوا تھا،اس میں میرا کوئی قصور نہ تھا۔لمحہ بھر کے لئے تو میں خود بوکھلا گیا تھا۔

وہ سب کے سب دم بخود رہ گئے،البتہ دلبر سنگھ میرا وزن نہ سہار سکا،اس کے ہاتھ سے پستول

چھوٹا اور وہ مجھے لئے ہوئے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔
دلیپ بھی شاید اس موقعے کا منتظر تھا وہ اس کے باقی ساتھیوں سے بھڑ گیا۔
''تت...... تم...... تم ہو کون......؟'' دلبر سنگھ نے پھنسی پھنسی آواز میں پھر مجھ سے سوال کیا۔
اور پھر میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے پوری قوت سے پلٹنی کھائی۔ میں جھونک میں ترچھا ہوا اور اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔
دوسرے ہی لمحے دلبر سنگھ میرے اوپر سوار تھا۔ اس کے چہرے پر چھائی ہوئی وحشت اور سفاک مسکراہٹ میں صاف دیکھ رہا تھا۔
پھر اس نے ہاتھ آگے بڑھائے اور بے دردی سے میری گردن دبوچ لی۔
اس کے مضبوط، بھاری اور سخت قسم کے ہاتھوں کے مقابلے میں میری پتلی سی گردن کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔
لیکن اس کے باوجود میں نے اس وقت اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات دیکھے، جب وہ میرا گلا بھینچ رہا تھا۔
میری گردن خود بخود سخت ہو گئی، بالکل کسی پتھر کی طرح اور اس بات کو میں نے خود بھی محسوس کیا۔
اب تو دلبر سنگھ غصے کے مارے پاگل ہو گیا۔ اس نے اپنے پورے شریر کی شکتی ہاتھوں میں سمیٹ لی اور اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔ اس کے باوجود مجھے قطعی گھٹن کا احساس نہ ہوا۔
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ پیار سے میری گردن سہلا رہا ہو۔
میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اس کی ناک پر ایک زوردار ٹکر ماری۔
وہ بلبلا اٹھا، اس نے جلدی سے مجھے چھوڑا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا میں نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔
دلبر سنگھ کی ناک سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا تھا وہ اب اور بھی خونخوار نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔
میں نے ایک نظر دلیپ پر ڈالی، وہ اچھی حالت میں نہیں تھا، میری توجہ ہٹتے ہی دلبر سنگھ نے ایک زوردار گھونسا میری کنپٹی پر دے مارا۔
میری آنکھوں میں تارے سے ناچے، لیکن پھر فوراً ہی اس گھونسے کا اثر معدوم ہو گیا۔
میں نے داہنی ٹانگ لہرائی اور گھما کر اس کے پہلو میں دے ماری، وہ دہرا ہو گیا۔ اب جو

میرے گھٹنے نے اس کا مزاج پوچھا ہے تو وہ اوندھے منہ گرا۔
وہ بے سدھ ہو چکا تھا۔ دوسری جانب بھی کافی شور شرابا ہو رہا تھا۔ باقی پانچوں آدمی دلیپ کو بری طرح رگڑے ڈال رہے تھے۔
میں نے دیکھا، دلیپ خون میں لہولہان ہو رہا تھا۔ میں فوراً ہی آگے بڑھا اور دو آدمیوں کو کالر سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔
ادھر دلیپ کو بھی میرے آنے سے حوصلہ ہوا، اس نے باقی تینوں پر حاوی ہونے کی کوشش شروع کر دی، لیکن وہ کافی زخمی ہو چکا تھا۔
چنانچہ میں نے اپنے والے دونوں کو موقع دیئے بغیر تابڑ توڑ حملہ کر دیا۔
میرے چند ہی گھونسوں اور لاتوں نے انہیں زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ اب میں ایک بار پھر دلیپ کی طرف لپکا۔
تھوڑی ہی دیر میں میدان صاف تھا۔ دلیپ کے دشمن بے سدھ پڑے ہوئے تھے۔
زخموں کے باوجود دلیپ لپک کر مجھ سے ملا، اس کے چہرے پر ایک تھکی تھکی لیکن دلکش سی مسکراہٹ عود کر آئی۔
میں اس وقت خود کو تر و تازہ ہی محسوس کر رہا تھا۔ مجھے قطعی احساس نہیں ہو رہا تھا کہ میں نے ابھی ابھی ''گھمسان'' کی جنگ لڑی ہے۔
''تم...... تم کون ہو دوست......؟'' دلیپ نے پوچھا۔
''ایک اجنبی ہوں......'' میں نے جواب دیا: '' ادھر ......گاؤں میں آج ہی آ کر ٹھہرا ہوں......گاؤں کی سیر کرنے نکلا تھا...... گولی کی آواز ادھر کھینچ لائی......''
''تم بہت جی دار ہو......'' دلیپ نے میری پیٹھ تھپکی: ''اتنی دلیری میں نے بہت کم لوگوں میں دیکھی ہے......تم انتہائی پھرتیلے بھی ہو......''
میں کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھا اور زمین پر پڑا ہوا دلبر سنگھ کا پستول اٹھا لیا جو جھگڑے کے دوران اس کے ہاتھ سے چھوٹا تھا۔
''تمہیں مرہم پٹی کی ضرورت ہے......'' میں نے کہا: ''آؤ...... تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں...... کہاں رہتے ہو تم......؟''
ساتھ ہی میں نے پستول کو جھاڑیوں کی سمت اچھال دیا۔
میں نے ایک بے ہوش آدمی کی قمیض پھاڑ کر دلیپ کے زخموں پر پٹیاں باندھ دیں، تاکہ خو

ن رسنا بند ہو جائے۔
''ان لوگوں کا کیا کرنا ہے......؟''میں نے دلبر سنگھ وغیرہ کی طرف اشارہ کیا۔
''ہوش میں آ کر خود ہی اپنے ڈیرے کی راہ لیں گے......''وہ لاپروائی سے بولا:''اور اگر شرم دار ہوئے تو کبھی آئندہ اس طرف کا رخ بھی نہیں کریں گے۔''
''اپنا بدلہ لینے تو ضرور آئیں گے......''میں نے خیال ظاہر کیا۔
''یہاں کا یہ دستور نہیں ہے۔''دلیپ نے بتایا:''جو شکتی مان ہے......وہی شکتی شالی ہے...... جو کمزور پڑ گیا، وہ جیون بھر کے لئے ہار گیا......ان کے لئے یہی کیا کم ہے کہ ہم نے انہیں گولیاں مار کر ہلاک نہیں کر دیا......ورنہ اگر تم نہ ہوتے، تو یہاں اب میرا لاشہ پڑا ہوتا......یہ لوگ مجھے ہرگز زندہ نہیں چھوڑتے......''
''یہ لوگ تمہاری جان کیوں لینا چاہتے تھے......؟ ایسی کون سی دشمنی ہو گئی ہے......؟''میں نے پوچھا۔
''لمبی کہانی ہے دوست......ارے ہاں......''وہ چونکا:''میں نے تمہارا نام تو پوچھا ہی نہیں ......''
''ساون کمار شرما......''میں دھیرے سے مسکرا کر بولا۔
''میرے لئے تو تم بھگوان کا دوسرا روپ ہو ساون کمار......!''وہ جذباتی انداز میں بولا:'' میرا نام دلیپ تابل ہے......میں اسی گاؤں میں رہتا ہوں......تم کہاں ٹھہرے ہو......؟''
''کوئی بوڑھی عورت ہے چندانہ کماری نام کی......''میں نے سرسری سے انداز میں جواب دیا:''اسی کے مکان میں ٹھہرا ہوں۔''
چندانہ کماری کا نام سنتے ہی دلیپ کے چہرے پر ایک پرچھائیں سی لہرا گئی اور میں یہی دیکھنا چاہتا تھا۔
تاکہ مجھے معلوم ہو سکے کہ یہ وہی دلیپ ہے جو روپا کا تمنائی تھا۔
''اوہ......''اس کے منہ سے نکلا:''تو تم کماری جی کے گھر ٹھہرے ہو......''
''ہاں......کیوں......؟''میں نے بہ غور اسے دیکھا۔
''کچھ نہیں......''وہ جلدی سے بولا:''اچھی بات ہے ......لیکن اب تم وہاں نہیں رہو گے......میرے ساتھ رہو گے تم......''
''نہیں بھئی......میں تو وہیں رہوں گا......ہاں البتہ تم سے ملتا رہوں گا......''میں نے کہا۔ پھر

مجھے یاد آیا: ''ارے ہاں...... میں تو بھول ہی گیا، بتاؤ تو یہ لوگ تمہاری جان کیوں لینا چاہتے تھے......؟''

''گھر چلو......وہیں آرام سے بتاؤں گا......'' اس نے اٹھتے ہوئے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔

☆......☆......☆

گاؤں میں کھلبلی سی مچ گئی تھی، لیکن صرف نوجوان اور اوباش قسم کے لڑکوں کا جھنڈ دلیپ کے گرد دکھائی دے رہا تھا۔ان سب کو جیسے ہی دلیپ کی خبر ملی، وہ سب کے سب دوڑے ہوئے آئے، وہ سب ہی غم و غصے کا اظہار کر رہے تھے۔ان میں سے کئی نے مجھے بھی گھور کر دیکھا۔

دلیپ اپنے گھر میں اکیلا رہتا تھا، وہ اناتھ تھا۔ میں نے اسے ایک کمرے میں موجود بستر پر لٹا دیا تھا۔

''دلیپ......! نام بتاؤ اس کا...... کس نے تمہارا یہ حال کیا ہے......؟'' ان میں سے ایک لڑکے نے جوش کے عالم میں پوچھا۔

وہ کچھ زیادہ ہی غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔

''دلبر سنگھ اور اس کے ساتھیوں نے......'' دلیپ نے کراہ کر پہلو بدلا۔

''اوہ......اس کی یہ ہمت......'' اس لڑکے نے دانت پیسے: ''ہم لوگ ابھی اس کی خبر لیں گے آگ لگا دیں گے اس کے پورے گھر کو......''

یہ کہہ کر وہ دوسروں کی طرف مڑا:

چلو ساتھیو!......دلبر سنگھ کی طرف......

''ٹھہرو راہول......'' دلیپ نے ہاتھ اٹھایا: ''اب کوئی فائدہ نہیں......وہ اس قابل نہیں رہے کہ......کسی سے مقابلہ کر سکیں......''

''کیا مطلب......؟'' راہول نے حیرت سے پوچھا۔

جواباً دلیپ نے مختصراً اسے بتایا اور ساتھ میں میرا بھی تعارف کروا دیا۔لڑکوں نے مجھے بے حد سراہا اور شاباش بھی دی۔

پھر دلیپ نے راہول کی اس رائے کو مسترد کر دیا کہ ڈاکٹر کو بلایا جائے: ''میں ٹھیک ہوں......'' اس نے بتایا: ''سوتے وقت دودھ اور ہلدی پی لوں گا......تو ٹھیک ہو جاؤں گا......تم لوگ چنتا مت کرو......!''

☆......☆......☆

دلیپ کو آرام کی ضرورت تھی، اس لئے میں بھی دوسرے دن کا وچن دے کر کماری جی کے یہاں آ گیا۔ ویسے بھی میں اتنی جلدی دلیپ کو کریدنا نہیں چاہتا تھا۔

بہرحال میں نے کماری جی سے دلیپ کمار کا کوئی ذکر نہ کیا اور پھر بھوجن کر کے اپنے والے حصے میں سو رہا۔

میرے جاتے ہی روپا نے یہاں کی صفائی وغیرہ کر دی تھی، ضرورت کا سامان بھی موجود تھا اور ''بستر زدہ'' پلنگ بھی......

چنانچہ میں نے بھگوان کا نعرہ لگایا اور لمبی تان کر سو رہا۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا، جب میری آنکھ اچانک ہی کھل گئی۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔

''کون ہو سکتا ہے......؟'' میں نے اونگھتے ہوئے ذہن سے پوچھا۔

پھر دستک ہوئی اور میں نے بستر چھوڑ دیا۔

''کون......؟'' میں نے دروازے کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

''ساون جی......!'' جانی پہچانی سی نسوانی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی: ''دروازہ کھولو، میں روپا......''

مجھے حیرت کا جھٹکا سا لگا۔ روپا اتنی رات گئے کیوں آئی ہے......؟

''کیا بات ہے روپا......؟''

''دروازہ تو کھولو......ایسے کیا بتاؤں......!'' اس نے شاید منہ بنا کر کہا تھا۔

میں نے دروازہ کھول دیا۔ وہ سادہ سے لباس میں تھی، لیکن پہلے سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

وہ جھٹ سے اندر آ گئی اور اس نے دروازہ بند کر دیا۔ میں ہونقوں کی طرح اس کی شکل ہی نہارتا رہ گیا۔ وہ میری طرف مڑی اور تیز نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

''تم خفیہ پولیس والے ہو نا......؟''

یہ سوال عجیب سا تھا، میں نے اس کی شکل دیکھی اور بولا:

''خفیہ پولیس......کیا مطلب......؟''

''مطلب تم اچھی طرح سمجھتے ہو......'' اس کا لہجہ تلخ تھا: ''میری ماں کے کہنے پر تم یہاں آئے

ہو اور دلیپ کو پکڑوا کر جیل میں ڈلوادو گے...... اسی لئے آئے ہو ناتم......؟''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے روپا...... اور نہ ہی میں خفیہ پولیس میں ہوں۔'' میں نے اسے سمجھایا: ''میں تو صرف تمہارے کارن یہاں آیا ہوں...... تمہاری کہانی مجھے یہاں کھینچ کر لائی ہے...... جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا ہے...... میں چاہتا ہوں کہ اب وہ سب نہ ہو...... اور تم ایک پرسکون جیون گذارو......''

''لیکن ماں تو دلیپ کو ہی قصوروار سمجھتی ہے......'' اس کا لہجہ افسردہ تھا: ''اسے معلوم نہیں کہ......''

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ میں اس کی شکل غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ چپ ہی رہی تو میں نے اسے ٹوکا:

''تمہاری ماں کو کیا نہیں معلوم......؟ بتاؤ...... چپ کیوں ہو گئیں......؟''

وہ اب بھی خاموشی سے ہونٹ کاٹتی رہی، اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

''بتاؤ روپا......؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''کیسے بتاؤں......؟'' اس کے لہجے میں بے بسی تھی: ''بتا کر ہوگا بھی کیا......؟''

''ہوسکتا ہے میں کسی کام آسکوں......!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں دلیپ کو چاہتی ہوں...... اس سے پریم کرتی ہوں۔'' روپا نے انکشاف کیا۔

میں چونک اٹھا:

''اور وہ بھی تمہیں چاہتا ہے......!'' میں نے کہا۔

روپا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''پھر تم دونوں نے شادی کیوں نہیں کی......؟'' میں نے پوچھا: ''ماں کی وجہ سے؟''

''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلایا: ''ماں کو تو میں نے ہی دلیپ کے خلاف اکسایا ہے...... اس نے تو رشتہ بھی بھجوایا تھا......''

''اس سے پریم بھی کرتی ہو...... اس کے خلاف ماں کو بھی اکسایا...... اس سے شادی بھی نہیں کرنا چاہتیں......'' میری حیرت عروج پر تھی: ''تم آخر چاہتی کیا ہو......؟''

''دلیپ کا جیون چاہتی ہوں......'' اس کی مسکراہٹ افسردہ تھی: ''ورنہ وہ بھی جیون سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔''

''کیا مطلب......؟'' میں بری طرح چونکا۔ نہ جانے کیوں میرے شریر میں سنسنی سی دوڑ

گئی: ''تم خود کو ابھاگن سمجھتی ہو......اس لئے ایسا کہہ رہی ہو......؟''

روپا جواب دینے کے بجائے اٹھی، پھر اس نے دروازہ کھولا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

اور میں ہکا بکا ہی رہ گیا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن صبح چندانہ کماری یعنی روپا کی ماں نے مجھے اٹھایا، وہ میرے لئے ناشتہ لائی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ جیسے وہ مجھ سے کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں اسے رات کو روپا کے یہاں آنے کے بارے میں معلوم تو نہیں ہو گیا۔ چنانچہ میں نے سرسری سے انداز میں پوچھا:

''سب ٹھیک ہے ناموسی......!''

''ہاں......ہاں......ٹھیک ہے......'' کماری جی نے سر ہلایا پھر آہستہ سے بولی: ''دلیپ کا کسی سے جھگڑا ہوا ہے......کل کسی سے......بہت زخمی ہے وہ......''

''اوہ......'' میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا: ''کیا زیادہ زخمی ہو گیا ہے؟''

''ہاں......لگتا تو ہے......!''

''کس سے جھگڑا ہوا ہے اس کا......؟''

''بھگوان جانے......'' اس نے کندھے اچکائے۔ پھر بڑبڑانے کے انداز میں بولی: ''میری بچی کو بے حال کر کے وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے......؟ جیون بھر اس کے شریر سے ایسے ہی خون بہتا رہے گا......ہاں......!''

وہ اور بھی نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ اب یہ بات بالکل پکی ہو چکی تھی کہ کل وہی دلیپ مجھے ملا تھا، جس کی مجھے ضرورت تھی۔

غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر میں ناشتے کی طرف لپکا۔ ناشتے کے دوران مجھے رات کا وقعہ یاد آ گیا۔

روپا کا اس طرح آنا اور پھر اٹھ کر چلے جانا، کچھ عجیب سی بات تھی اور اس کی باتیں کافی الجھن آمیز تھیں۔

میں کافی دیر تک اس میں الجھا رہا۔ پھر میں نے دلیپ کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔

آخر اس سے بھی تو مجھے معلومات حاصل کرنا تھیں۔

☆......☆......☆

دلیپ اب کافی بہتر حالت میں تھا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا، تو اس سے بھی اسے چند لڑکے گھیرے ہوئے تھے۔ دلیپ نے میری وجہ سے ان کو ٹرخایا اور مجھے اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔

''ہاں اب بتاؤ ماسٹر......!'' اس نے گرم جوش سے میرا ہاتھ تھاما: ''تم کیا کرتے ہو اور کہاں رہتے ہو......؟ لڑائی بھڑائی میں تو بڑے ماہر ہو تم......!''

''میں مصور ہوں...... پہلے قدرتی مناظر کی تصویریں اتارتا ہوں اور پھر انہیں ہاتھوں سے پینٹ کرتا ہوں...... بمبئی میں ایک فلیٹ میں رہتا ہوں...... چونکہ تنہا ہوں......اس دنیا میں اکیلا ہوں، اس لئے گھومتا پھرتا ہوں اور خوبصورت مناظر ڈھونڈتا ہوں......''

''اور کیا کرتے ہو......؟'' وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا: ''تمہارے پینترے تو کچھ اور بھی بتا رہے ہیں......''

''اور میں اگر کچھ ہوں، تو یہ ایشور کی مہربانی ہے...... ورنہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں......تم اسے چھوڑو......اور یہ بتاؤ کہ دلبر سنگھ تمہارا دشمن کیوں بنا ہوا ہے......؟''

''دراصل وہ اپنے گاؤں کا بدمعاش ہے، اپنے علاقے میں اس کی بہت دھاک ہے......وہ چاہتا ہے کہ ادھر بھی اسی کا ڈیرہ ہو جائے اور وہ اپنی من مانی کرتا پھرے۔''

''اور تم یہاں کے بدمعاش ہو......کیوں......؟'' میں مسکرایا۔

''نہیں......'' وہ چونکا: ''میں بدمعاش تو نہیں ہوں، البتہ یہ مجھے پسند نہیں ہے کہ کوئی اور آ کر یہاں بھائی گیری کرے......''

''اگر تم بدمعاش نہیں ہو تو گاؤں والے تم سے بدگمان کیوں ہیں......؟''

میں نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

''یہ سب باتیں تمہیں......اوہ......میں سمجھا......'' وہ بولتے بولتے رکا: ''یہ سب کچھ تمہیں کماری جی نے بتایا ہوگا...... کیوں......میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا......؟''

''ہاں......'' میں نے تسلیم کیا: ''کچھ انہوں نے بھی بتایا ہے اور کچھ گاؤں والوں کے چہروں سے بھی میں نے اندازہ لگایا ہے......''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے بتایا: ''میں کوئی بھی کام ایسا نہیں کرتا کہ جس سے مجھ پر یا میری ذات سے گاؤں والوں پر کوئی حرف آئے۔ میں تو خود اس بات پر حیران ہوں کہ گاؤں کے لوگ دن بدن مجھ سے بدظن کیوں ہو رہے ہیں۔ رہی بات کماری جی کی......تو ان کے دل میں تو میرے لئے ویسے ہی نفرت بسی ہوئی ہے۔''

''کیوں......وہ تم سے نفرت کیوں کرتی ہیں......؟'' میں نے اسے کریدا۔

''میں نے ایک جرم کیا ہے۔'' وہ تلخی سے ہنسا: ''یہ اسی کی پاداش ہے۔''

''کون سا جرم......؟''

''میں نے ان کی بیٹی روپا کا ہاتھ مانگا تھا......بس یہ جرم ہے میرا۔'' اس نے طویل سانس
لے کر کہا۔

''ایک بات کہوں...... برا تو نہیں مانو گے......؟'' میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے
وئے کہا۔

''بولو ماسٹر......اگر برا مان بھی گیا تو تم سے شکایت نہیں کروں گا، یہ میرا وچن ہے۔'' وہ
یرے سے مسکرایا۔

''کیا تم کو معلوم ہے کہ تم نے جس کا ہاتھ مانگا تھا، اس کے پانچ بیاہ ہوئے اور وہ پانچوں
ر گئے......؟''

وہ قدرے توقف سے بولا:

''ہاں......معلوم ہے......''

میں اس کا چہرہ غور سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن میں نے وہاں اطمینان کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا۔

''میں اس سے پریم کرتا ہوں۔'' وہ پھر بولا: ''اگر اب بھی اس سے میرا بیاہ ہو جائے اور میں
ی مر جاؤں، تو مجھے یہ بھی منظور ہے......''

اس کے لہجے اور باتوں سے سچائی جھلک رہی تھی، صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ روپا کو من سے
اہتا ہے......اس پر فریفتہ ہے......!

''کیا وہ بھی تمہیں چاہتی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ جان کر مجھے کیا کرنا ہے؟'' وہ لاپروائی سے بولا: ''میں تو اسے چاہتا ہوں نا۔''

''وہ تمہاری محبوبہ ہے۔'' میں نے کہا: ''لیکن جو کچھ اس کے ساتھ ہو رہا ہے، اس نے اس کی
دگی تباہ کر دی ہے......کیا تم اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے......؟ آخر اس کے پتی مر کیوں جاتے
ں؟''

یہ سن کر اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ پر اسرار سی مسکراہٹ......!

تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی بولا:

''اس بات کو چھوڑو......ماسٹر......!''

''کیوں......؟ کیا یہ تمہارا شراپ ہے......؟ یا تم نے کوئی عمل کروایا ہے......؟''

میں نے براہ راست حملہ کیا۔

جواباً دلیپ نے مجھے تیز نظروں سے گھورا، جن میں شدید غصہ بھی عود کر آیا تھا۔

''اگر یہ بات کسی اور نے کی ہوتی ماسٹر......تو وہ فرش پر پڑا اپنا خون چاٹ رہا ہوتا۔'' اس نے سخت لہجے میں کہا: ''دلیپ پریم پجاری ہے......اور پریم کے پجاری اپنی دیوی کو شراپ نہیں دے سکتے......وہ تو خود اس کی ایک نظر کے بھکاری ہوتے ہیں......شراپ کیا دیں گے......!''

''پھر تم نے کوئی جادو کروایا ہوگا......؟''

''کیوں میرے من پر اپنے شبدھوں کے برچھے مار رہے ہو ماسٹر......!'' اس نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا: ''میں اپنے پریم کی سوگندھ کھاتا ہوں کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا......''

''تو پھر اس کے ساتھ یہ سب کیوں ہو رہا ہے......؟ وہ اپنی سہاگ رات کے حسین لمحات سے محروم کیوں ہے......؟ کیا پولیس والوں نے اس معاملے کی تحقیقات نہیں کیں......؟''

''یہ پولیس کے بس کا روگ نہیں ہے......'' پریم نے بتایا: ''پولیس والے ہر دفعہ آئے اور کاغذ بھر کر چلے گئے......روپا کی خوبصورتی کی وجہ سے کئی لوگ اب تک اس کے خواب دیکھ رہے ہیں......جن میں سے ایک میں بھی ہوں......اس کے پہلے ہی شوہر کی موت سے اسے ابھاگن کہا جانے لگا، لیکن اس کے پروانوں نے موت کی بھی پرواہ نہ کی......اور پے در پے وہ اس آگ میں جل گئے......ہاں......سنو ماسٹر......! میں یہ بات تمہیں بتا رہا ہوں......لیکن وعدہ کرو کہ تم کسی کو بتاؤ گے نہیں......بولو......؟''

یہ سن کر میرے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ میری محنت رنگ لا رہی تھی۔ میں نے دلیپ کو اسی لئے باتوں میں الجھایا تھا کہ اگر اسے روپا سے متعلق کوئی بات معلوم ہے، تو وہ بتا دے......اور یہی ہونے والا تھا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو نہیں بتاؤں گا......'' میں نے جلدی سے کہا۔

ابھی دلیپ کچھ کہنے کے لئے منہ کھولنے ہی والا تھا کہ عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

بات جہاں کی تہاں رہ گئی۔ میری کیفیت کچھ عجیب سی ہوگئی تھی۔ اس وقت کسی کا آنا مجھے انتہائی گراں گذرا تھا۔

دستک ایک بار پھر ہوئی اور دلیپ اٹھ کھڑا ہوا:

''میں دیکھتا ہوں......کون آیا ہے......!''

''تم آرام کرو......میں دیکھ لیتا ہوں......''میں نے اسے روکا۔

''ارے نہیں......''وہ ہنسا:''دلیپ اتنا کمزور نہیں ہے......''

تھوڑی دیر بعد اس کی واپسی ہوئی تو اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا، جسے دیکھ کر میں تھوڑا چونک سا گیا۔

آنے والے کا حلیہ ہی ایسا تھا۔

''ان سے ملو ماسٹر......''قریب پہنچ کر دلیپ نے مسکراتے ہوئے مجھے مخاطب کیا:''یہ جوگی پرشاد ہیں......بھرے گاؤں میں بس مجھے ان ہی کا سہارا ہے۔''

میں نے ایک بار پھر آنے والے کو غور سے دیکھا، وہ کافی عمر رسیدہ تھا، جسم پر صاف ستھرا سادھوتی اور کرتا زیب تن تھا۔ اس کے گلے میں مالائیں تھیں، کانوں میں بالیاں اور ٹخنوں میں کڑے پھنسے ہوئے تھے۔

اس کے سر اور داڑھی کے بال بھی بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ نہ جانے کس خیال کے تحت وہ میری طرف دیکھ کر سر ہلاتے ہوئے مسکرانے لگا۔

اس جوگی کو دیکھ کر مجھے فوراً ہی چندانہ کماری کی بات یاد آ گئی۔ اس نے بھی کسی جوگی کا ہی تذکرہ کیا تھا، جس کی مدد سے دلیپ کالا منتر کرواتا تھا۔

میرے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ بہرحال میں نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے نمستے کیا اور چرن چھونے کے لئے جھکا تو اس نے مجھے روک دیا:

''کیا کرتے ہو بالک......؟''اس کی آواز کھنکھناتی ہوئی سی تھی:''ایشور تو تم پر مہربان ہے......چرن چھو کر کیوں مجھے پاپی بناتے ہو......جے رام جی کی......!''

پھر ہم لوگ بیٹھ گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ جوگی مجھے مسلسل گھور رہا ہے۔ کئی بار اس کی نظروں سے میری نظریں ٹکرائیں اور مجھے یوں لگا جیسے وہ میرے شریر میں گھس رہی ہوں۔

دلیپ نے مسکراتے ہوئے مجھے مخاطب کیا:

''جوگی بابا بہت موقع سے آئے ہیں......انہوں نے ہی مجھے روپا کے بارے میں بتایا تھا......کچھ عرصہ پہلے ہی ہمارے گاؤں میں آ کر بسے ہیں......ان کو بھی میرے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی گئی، تاکہ یہ بھی مجھ سے ملنا ترک کر دیں......لیکن انہوں نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔

یہ کہہ کر وہ جوگی کی طرف مڑا۔

''جوگی بابا......! ان کا نام ساون کمار ہے...... یہ بمبئی میں رہتے ہیں اور کل ان ہی کی وجہ سے میری جان بچی ہے۔''
یہ کہہ کر اس نے جھگڑے کی کہانی سنا ڈالی۔ جوگی بابا سنتے جا رہے تھے اور پر خیال انداز میں سر ہلا رہے تھے۔
دلیپ خاموش ہوا تو انہوں نے میرا کاندھ تھپکا۔
''میں تو پہلے ہی مان چکا ہوں کہ ایشور اس پر بہت مہربان ہے...... یہ وہ کام کر سکتا ہے، جو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا...... میں اس کے گرد حصار دیکھ رہا ہوں...... دھرتی کی دکھائی نہ دینے والی شکتیوں کا حصار...... ہاں...... جے رام جی کی......!''
میں جواباً خاموش ہی رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ جوگی بابا ایسا تو ہرگز نہیں لگتا، جیسا کہ چندانہ کماری نے بتایا تھا۔
''تمہارا کیا حال ہے بالک......!'' جوگی بابا نے دلیپ سے پوچھا۔
''میں اب بالکل ٹھیک ہوں جوگی بابا...... ! ساون نے مار مار کر ان لوگوں کا بھرکس نکال دیا تھا...... بستروں پر پڑے ہوں گے سالے......''
''تم پولیس والوں کو بتا دو...... وہ لوگ خراب ہیں...... پھر ایسی حرکت کریں گے...... سنا بالک......!''
''کروا دوں گا جوگی بابا......'' دلیپ لاپروائی سے بولا: ''یہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔''
پھر اسی طرح کی باتیں ہوئیں اور پھر اچانک ہی جوگی بابا نے مجھے مخاطب کیا:
''تم اس ناری کے بارے میں جاننا چاہتے ہو نا......؟''
''جی...... جی ہاں...... روپا کے بارے میں......'' میں نے سر ہلایا۔
''وہ تمہیں خود بتائے گی کہ اسے کیا مرض ہے......'' جوگی بابا نے سرسراتے ہوئے لہجے میں دھیرے سے کہا: ''ہاں...... وہ خود بتائے گی...... اور پھر تم اس کی دوا بن جانا...... ایسے کیا دیکھ رہے ہو بالک......؟ میں نے ابھی کہا ہے نا کہ ایشور تم پر مہربان ہے...... اور وہ جس پر مہربان ہو جائے، اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا...... جے رام جی کی......!''
جوگی بابا کی اس بات سے صرف میں ہی نہیں، بلکہ خود دلیپ بھی الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔
ہم دونوں نے لاکھ چاہا، لیکن جوگی بابا نے صرف اتنا ہی کہا:
''شاید وہ سمے آن پہنچا ہے کہ روپا کو سکھ چین مل جائے...... آزادی مل جائے...... اگر اب

بھی اس کی زنجیریں نہ ٹوٹیں...... تو پھر بہت مشکل ہے...... بہت مشکل ہے...... جے رام جی کی......!''

پھر وہ اٹھ کر چلے گئے اور ہم دونوں ایک دوسرے کی شکل ہی دیکھتے رہ گئے۔ پھر دلیپ کے منہ سے نکلا:

''جوگی بابا کیا کہہ گئے......؟ میری تو بدھی کام ہی نہیں کر رہی......!''

''حالانکہ یہ معاملہ تمہارا اپنا ہے......'' میں نے کہا: ''تمہیں تو سدھ بدھ ہونی چاہئے۔''

''دیکھو ماسٹر......!'' دلیپ کچھ سوچتے ہوئے بولا: ''یہ گتھی مجھے بہت الجھی ہوئی لگ رہی ہے...... اب میں تمہیں وہ بات بتا ہی دوں تو اچھا ہے، جو مجھے جوگی بابا نے بتائی تھی...... روپا ایک بری آتما کے حصار میں ہے۔''

''بری آتما کے حصار میں......؟'' میں نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں ماسٹر......'' دلیپ کا لہجہ افسردہ تھا: ''اسی لئے جس سے بھی اس کا ملن ہوگا...... اس مرد کے لئے وہ ملن کی گھڑی موت کی گھڑی ہوگی...... یہی وجہ ہے کہ اس کے پانچ بیاہ ہوئے...... اور سہاگ رات ان مردوں کی موت ہوگئی......''

''اوہ......'' میرے منہ سے نکلا۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس داستان کا یہ رخ ہوگیا......! پھر مجھے روپا کی باتیں یاد آئیں...... اور کڑیوں سے کڑیاں ملنے لگیں۔

میں دم بخود بیٹھا ہوا سوچ ہی رہا تھا کہ دلیپ کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی:

''لیکن مجھے جیون بھر افسوس رہے گا کہ مجھے اس کی بانہوں میں مرنے کا موقع نہیں ملا...... کاش......! مجھے بھی یہ موقع مل جائے......!''

میں بے خیالی کے عالم میں اس کی شکل ہی دیکھتا رہ گیا۔

میں نے دلیپ سے جوگی بابا کا ڈیرہ معلوم کیا اور وہاں پہنچ گیا۔

لیکن جوگی بابا سے ملاقات نہ ہوسکی وہ کہیں گئے ہوئے تھے اور فی الحال میرا گھر کی طرف جانے کا موڈ بھی نہیں تھا۔

چنانچہ میں یونہی ادھر ادھر چکراتا رہا۔ اس دوران میں محسوس کر رہا تھا کہ گاؤں کے لوگ مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہے تھے۔ دلیپ کے ساتھ اس دن مجھے دیکھنے کے بعد وہ لوگ مجھے نہ جانے کیا سمجھ رہے تھے......!

وہ لوگ تو مجھ سے بات کرنا بھی گوارہ نہیں کر رہے تھے۔

دوپہر کے وقت میں اپنے "ٹھکانے" پر پہنچا تو چندانہ کماری کی تیز نگاہیں بھی میری طرف تھیں۔

"کیا ہوا موسی......؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو......؟" میں پوچھ بیٹھا۔

"مجھے سب معلوم ہوگیا ہے......کل تم نے ہی دلیپ کو بچایا تھا......تم نے ایسا کیوں کیا......میں تمہیں یہاں لے کر آئی اور تم نے میرے ہی دشمن کی مدد کی......؟"

غصہ تو مجھے بہت آیا، لیکن میں ضبط کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا:

"دیکھو موسی......! بات یہ ہے کہ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے......شیر کا شکار کرنے کے لئے جنگل میں ہی مچان بنانا پڑتا ہے......اگر وہ دوشی ہے، تو جب تک میں اس کے قریب نہیں جاؤں گا، اس کے گریبان پر ہاتھ کیسے ڈالوں گا......؟"

چندانہ کماری خاموش ہو رہی۔ شاید بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ "کام کرنے کا میرا اپنا طریقہ ہے......" میں نے پھر کہا: "تم صرف تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو......بس......"

☆......☆......☆

اس رات مجھے خود ہی نیند نہیں آئی۔ میرا ذہن خیالات کی زد پر تھا اور آنکھوں سے نیند کوسوں دور......

میں بستر پر لیٹا ہوا موازنہ کر رہا تھا......دلیپ کا، روپا کا، چندانہ کماری کا اور جوگی کا......!

ان میں سے کس کا بیان صحیح تھا......؟ کون غلط تھا......؟ اگر دلیپ کی باتوں پر یقین کرلیا جائے، تو چندانہ کماری سراسر غلط ثابت ہوتی تھی، خود چندانہ کی باتوں سے دلیپ اور وہ جوگی فراڈ ثابت ہو رہے تھے۔

ان سب میں روپا کا بیان بالکل الگ تھا۔ بقول اس کے وہ دلیپ کو چاہتی بھی تھی اور اس نے خود ایسے راستے بھی پیدا کر دئے تھے کہ دلیپ اس سے دور رہے۔

میں اسی اچنبھے میں الجھا رہا اور رات گذرتی رہی۔ نہ جانے کون سا پہر ہوگا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ یہ روپا ہی تھی، وہ کھٹ سے اندر آئی اور اس نے دروازے کی کنڈی چڑھا دی۔ "تم......پھر آ گئیں......؟" میرے منہ سے نکلا۔

"مجھے بھاڑ میں ڈالو......" وہ بے تکلفی سے بیٹھتی ہوئی بولی: "یہ بتاؤ دلیپ کس حال میں ہے......؟ زیادہ گھائل تو نہیں ہوا......؟"

''ہوا تو تھا...... لیکن اب ٹھیک ہے......'' میں بھی بیٹھ گیا۔ وہ سر ہلا کر کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر میں نے ہی کہا۔ ''تمہیں ڈر نہیں لگتا...... تم اس طرح اکیلی اتنی رات گئے میرے پاس چلی آتی ہو......؟''

''کس سے ڈروں گی......؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''مجھ سے۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

اس کا ایک زوردار قسم کا کھنکھتا ہوا قہقہہ میرے کانوں میں رس گھول گیا۔ پھر فوراً ہی اس نے اپنا منہ دبا لیا:

''ہائے رام...... میں بھی کتنی پگلی ہوں...... اتنی زور سے ہنس رہی ہوں۔''

اس نے دھیرے سے کہا تھا۔

''میں نے کچھ پوچھا تھا۔'' میں نے اسے ٹوکا۔

''میں تم سے کیوں ڈروں گی......'' وہ تنک کر بولی: ''تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے...... کل تو میں اس لئے چلی گئی تھی کہ ماں نے کل جلاب لیا تھا، اس لئے وہ بار بار اٹھ رہی تھی...... آج وہ بے سدھ ہو کر خراٹے لے رہی ہے، صبح سے پہلے اس کی آنکھ نہیں کھلے گی۔''

''پھر بھی تمہیں اس طرح یہاں نہیں آنا چاہئے۔'' میں نے کہا: ''تنہائی سے میری مردانگی جاگ سکتی ہے اور میرے دل میں میل آ سکتا ہے۔''

''میں سہاگن بھی بن چکی ہوں ساون صاحب......'' اس کا لہجہ طنزیہ تھا: ''اس کے باوجود اب تک میں پھول کی کلی ہوں...... پانچ مرد میرے جیون میں آئے اور میرے شریر کو چھو بھی نہ سکے...... تم میرا کیا بگاڑو گے......؟ کچھ نہیں کر سکتے تم...... بلکہ تم کیا...... کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا...... جب تک......'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔

''بولو...... تم چپ کیوں ہو گئیں......؟'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔

''ساون کمار......! میں بڑی مشکل میں ہوں...... بہت مشکل میں......'' اس نے کہا، انداز سے بے بسی مترشح تھی۔

''جب تک تم بتاؤ گی نہیں...... مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ تم کون سی مشکل میں گرفتار ہو......!''

''تم وشواس نہیں کرو گے۔'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکا: ''اور تمہیں وشواس دلانے کے لئے مجھے بے لباس ہونا پڑے گا۔''

''کیا مطلب......؟'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں ایک ناگ کی قیدی ہوں...... میرے شریر پر اسی کا قبضہ ہے......'' اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں انکشاف کیا۔

''ناگ......؟ کیا مطلب......؟'' میں نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

''ہاں...... ناگ......'' اس نے سرد آہ بھری۔ اس کی ہرنی جیسی آنکھیں نم ناک ہو گئیں: ''یہ راز میں نے کبھی کسی کو نہیں بتایا، ماں کو بھی نہیں...... میں ہمیشہ ڈری رہی...... سہمی رہی...... میری پہلی سہاگ رات کو وہ میرے سامنے آیا تھا...... اس سمے، جب میرے پتی کی لاش میرے سامنے پڑی تھی۔ اسے دیکھ کر میں نے چیخنے کی کوشش کی...... بھاگنے کے لئے بھی پاؤں اٹھائے، لیکن نہ چیخ سکی اور نہ بھاگ سکی۔ اس نے مجھ سے کہا:

''تم صرف میری ہو...... صرف میری...... تمہیں کوئی اور ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا...... ورنہ اس کا یہی حال ہوگا۔''

''تت...... تم...... تم کون ہو......؟'' میں نے بہ مشکل پوچھا۔ ڈر اور خوف کے مارے میرا برا حال تھا۔

میرے پتی کی لاش بھی سامنے ہی پڑی تھی۔

''تمہارا پریمی...... تمہارا چاہنے والا......'' اس کی آواز گونجی اور پھر وہ غائب ہو گیا۔

پہلے تو میں اسے کوئی بھیانک سپنا سمجھتی رہی، لیکن جب میری دوسری سہاگ رات آئی تو اس رات بھی یہی ہوا...... جیسے ہی میرا شریر کپڑوں سے آزاد ہوا...... میرا شوہر مر چکا تھا'' اتنا کہہ کر روپا خاموش ہو گئی۔ میں ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد میں نے پوچھا۔

''تم نے کسی کو بتایا کیوں نہیں...... اپنی ماں کو...... یا کسی اور کو......؟''

''میں نہیں جانتی...... تمہیں کیوں بتا دیا...... یہ بھی مجھے نہیں معلوم......'' اس نے سر جھکا کر کہا۔

''یعنی وہ ناگ ہے اور لوگوں کو ڈس لیتا ہے۔'' میں نے پرخیال انداز میں کہا: ''اگر میں تمہاری بات مان لوں...... تو یہ بات کہاں فٹ ہوگی کہ لاشوں پر کوئی نشان نہیں ہوتا...... اگر سانپ کاٹے گا، تو اس کا نشان تو ہوگا...... اور پھر میں نے کبھی نہیں سنا کہ کوئی ناگ یا سانپ باتیں بھی کرتا ہو......''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں میری بات پر یقین نہیں آیا۔'' وہ بھنا کر بولی: ''اچھا...... تو یہ لو...... اور اب تم بھی اپنے جیون سے ہاتھ دھو لو...... تمہارے مرنے کے بعد میں آتما ہتھیا کر لوں

گی......میں بھی اب اس جیون سے تنگ آ گئی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنا لباس اتار پھینکا......اب اس کے انتہائی دلکش اور حسین شریر کے اور میرے درمیان صرف میری پلکوں کا پردہ تھا، اگر میں اپنی پلکیں بند کر لیتا، تو روپا مجھے دکھائی نہ دیتی۔

لیکن میں بھی مجبور تھا، کیونکہ اس کے سراپے کے سامنے میری پلکیں تو جھپکنا ہی بھول گئی تھیں۔اس سمے اس کا چہرہ مجھے عجیب سا لگا۔وہ مجھے دیکھتی رہی، پھر آہستہ آہستہ میری طرف بڑھی اور پھر میرے گلے میں اپنی بانہیں ڈال دیں۔

میرا دل، بے قابو ہونے لگا، دھڑکنوں نے ربط چھوڑ دیا اور کانوں کی لوئیں سلگنے لگیں۔اس کی اگلی حرکت نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں بھی اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لوں اور مجبوراً میں نے بھی اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

وہ رنگ و سرور کے ایسے لمحات تھے، جنہوں نے مجھے چند لمحوں میں ہی سرور کی ایک انجانی دنیا میں پہنچا دیا......انہیں چھو رہا تھا اور ان کی خوشبو کھینچ رہا تھا۔ میں خود کو سرور کے سمندر میں ڈھال لینا چاہتا تھا۔لیکن میری یہ آشا ادھوری ہی رہی، مجھے ایک زبردست قسم کا جھٹکا لگا، یہ جھٹکا اتنا زوردار تھا کہ روپا میری بانہوں کی گرفت سے نکل گئی۔

دفعتاً میں اچھلا اور سامنے والی دیوار سے ٹکرا کر بھد سے فرش پر آ گرا۔ساتھ ہی ایک تیز قسم کی آواز کمرے میں گونجی جو یقیناً کسی سانپ کی پھنکار کی آواز تھی۔

چونکہ دیوار سے میرا سر ٹکرایا تھا، اس لئے چند لمحے تک تو مجھے ستاروں کی ٹولیاں اپنے اردگرد رقص کرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔کمرے کا منظر میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

لیکن پھر فوراً ہی میں نے خود کو سنبھلتا ہوا محسوس کیا۔عین اسی وقت پھنکار پھر سنائی دی۔

اب کے آواز بہت قریب سے آئی تھی، اس کے ساتھ ہی سسکیاں بھی سنائی دیں جو یقیناً روپا کی تھی۔

میں نے سر اٹھایا اور پھر آہستہ آہستہ مجھے سب کچھ دکھائی دینے لگا۔اگلے ہی لمحے میرے شریر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

روپا ایک کونے میں اسی حالت میں سمٹی ہوئی رو رہی تھی اور میرے بالکل سامنے کالے رنگ کا ایک سانپ پھن کاڑھے ہوئے کنڈلی مار کر بیٹھا ہوا تھا، وہ کافی لمبا اور موٹا سانپ تھا۔

میں ہڑبڑا کر سیدھا ہو گیا۔سانپ اب بھی میرے سامنے ساکت تھا۔مجھ پر دہشت سی

طاری ہوگئی، میں نے روپا کی طرف دیکھا

"روپا......! روپا......!" میں نے اسے آوازیں دیں۔

لیکن وہ تو شاید بہری ہوگئی تھی، یا پھر جان بوجھ کر میرے انجام کار کو دیکھنے سے محروم ہی رہنا چاہتی تھی۔

وہ اب بھی کسی بت کی طرح بیٹھی تھی اور روئے جارہی تھی۔ میں ایک بار پھر سانپ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

میں محسوس کررہا تھا کہ وہ کسی بھی وقت مجھ پر حملہ کرسکتا ہے، چنانچہ میں اس کوشش میں تھا کہ آہستہ آہستہ پیچھے کھسک جاؤں۔ میں دیکھ چکا تھا کہ مجھ سے ذرا ہی فاصلے پر داہنی طرف لوہے کی ایک موٹی سی سلاخ پڑی ہوئی تھی۔

اگر یہ سلاخ میرے ہاتھ میں آجاتی، تو میں کسی حد تک سانپ کا مقابلہ کرسکتا تھا۔ میں نے بے تاب ہوکر پہلے اپنے دشمن کو دیکھا اور پھر روپا کو۔ میں نے دوبارہ روپا کو متوجہ کرنا چاہا: "روپا......! روپا......! سنو...... میری بات سنو...... یہ سلاخ اٹھا کر مجھے دے دو......"

میں نے کئی بار یہ جملے دہرائے، لیکن اس کے کانوں میں جوں بھی نہ رینگی۔ میرا شریر پسینے میں تربتر تھا اور میں دل ہی دل میں روپا کی اس حرکت پر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ وہ مجھ سے اتنی لاتعلق کیوں ہوگئی تھی......؟ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

عین اسی وقت سانپ نے ایک بار پھر بڑی لرزہ خیز پھنکار ماری۔ اس کی دوشاخہ نوکیلی زبان خوفناک انداز میں تھرک رہی تھی۔ وہ گویا حملہ کرنے کے لئے پرتول چکا تھا اور میں سلاخ کی جانب آہستہ آہستہ ہاتھ بڑھانے لگا تھا۔ جیسے جیسے میرا ہاتھ سلاخ سے قریب ہورہا تھا، میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہورہی تھیں۔ قریب...... قریب...... اور قریب اور پھر میری انگلیوں نے سلاخ کو چھولیا۔

اور پھر جیسے ہی میں نے سلاخ اٹھائی، یک دم ہی سانپ کی گردن برق رفتاری سے میری طرف بڑھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے ڈنک مارے گا، لیکن میری توقع کے برخلاف، وہ میری داہنی ٹانگ پر لپٹنے لگا۔ اس کے بل کھانے کی رفتار کافی حیرت انگیز تھی اور وہ میرے اوپری دھڑ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کی گرفت بھی بہت سخت تھی۔

اور اس سے پہلے کہ وہ پورا مجھ سے لپٹ جاتا، میں نے سلاخ سیدھی کی اور اس کی دم کے قریب گھونپ دی۔

یکدم ہی اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور اس نے میرے بازو پر ڈنک مار دیا، شاید طیش میں آ کر اس نے یہ حرکت کی تھی۔ لیکن پھر ایک حیرت انگیز بات ہوئی، مجھے تو قطعی احساس نہ ہوا کہ اس نے مجھے ڈنک مارا ہے، البتہ ڈنک مارتے ہی وہ بری طرح تڑپا اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔

میں نے پھر سلاخ استعمال کی، لیکن اس کے بے تحاشہ بل کھانے کی وجہ سے وہ سلاخ کی نوک سے محفوظ رہا۔

پھر وہ پلنگ کے قریب گیا اور میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں جلدی سے اٹھا اور پلنگ کے نیچے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا، لیکن وہ وہاں تھا ہی نہیں......!

نیچے زمین تھی، اور سامنے دیوار...... پھر وہ کہاں گیا......؟ کیا واقعی وہ کوئی بری آتما تھی، جو سانپ کا روپ دھار کر میرے سامنے آئی تھی......؟ میرے شریر میں جھرجھری سی دوڑ گئی، یہ خیال تھا بھی کافی روح فرساں......!

پھر میں نے اس کی طرف سے ذہن ہٹایا اور روپا کے قریب آ گیا۔ اس نے ابھی تک گھٹنوں میں سر دے رکھا تھا۔

''روپا......! روپا......!'' میں نے آوازیں دیں۔ لیکن اس کی حالت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔

میں نے جھلا کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی، وہ سکتے کے عالم میں رہ گئی، اس کی آنکھوں میں حیرت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

اسے یہ بھی ہوش نہ رہا کہ وہ اس وقت کس حالت میں ہے۔ میں اس پر برس پڑا۔

''تم کتنی کٹھور اور سنگ دل ہو...... تمہاری خاطر میں نے اپنی جان کی بازی داؤ پر لگا دی اور تم نے ذرا بھی میرا خیال نہ کیا۔ میں تمہیں پکارے جا رہا تھا اور تم ٹس سے مس نہیں ہوئیں......!''

''تت...... تم...... تم زندہ...... ہو......؟'' اس نے میری بات نظر انداز کرتے ہوئے کھوئے کھوئے سے لہجے میں پوچھا۔

''ہاں...... زندہ ہوں......'' میں نے جلے کٹے انداز میں کہا: ''ورنہ تو اس سانپ نے اور اس کے ساتھ ساتھ تم نے بھی میرے مرنے میں کوئی کسر تو نہیں چھوڑی تھی۔''

''یقین مانو کہ...... تمہیں زندہ دیکھ کر مجھے جتنی خوشی ہو رہی ہے، اتنی ہی حیرت بھی ہے...... وہ تو کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑتا...... کسی کو بھی نہیں......''

''میں تمہارا شوہر نہیں ہوں......'' میں نے اسے گھورا: ''اور وہ تمہارے سہاگ کا دشمن

ہے...... اور ہاں...... کپڑے پہن لو......''

وہ جیسے ہوش میں آ گئی، اور فوراً ہی خود کو سمیٹ کر اپنے کپڑوں کی طرف لپکی۔ میں نے منہ گھما لیا۔

پھر اسی نے مجھے آواز دی تھی: ''ساون......!''

میں پلٹ پڑا۔ وہ لباس پہن چکی تھی۔

''ساون......! تم وشواس کرو...... میں نے تمہاری کوئی آواز نہیں سنی، میں تو بس تمہارے لئے بھگوان سے پرارتھنا کر رہی تھی اور اپنے لئے موت مانگ رہی تھی۔''

یک دم مجھے اپنے بازو کا خیال آیا' میں نے جھٹ سے اس جگہ دیکھا، جہاں سانپ نے ڈنک مارا تھا۔ لیکن اب وہاں کسی قسم کا کوئی نشان نہیں تھا۔ سانپ کی طرح اس کے ڈنک کا نشان بھی غائب تھا۔

''وہ گیا کہاں......؟ تم بتا سکتی ہو......؟'' میں نے روپا سے پوچھا۔

''بھگوان جانے کہ وہ کہاں سے آتا ہے اور کہاں چلا جاتا ہے......'' روپا نے ٹھنڈی سانس بھری: ''وہ ایسے ہی غائب ہو جاتا ہے۔''

''اس نے مجھے ڈنک بھی مارا تھا۔'' میں نے بازو سہلاتے ہوئے بتایا۔

''اوہ...... اوہ...... کہاں......؟'' اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

''بازو پر ہی...... لیکن نشان نہیں ہے...... میں کسی قسم کی کوئی تکلیف بھی محسوس نہیں کر رہا...... خیر...... اب تم جاؤ...... رات بہت ہو گئی ہے...... اور ہاں...... ایک بات کہوں......؟''

''ہاں...... کہو ساون؟'' وہ جاتے جاتے پلٹ گئی۔

''تم سر سے پاؤں تک سندر ہو...... بس یہی کہنا تھا...... اب جاؤ......'' اور میری یہ بات سنتے ہی وہ لاج کے مارے جھٹ سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

میں نے دروازے کی کنڈی لگائے بغیر اسے بھیڑ دیا، ایک بار پھر اس سانپ کو ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کی اور پلنگ پر ڈھیر ہو گیا۔ ابھی میں ذہنی طور پر اس حیرت انگیز اور ناقابل یقین واقعے کے بارے میں سوچنے کے لئے اپنے اندر بالکل ہمت نہیں پا رہا تھا۔ چنانچہ ذہنی تھکن نے مجھے جلد ہی نیند کی وادیوں میں پہنچا دیا۔

لیکن میری یہ سیر ادھوری ہی رہی۔ منہ اندھیرے ہی روپا دوبارہ نازل ہو گئی اور اس نے مجھے

جھوڑ کر اٹھادیا۔

''کیا ہوا...... ? کیا ہوا...... ?'' میں ہڑ بڑا کر بولا۔

''تمہیں دیکھنے آئی ہوں...... تمہاری طبیعت پوچھنے آئی ہوں...... یہ تم نے اچھا کیا کہ دروازہ
ہیں کیا تھا، ورنہ تم تو اٹھتے نہیں...... البتہ ماں ضرور اٹھ جاتی...... ہاں......''

''اٹھانا ضروری تھا...... ?'' میں نے کسلمندی سے منہ بنا کر کہا: ''نبض ہی دیکھ لیتیں......
وم ہو جاتا......''

''تمہیں رات کچھ نہیں ہوا...... تو اب کیوں مرے ہوئے ملتے...... بھگوان کی سوگندھ......
ت ڈھیٹ ہو تم......!'' یہ کہہ کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اسے آج پہلی بار میں نے اس طرح ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔

''چلو...... میرے یہاں آنے سے کم از کم تمہارے چہرے پر تازگی تو آئی...... ورنہ تم تو
ں ہی مرجھائے ہوئے پھول کی طرح نظر آتی تھیں۔'' میں نے کہا۔

''اب مجھے بھی وشواس ہو گیا ہے کہ اس ناگ سے مجھے ضرور نجات مل جائے گی...... تمہارے
ن......'' اس نے جواب دیا۔

''بس تم بھگوان سے پرارتھنا کرو...... کہ وہ مجھے شکتی دے اور میں اس ناگ کو کچل سکوں......
ے ہاں...... یہ تو بتاؤ کہ اسے دوبارہ بلانے کے لئے پھر وہی سب کچھ کرنا پڑے گا...... ?'' میں
ھولپن کا مظاہرہ کیا۔

وہ شرم سے سرخ ہو کر اور بھی حسین لگنے لگی اور نظریں چرا کر بولی: ''مجھے نہیں معلوم...... بہت
ہو تم...... میں جاتی ہوں، تمہارے لئے ناشتہ بناؤں گی...... ماں بھی اٹھنے والی ہو گی۔ جب
تم ہاتھ، منہ دھولو......''

یہ کہہ کر وہ چھپاک سے باہر نکل گئی۔

ناشتے وغیرہ سے فراغت پانے کے بعد میں نے جوگی بابا کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔ انہیں
کا واقعہ بتانے کے ساتھ ساتھ ان سے کوئی مفید مشورہ بھی لینا تھا۔

دل تو یہ بھی چاہ رہا تھا کہ روپا کی ساری کہانی چندانہ کماری کے گوش گزار کر دوں، لیکن ابھی یہ
ب نہیں تھا۔ اگر وہ اس بات پر وشواس نہیں کرتی تو روپا بے چاری خواہ مخواہ رگیدے میں آتی۔
ں چندانہ کماری مجھے غصے کی تیز لگتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں جوگی بابا کے ڈیرے پر پہنچ گیا،
ڈیرہ باجرے کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں کے قریب تھا' اسے بنانے میں بانسوں اور چٹائیوں

سے مدد لی گئی تھی اور اگر اسے جھونپڑا کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

وہ اکیلے نہیں تھے، ان کے پاس اس وقت گاؤں کے دو آدمی پہلے سے ہی موجود تھے، جوگی بابا انہیں کچھ سمجھا رہے تھے۔ میں ان سے ذرا فاصلے سے زمین پر بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں آدمی اٹھے اور جوگی بابا کے چرن چھو کر رخصت ہو گئے۔ اب میں اٹھا ا ران کے قریب آ بیٹھا، اسی وقت میں نے دیکھا کہ ان کی کلائی پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ انہوں نے ہلکے سے انداز میں مسکرا کر میرے نمستے کا جواب دیا اور میرے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کے چہرے پر تکلیف کے آثار بھی تھے۔

''کیا ہوا جوگی بابا......! آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی، آپ کی کلائی پر پٹی کیوں بندھی ہوئی ہے......کیا ہوا......؟''میں نے پوچھا۔

''کیا بتاؤں بالک......!'' وہ طویل سانس لے کر بولے:''ہم لوگوں کا جیون تو بس ایسا ہے...... رات ایک بری چیز گاؤں میں داخل ہو رہی تھی کہ میں نے اسے دیکھ لیا...... وہ گاؤں والوں کو پریشان کرتی، اس لئے میں نے اس کا خاتمہ کر دیا......لیکن اس کا مقابلہ کرتے ہوئے میں گھائل ہو گیا۔ کافی تھکن بھی محسوس کر رہا ہوں...... سارا شریر دکھ رہا ہے...... کسی مواد والے پھوڑے کی طرح......''

''اوہ......''میرے منہ سے نکلا۔ پھر میں نے کہا:''جوگی بابا......! رات کو ادھر میرا مقابلہ بھی ہو گیا تھا۔''

''میں جانتا ہوں بالک......سب جانتا ہوں......''جوگی بابا نے ہاتھ اٹھایا:

''مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کل تم سے مار کھا گیا......اس کے ساتھ ایسا کبھی نہیں ہوا......لیکن بالک......! اب تم ہوشیار رہنا......تمہیں اپنی آنکھیں کھلی رکھنا ہوں گی...... کیونکہ وہ تم سے بدلہ ضرور لے گا اور اب کی بار اس کا وار کاری ہوگا......سخت ہوگا......''

ان کی بات سن کر میں لمحہ بھر کے لئے پریشان ہو گیا، بھلا مجھے ان سب چیزوں کا تجربہ کہاں تھا......؟

میری ساتھی، میری محسن......وہ کتاب اب بھی میرے پاس تھی اور مجھے پورا وشواس تھا کہ میں رات کو اس کی بدولت اس پر اسرار ناگ کے حملے سے محفوظ رہا تھا۔

''نراش مت ہو بالک......''جوگی بابا نے شاید میرا چہرہ پڑھ لیا تھا:''تمہارا جوگی بابا ہے تمہارے ساتھ...... چنتا کیوں کرتے ہو......؟ ٹھہرو......میں ابھی آتا ہوں......''

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اندرونی حصے کی طرف جانے کے لئے مڑے، عین اسی وقت کوئی چیز ان کے کپڑوں میں سے نکل کر چٹائی پر گری۔ وہ اس سے قطعی بے خبر تھے۔ میں نے بھی آواز دینا مناسب نہ سمجھا۔ پھر وہ وہاں سے چلے گئے۔

میں نے بے خیالی میں اسے اٹھالیا، یہ کسی کی تصویر تھی اور پھر جیسے ہی میری نظر اس تصویر پر پڑی، میں بے ساختہ اچھل پڑا، شدید حیرت کے مارے میری آنکھیں پھیل گئیں۔ کتنی ہی دیر تو میں گم صم رہا، میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ پھر میں نے جوگی بابا کے آنے سے پہلے ہی تصویر اسی جگہ پھینک دی اور خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔

جوگی بابا آئے اور اپنی جگہ پر بیٹھتے ہی انہوں نے ایک کاغذ کی پڑیا میری طرف بڑھادی:

''یہ لو بالک......! آج رات وہ مورکھ پھر حملہ کرے گا......تم سونے سے پہلے یہ سفوف پانی میں گھول کر پی لینا...... جے رام جی کی......!''

''یہ کیسا سفوف ہے جوگی بابا......؟'' میں نے ان کے ہاتھ سے پڑیا لیتے ہوئے پوچھا۔

''اس کے پی لینے کے بعد تم ناگ کے ہر وار سے محفوظ رہو گے......چاہیے وہ تم پر سوتے میں حملہ کرے، یا جاگتے میں......تم آج کی رات گزار لو......

کل پھر تمہیں ایسی چیز دے دوں گا کہ تم اس مورکھ سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاؤ گے...... جے رام جی کی......!''

''اگر ایسا ہو جائے جوگی بابا......!'' میں نے خوشی کا اظہار کیا: ''تو میں جیون بھر آپ کا احسان مند رہوں گا......ورنہ میں سوچ رہا تھا کہ گاؤں سے چلا جاؤں......''

''ارے نہیں بالک......!'' جوگی بابا ہنسے: ''جب تک تم یہاں رہنا چاہتے ہو رہو......کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا......اب تم جاؤ......میری پوجا کا سمے ہو گیا ہے...... جے رام جی کی......!''

میں نے پڑیا جیب میں ڈالی اور ان کے چرن چھو کر جھونپڑے سے باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

ایک بار پھر وہی تصویر میرے ذہن میں گھومنے لگی، وہی تصویر......جسے دیکھتے ہی میرے خیالات نے یک دم ہی پلٹا کھایا تھا۔ جو کچھ میں اب تک دیکھتا رہا تھا اور سنتا رہا تھا، اس تصویر نے ان سب کی کایا ہی پلٹ دی تھی۔

میں چلتا رہا، آگے بڑھتا رہا اور میرا ذہن میرے لئے نئے نئے در کھولتا رہا۔ اب جو کچھ میری

سمجھ میں آرہا تھا، اس پر عمل کرنے کے لئے مجھے خاص سمے کا انتظار تھا۔

میرے ذہن میں ہر چیز واضح ہوگئی تھی۔ روپا کی اس داستان کے سب ہی کردار کھل کر میرے سامنے آچکے تھے...... روپا کے دشمن سمیت......!

میں نے گھر کی طرف جانے کے بجائے گاؤں کے بازار کا رخ کیا۔ یہاں سے میں نے ایک مٹی کا پیالہ تھوڑا سا دودھ خریدا اور ایک خنجر بھی لیا۔

اب مجھے تلاش تھی ایک بلی کی، چنانچہ معمولی سی تگ ودو کے بعد ایک نصیب کی ماری بلی بھی نظر آ گئی۔

وہ ایک گلی کے کونے پر بیٹھی ہوئی اپنی دم کھجا رہی تھی۔ میں نے اس کے قریب برتن رکھا، جیب سے جوگی بابا کے دیئے ہوئے سفوف کی پڑیا نکالی اور مٹی کے پیالے میں وہ سفوف ڈال دیا۔ پھر میں نے جیسے ہی پیالے میں دودھ انڈیلا، بلی بھاگ کر قریب آ گئی، میں نے بال پوائنٹ کی مدد سے سفوف کو دودھ میں اچھی طرح ملایا اور دور ہٹ گیا۔

بلی جھپٹ کر آگے بڑھی اور اس نے پیالے میں منہ ڈال دیا۔ ذرا ہی دیر میں پیالہ خالی ہوگیا۔

پھر اس نے اپنے منہ کے کناروں پر زبان پھیری اور مزے سے ایک طرف چل پڑی۔ لیکن ابھی وہ چند ہی قدم چلی ہوگی کہ یکا یک اس کا پورا جسم لرزہ اور وہ ایک جانب لڑھک کر ساکت ہوگئی۔

میں اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا...... وہ مر چکی تھی۔ میں اسے دیکھتا رہا...... اس کے منہ سے سبز رنگ کا مادہ نکل کر ارد گرد پھیل رہا تھا۔ میں نے آستین سے اپنے ماتھے پر امڈ آنے والا پسینہ پونچھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

میری آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرانے لگے۔ پھر میں نے سر ہلایا اور بے خیالی میں اس خنجر کو تھپکنے لگا جو میں نے کپڑوں میں اڑس لیا تھا۔ میں دلیپ کے پاس پہنچا، اس سے دو چار باتیں کیں، اور پھر گھر کی طرف چل دیا۔ دو پہر کا کھانا روپا لائی تھی، اس نے بتایا کہ چندانہ کماری جی کو بخار ہو رہا ہے اور وہ سو رہی ہیں۔

''ایک بات بتاؤ روپا......'' میں نے کھانا اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا: ''کیا ناگ واقعی تم سے باتیں کرتا ہے۔؟''

''ہاں ساون......!'' روپا نے پر یقین انداز میں سر ہلایا: ''میں اس کی آواز سن چکی ہوں......

ں نے میرا نام لے کر کہا تھا کہ تم صرف میری ہو...... صرف میری...... کوئی اور تمہیں چھو بھی نہیں
سکتا۔"

"ہوں......" میں نے صرف اتنا ہی کہا۔

"تم اپنا بہت دھیان رکھنا ساون...... بہت دھیان رکھنا...... میں تمہاری وجہ سے بہت
پریشان ہوں۔"

"چنتا مت کرو...... سب ٹھیک ہو جائے گا......" میں نے اس کا بازو تھپتھپایا۔

پھر وہ چلی گئی اور میں بھوجن کر کے بستر پر لیٹ گیا۔ میں ابھی سو جانا چاہتا تھا، تا کہ رات کو
ل سکوں۔

مجھے پوری امید تھی کہ آج رات کو اس پراسرار سانپ سے ضرور ملاقات ہو گی۔

جلد ہی میں نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

☆......☆......☆

جب میری آنکھ کھلی تو رات کافی ہو چکی تھی اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ میں بڑی لمبی تان کر
یا تھا۔ کمرہ روشن تھا اور کھانے کی ٹرے بھی موجود تھی۔ یقیناً روپا نے کسی وقت آ کر چپ چاپ
ے کھانا رکھ دیا ہو گا۔

میں نے ہاتھ منہ دھو کر بھوجن کیا، پھر دروازہ کھول کر باہر کا منظر دیکھا۔ یہاں چاروں طرف
ٹے کا راج تھا...... ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔

میں طویل سانس لے کر واپس پلٹا، دروازہ بند کیا اور دوبارہ پلنگ پر ڈھیر ہو گیا۔ اب مجھے
ف انتظار تھا، بازار سے خریدا ہوا خنجر میرے قریب ہی موجود تھا۔ میں لیٹا بھی اس طرح تھا کہ
ے کمرے کا منظر میرے سامنے تھا۔

نہ جانے کتنی دیر اسی طرح گزر گئی، دفعتاً ایک آواز گونجی اور میں نے بے ساختہ ہاتھ بڑھا کر
کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ آواز...... سانپ کی پھنکار کی آواز تھی۔ پھر دوبارہ وہی آواز سنائی
اور مجھے سانپ نظر آ گیا۔

وہ میرے بہت قریب تھا، نہ جانے کس جانب سے نکل آیا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ
ں نمودار ہوا ہو۔

وہ میری ہی جانب بڑھ رہا تھا۔ آہستہ...... آہستہ...... اس کا پھن آج بھی خوفناک انداز میں
ب رہا تھا۔

اور پھر جیسے ہی وہ میرے قریب پہنچا، میں نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر خنجر والا ہاتھ گھمایا ا
اس کی گردن پر پھیر دیا۔ خنجر کی دھار بہت تیز تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ سانپ کی گردن اس کے دھڑ سے
کٹ کر دور جا گری۔ فرش پر خون ہی خون پھیل گیا، خود میں بھی اس کی بوچھاڑ سے محفوظ نہ رہ سکا۔
سانپ کا لاشہ ذرا دیر تڑپا اور پھر ساکت ہو گیا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کے لاشے
دیکھ رہا تھا۔

پھر کچھ بھی نہ ہوا، میں احتیاط سے اٹھا، جھک کر سانپ کا معائنہ کیا اور طویل سانس لے کر
سیدھا ہو گیا۔ وہ دوسری دنیا کو سدھار چکا تھا۔ کمرے میں اتنا خون تھا جیسے ہاتھی کو ذ
کر دیا گیا ہو۔ سب چیزیں چھوڑ چھاڑ کر میں سب سے پہلے اس کی گردن کی طرف لپکا اور ا
احتیاط سے ایک کپڑے کی مدد سے اٹھا لیا۔

میں سب سے پہلے اس گردن کو کہیں دفن کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میں سانپوں کی کئی کہانیاں
چکا تھا۔

چنانچہ میں خنجر لے کر باہر نکل آیا۔ تھوڑی ہی دور جا کر میں نے نرم سی مٹی کا انتخاب کیا اور خنج
کے ذریعے جلدی جلدی ایک چھوٹا سا گڑھا کھود کر سانپ کی گردن اس میں رکھی اور گڑھے کو دوبار
برابر کر دیا۔

میری اس حرکت کا گواہ صرف روشن چاند تھا، جو نیلے آکاش سے مجھے گھور رہا تھا۔ اسی
چاندنی کی مدد سے میں نے یہ کام بآسانی کر لیا تھا۔ اس جانب سے فرصت ملتے ہی میں گھر
طرف لپکا، تاکہ وہاں بھی صفائی ستھرائی وغیرہ کر سکوں۔

لیکن گھر میں داخل ہوتے ہی مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔ کمرے میں خون تو ویسے
پھیلا ہوا تھا، لیکن سانپ کا بقیہ دھڑ غائب تھا۔

میں نے دیوانوں کی طرح چاروں طرف دیکھا، لیکن اسے نہ ملنا تھا اور نہ وہ ملا۔ مایوس ہو
میں غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔ کمرے کی صفائی اور ستھرائی میں اتنا سے لگ گیا کہ صبح نمودا
ہونے لگی۔ اب مجھے ایک اور کام انجام دینا تھا جو بہت ضروری تھا۔ لیکن ابھی اس کام میں تھو
سمے باقی تھا اور مجھے اس سمے کا انتظار کرنا تھا۔

انتظار کرنا اس دنیا کا سب سے مشکل ترین مرحلہ ہے، چاہے وہ کسی کا بھی ہو اور کسی قسم کا ہو
ہو۔ محبوب کا ہو...... کسی کے خط کا ہو، کسی سے ملنے کے لئے جانے کا ہو یا پھر کسی کمبل قسم کے مہما
کے واپس جانے کا...... یہ کم بخت انتظار ہمیشہ تکلیف دیتا ہے۔ چنانچہ میں گھر سے باہر نکل آیا۔ کا

میں چہل قدمی کرتا ہوا تھوڑی دور نکل گیا۔
اطراف میں پھیلی ہوئی ہریالی کے درمیان سورج طلوع ہونے کا منظر کسی طلسم ہی کی طرح میرے دل و دماغ پر چھا گیا۔ میں کافی دیر تک اس منظر میں کھویا رہا۔
پھر میں نے سوچا کہ تھوڑا سا سمے دلیپ کے پاس بھی گزارا جائے۔ چنانچہ کچھ دیر اور چہل قدمی کرنے کے بعد میرا رخ دلیپ کے گھر کی طرف ہو گیا۔
گاؤں پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ ان لوگوں میں یہ بہت اچھی عادت تھی کہ سویرے ہی اٹھ جاتے تھے۔ میں دلیپ کے گھر کی جانب چل پڑا۔ لیکن میں ابھی راستے میں ہی تھا کہ ایک نوجوان سا لڑکا تقریباً بھاگتا ہوا میرے قریب آیا۔
میں نے اسے شاید دلیپ کے پاس ہی دیکھا تھا۔
''ماسٹر...... تمہیں...... دلیپ نے...... بلایا ہے...... جلدی چلو......'' وہ لڑکا ہانپتے ہوئے بولا۔
''میں اسی کے پاس جا رہا ہوں......'' میں نے سر ہلا کر کہا: ''کیا بات ہے......؟ خیریت تو ہے......؟''
''خیریت نہیں ہے ماسٹر......'' اس کے چہرے سے پریشانی عیاں تھی: ''جوگی بابا کو کسی نے قتل کر دیا ہے...... دلیپ ان کے ڈیرے پر ہے اور تمہیں بھی اس نے وہیں بلوایا ہے...... چلو......''
یہ سن کر میں دھک سے رہ گیا۔ حالانکہ میرے ذہن کے ایک گوشے میں یہ بات گزشتہ رات سے ہی موجود تھی۔ صبح مجھے جو کام تھا، اس کا تعلق جوگی بابا کے ڈیرے سے ہی تھا۔ دلیپ سے ملنے کے بعد میں ان ہی کے پاس جاتا۔
''کیا...... کیا کہہ رہے ہو تم؟'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں...... جوگی بابا کو کسی نے قتل کر ڈالا اور......'' وہ بولتے بولتے رک گیا۔
''اور کیا؟ بولو......؟'' میں نے غور سے اسے دیکھا۔
''تم چلو تو...... خود ہی دیکھ لینا۔'' اس کے لہجے میں بے چینی تھی۔
میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ جوگی بابا کے ڈیرے پر میں نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی۔ اندر تک لوگ موجود تھے اور بھانت بھانت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، جیسے شہد کی مکھیوں کے چھتے میں سے آتی ہیں۔
مجھے ساتھ لانے والے لڑکے کا نام کشن تھا، وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اندر گھستا چلا گیا۔

اندر مجھے جو لوگ دکھائی دیے، ان میں دلیپ بھی تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ میں نے اس کے قریب جا کر، اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا:

''اوہ...... ماسٹر......!'' وہ چونکا: ''تم آ گئے......!''

اب میں تھوڑا سا اور آگے بڑھا اور پھر مجھے وہ پلنگ دکھائی دے گیا، جس پر بڑی سی چادر کے ذریعے کچھ ڈھانپ دیا گیا تھا۔

دلیپ نے آگے بڑھ کر چادر ہٹا دی، میرے منہ سے بے ساختہ ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

میرے سامنے پلنگ پر جوگی بابا کی لاش اس طرح پڑی ہوئی تھی کہ صرف دھڑ موجود تھا اور گردن غائب تھی۔

اس وقت میری جو کیفیت تھی، میں الفاظ میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔

میرے شریر میں چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں، رونگٹے کھڑے تھے اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے لاش کو گھور رہا تھا۔

میرے تصور میں وہ سانپ کلبلا رہا تھا، جس کی گردن میں نے کل رات ہی اس کے دھڑ سے الگ کی تھی، مجھے جھرجھری سی آ گئی۔

ایک ایسی حقیقت کھل کر میرے سامنے آ گئی تھی۔ جس پر کسی کو بھی وشواس نہ ہوتا...... میری بات کو ماننا ہی کون......؟ یہ راز تو صرف مجھ پر ہی کھلا تھا کہ وہ پراسرار سانپ، جوگی بابا کا ہی دوسرا روپ تھا...... ہاں...... پہلے مجھے صرف شبہ تھا، لیکن اب وہ شبہ یقین میں بدل چکا تھا۔

میں نے پرسوں رات میں سانپ کے سلاخ گھونپی تھی، دوسرے دن جب میں جوگی بابا سے ملا تھا، تو ان کے ہاتھ پر پٹی باندھی ہوئی تھی، پھر اسی دن جوگی بابا کے کپڑوں سے ایک تصویر نکل کر گری تھی، وہ تصویر...... روپا کی تھی۔ بھلا روپا کی تصویر کا ان کے پاس کیا کام......؟

یہیں سے میرے دل میں شک نے جڑ پکڑ لی، پھر مجھے جوگی بابا نے جو سفوف دیا تھا، وہ بھی دراصل ایک خطرناک قسم کا زہر تھا۔ مجھے مارنے کی انہیں کیا ضرورت پیش آ گئی تھی......؟ میرا مقابلہ تو سانپ سے تھا......!

اگر میں وہ سفوف استعمال کر لیتا، تو آج کہاں ہوتا......؟ یقیناً میری چتا جلائی جا رہی ہوتی۔

''بھگوان ہی جانے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ہے؟'' دلیپ کی آواز نے مجھے خیالات کی دنیا سے باہر نکالا: ''خون کی ایک بوند بھی کہیں نہیں ہے...... پلنگ بالکل صاف پڑا ہے۔''

میں خالی خالی نظروں سے دلیپ کی طرف دیکھتا رہا۔

''ماسٹر......! تم ہی کوئی اندازہ لگاؤ...... یہ کیسے ہوگیا؟''

''شریر کا اوپری حصہ کہاں ہے؟'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

''بھگوان جانے......'' یہ کہہ کر دلیپ نے چادر دوبارہ ڈھانپ دی۔

''پولیس نہیں آئی اب تک؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ تو ان کی پرانی ریت ہے۔'' دلیپ نے منہ بنایا: ''نوکر شاہی ہے...... آ ہی جائیں گے۔''

پھر میں وہاں رکا نہیں تھا۔ لوگوں کی نظریں میرا محاصرہ کیے ہوئے تھیں، لیکن میں ان کی پرواہ کیے بغیر دلیپ کے ہمراہ باہر آ گیا۔ کشن بھی ہمارے ساتھ تھا۔

جیسے ہی ہم بھیڑ کو چیر کر باہر آئے۔ پولیس کی لاری شور مچاتی ہوئی آئی اور قریب ہی رک گئی۔ لاری میں سے اترنے والے میرے جانے پہچانے تھے، خاص طور پر تھانے کا انچارج...... یہ وہی تھا، جو نارائن مکھیا کے کیس کے دوران مجھ سے کافی متاثر ہوا تھا۔

اور پھر وہ مجھ سے جس طرح ملا، دلیپ وغیرہ حیران رہ گئے۔ پہلے تو وہ مجھے دیکھ کر چونکا اور پھر یک لخت ہی میرے چرنوں پر جھک گیا:

''ارے...... ارے......'' میں گھبرا گیا: ''یہ کیا کر رہے ہو بھئی...... کچھ تو خیال کرو...... لوگ دیکھ رہے ہیں۔''

''اوہ...... ہاں......'' وہ سیدھا ہوگیا۔ پھر مسمسی سی صورت بنا کر بولا: ''کیا کروں......؟ آپ کو دیکھ کر دل بے قابو ہوگیا تھا...... آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

''جوگی بابا کو دیکھنے آیا تھا۔'' میں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

''سنا ہے کسی درندے نے گردن سے سر کاٹ کر غائب کر دیا ہے۔'' انچارج نے اظہار خیال کیا، اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

''ہاں۔'' میں نے سر ہلایا: ''لیکن اس درندے کا تعلق گاؤں سے ہرگز نہیں ہے، تم خواہ مخواہ کسی کو پریشان مت کرنا...... جوگی بابا کے اپنے ہی بیر نے انہیں اس حال میں پہنچایا ہے۔ وہ کوئی عمل کر رہے تھے اور ان پر عمل کی پلٹ ہوگئی۔''

یہ سن کر دلیپ نے چونک کر میری طرف دیکھا، لیکن ہونٹ بھینچ کر چپ ہی رہا۔

''اوہ...... ایسی بات ہے ساون جی؟'' انچارج نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

''ہاں...... ایسا ہی ہوا ہے۔'' میں نے جواب دیا: ''جلد سے جلد لاش کی کاغذی کارروائی

پوری کرو اور شمشان گھاٹ کا انتظام بھی..... اور سر کے چکر میں مت پڑنا..... وہ تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔'' میرے ساتھ ساتھ دلیپ تھا۔

☆......☆......☆

میرا موڈ ٹھیک نہیں تھا، لیکن دلیپ بری طرح میرے سر ہو رہا تھا۔ پھر وہ زبردستی مجھے اپنے ساتھ گھر لے آیا۔

کشن کو اس نے باہر سے ہی ٹرخا دیا، پھر گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا اور بولا:

''تم کون ہو ماسٹر.....؟ سچ سچ بتاؤ.....؟''

''پُرش ہوں۔'' میں دھیرے سے مسکرایا: ''تمہیں دکھائی تو دے رہا ہے.....!''

''پُرش تو ہو..... لیکن ساتھ میں کچھ اور بھی ہو، جو مجھے واقعی دکھائی نہیں دے رہا..... پولیس والے بھی تمہیں جانتے ہیں۔''

''چھوڑو اس بات کو..... اور میری باتیں غور سے سنو.....'' میں نے سنجیدگی سے کہا: ''میں چندنا کماری سے بات کرلوں گا..... تم ایک بار پھر روپا کے لئے رشتہ بھیجنا..... اب کی بار انکار نہیں ہوگا۔ تم دونوں کی سگائی ہو جائے گی۔''

یہ سن کر دلیپ نے مجھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا:

''کیا دیکھ رہے ہو.....؟'' میں پھر بولا: ''اور ہاں..... سگائی تو تمہاری ضرور ہوگی، لیکن پہلے تم مجھے وچن دو کہ تم ایک شریفانہ اور امن پسند زندگی گزارو گے..... تاکہ چندنا کماری کو جیون بھر اپنی بیٹی کی طرف سے کوئی چنتا نہ رہے۔''

''میں..... میں وعدہ کرتا ہوں.....'' وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولا: ''روپا سے سگائی کے بعد اگر زندہ رہا، تو سارے فضول دھندے چھوڑ دوں گا۔''

''تم نہیں مرو گے۔'' میں مسکرایا۔ ''کیونکہ پریمی کبھی نہیں مرتے۔''

دلیپ خاموش رہا۔ پھر دفعتاً اسے یاد آیا:

''تمہیں جوگی بابا کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟''

''میں جوتشی بھی ہوں..... حساب لگا کر معلوم کرلیا اور میرا حساب کتاب بھی بڑا پکا ہوتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''اوہ..... تم کیا کیا ہو ماسٹر؟'' دلیپ کی آواز حیرت زدہ تھی۔

''مجھے خود نہیں معلوم۔''میں نے ٹھنڈی سانس بھری اور خواہ مخواہ چھت کو گھورنے لگا۔

☆......☆......☆

چندنا کماری نے مجھے ایسے دیکھا، جیسے اچانک ہی میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔
چند لمحے ایسے ہی گذر گئے، وہ مجھے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی، تھوڑی دیر بعد اس کے ہونٹ ہلے:
''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو ساون بیٹا......؟ کیا تم اس کی حمایت کررہے ہو......؟ اس کے
طرفدار بن رہے ہو......؟ میں تمہیں اس لئے تو نہیں لائی تھی۔''
''تم اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتیں...... کیوں یہی بات ہے نا......؟'' میں نے اس کی
آنکھوں میں جھانکا۔
''ہاں......'' چندنا کماری کا لہجہ ٹھوس تھا: ''میں اس کی شکل سے بھی نفرت کرتی ہوں۔''
''بس......تو پھر مسئلہ ہی کیا ہے......؟'' میں نے ہاتھ پر ہاتھ مارا: ''جب تم روپا سے اس کی
سگائی کردو گی، تو وہ بھی دوسروں کی طرح جیون سے ہاتھ دھو بیٹھے گا......تمہاری بھی جان چھٹ
جائے گی......اور اس کی آشا بھی پوری ہوجائے گی۔''
میری اس بات نے اسے چونکنے پر مجبور کردیا۔ پھر کچھ سوچ کر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں،
ساتھ ہی وہ بڑبڑائی:
''بھگوان......! میں بھی کتنی عقل کی ماری ہوں...... تم...... تم ٹھیک کہتے ہو ساون بیٹا......
لیکن......روپا نہیں مانے گی......وہ اب کسی سے سگائی نہیں کرے گی۔''
''وہ مان جائے گی، لیکن تم مجھے ایک وچن دو......'' میں نے کہا۔
''کیسا وچن......؟'' وہ چونکی۔
''ان دونوں کی سگائی کے بعد اگر دلیپ زندہ رہتا ہے، شریفانہ انداز میں زندگی گزارتا ہے
اور روپا کو بھی سکھی رکھتا ہے......تو پھر تم بھی ان دونوں کو اپنے آشیرواد کے سائے میں رکھنا......اور
ان کے لئے بھگوان سے سکھ اور شانتی کی پرارتھنا کرنا۔''
یہ سن کر چندنا کماری کا ماتھا ٹھنک گیا، اس کی نظروں کا زاویہ بھی ذرا ترچھا ہوگیا:
''یہ بھی دلیپ کا چلایا ہوا کوئی چکر ہے......اور تم بھی اس کے جھانسے میں آگئے ہو۔'' اس
نے فوراً کہا۔
''ایسی کوئی بات نہیں ہے موسی......! وہ نردوش ہے......تم نے اپنے ذہن میں اس کے لئے
زہر بھرلیا ہے......اسے نکال پھینکو......اس کی طرف سے اپنا دل صاف کرلو......بھگوان کے

لئے......!اور ہاں......اب کے بار دلیپ کا رشتہ آئے تو اسے قبول کر لینا......انکار ہرگز نہ کرنا۔"
اسی وقت روپا کمرے میں داخل ہوئی اور چندنا کماری کچھ کہتے کہتے رک گئی۔
روپا کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔ اس نے چپ چاپ ٹرے ہم دونوں کے سامنے رکھ
اور کمرے سے چلی گئی۔
شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ''اہم قسم کی گفتگو'' ہو رہی ہے۔
''لیکن......لیکن روپا نہیں مانے گی......وہ کسی طرح بھی اس پر تیار نہیں ہوگی۔'' چندنا کماری
کے لہجے میں پریشانی عیاں تھی، اس نے یہ بات دھیرے سے کہی تھی۔
''اس کی آپ چنتا نہ کرو موسی......!'' میں نے دل میں پھوٹنے والے لڈوؤں کو چھپا
ہوئے کہا: ''یہ میرا کام ہے......بس تم ہاں کر دو......''
چندنا کماری چند لمحے سوچتی رہی، پھر اس نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے اثبات میں
سر ہلا دیا۔ اور میرے ہونٹوں پر بھی ایک آسودہ سی مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔
اور پھر میرا یہ اندازہ بھی درست ثابت ہوا۔ روپا آدھی رات کے پہر ایک بار پھر میر
دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے وہی کھڑی تھی، لیکن آ
مجھے اس کے چہرے پر کچھ اور ہی رنگ دکھائی دیئے۔
میں نے کچھ کہے بغیر اسے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی بو
پڑی:
''تم اور ماں آج کیا باتیں کر رہے تھے؟''
''کیوں......؟ تمہیں اس سے مطلب......؟'' میں نے اسے گھورا۔
''جانتے ہو...... ماں نے مجھ سے کیا کہا ہے......؟'' وہ میری بات کو یکسر نظر انداز کر
بولی۔
''کیا کہا ہے......؟'' میرا انداز اب بھی وہی تھا: ''کہا تم سے ہے اور تم پوچھ مجھ سے رہ
ہو......واہ......!''
''زیادہ مت بنو......'' اس نے مصنوعی خفگی سے کہا: ''یہ تمہاری ہی کوئی کارستانی ہے۔''
''ہوا کیا ہے۔؟'' میں جھلا اٹھا: ''بتاؤ بھی تو۔''
وہ مجھے چند لمحے گھورتی رہی پھر بولی:
''ماں کی اچانک ہی سوچ بدل گئی ہے، اس نے مجھ پر زور دیا ہے کہ میں دلیپ سے سگا

کرلوں......

''اوہ......اچھا......''میں جیسے چونکا:''کمال ہے......یہ کیسے ہوگیا......؟''

''معلوم نہیں......''وہ بڑے بھولپن سے بولی:''بس......شام سے میرے پیچھے لگی ہوئی ہے۔بتاؤ ساون......!تم نے ماں کو کیا پٹی پڑھائی ہے؟''

''بھاڑ میں ڈالو ساون کو......''میں نے جھٹ سے کہا:''اور کان دبا کر اپنی ماں کا کہنا مان لو۔''

''یہ......یہ تم کہہ رہے ہو؟''اس کی آواز میں حیرت تھی:''سب کچھ جانتے ہوئے بھی......؟کیا تم نے دیکھا نہیں کہ میرا اقرب کتنا زہریلا ہے......؟''

''وہ زہر میں نے نکال دیا ہے روپا......اب تم سے کسی کے جیون کو کوئی خطرہ نہیں ہے......تم اپنے من پسند دلیپ سے سگائی کر سکتی ہو۔''

''کک......کیا مطلب......؟''وہ میری شکل تکنے لگی۔

''اس مورکھ سانپ کو میں نے کل رات ختم کر دیا۔''میں نے اسے بتایا:''اب وہ کبھی بھی تمہارے سامنے نہیں آئے گا......اس کا حصار ختم ہو چکا ہے......اب تم آزاد ہو......بالکل آزاد......!''

''یہ......یہ کیسے ہو سکتا ہے......؟''اس کے انداز میں بے یقینی تھی:''تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

''اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو آزما لو۔''میں نے فوراً کہا:''میں تمہیں یہ بھی وچن دیتا ہوں کہ حد سے آگے نہیں بڑھوں گا......کیونکہ تم صرف اور صرف دلیپ کی امانت ہو۔''

میرے لہجے کی سنجیدگی اور سچائی نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا۔لیکن آج نہ جانے کیوں وہ ہچکچا رہی تھی۔شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس دن وہ غصے میں آ گئی تھی۔تھوڑی دیر بعد وہ آہستہ سے بولی:

''اور اگر وہ آج بھی آ گیا تو؟''

''وہ اب ہرگز نہیں آ سکتا......کیونکہ وہ میرے ہاتھوں مر چکا ہے۔اگر وہ آ بھی گیا،تو ظاہر ہے کہ میں تمہارے سامنے جھوٹا ثابت ہو جاؤں گا......پھر تم دلیپ سے ہرگز سمبندھ نہ کرنا۔''

میری اس شرط نے اسے مجبور کر ہی دیا کہ وہ اپنا آپ میرے حوالے کر دے۔میں نے اسے اپنی بانہوں میں دبوچ لیا۔

اس کے وجود سے اٹھنے والی بھینی بھینی خوشبو نے ایک بار پھر مجھے اپنے سحر میں جکڑ لیا۔
اس کے لبوں نے میرے روئیں روئیں میں آگ کی تپش بھر دی۔ میرا شریر اس کے شریر سے مس ہو کر جلنے لگا تھا۔ پھر یہ آگ بھڑکتی ہی چلی گئی، میں اب اس حالت کو پہنچ چکا تھا کہ کسی بھی لمحے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھانے کے لئے سمندر میں کود پڑوں۔
لیکن اپنے دیئے ہوئے وچن کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے خود کو اس حرکت سے باز رکھا۔ نہ جانے کتنی دیر اسی حالت میں گزر گئی، آخر کار روپا نے تڑپ کر یک دم ہی مجھے خود سے علیحدہ کر دیا۔
اس کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا، پھر اس نے جلدی سے لباس پہنا اور مجھ سے نظریں چرا کر بولی:
''تم...... تم ٹھیک کہتے ہو ساون......! تم ٹھیک کہتے ہو...... کبھی ایسا نہیں ہوا...... کبھی ایسا نہیں ہوا...... کبھی نہیں......''
اور پھر میں نے اپنی چڑھی ہوئی سانسوں پر قابو پایا ہی تھا کہ وہ ایک بار پھر مجھ سے لپٹ گئی۔
لیکن اب...... وہ رو رہی تھی اور وہ بھی بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر......
میں بے اختیار مسکرا دیا، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ روپا کے آنسو، خوشی کے آنسو ہیں...... پھر میں نے اسے دلاسہ دے کر چپ کرایا۔ اب بھی اس کی ہچکیاں تھم نہیں رہی تھیں۔
پھر اس نے عجیب سے انداز میں میری طرف دیکھا اور بولی:
''ساون......! اگر تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو...... اس وقت میں کہاں ہوتی......؟''
''میری تعریف کرنے کی کوشش نہ کرو......'' میں نے اس کے گال کو تھپکا: ''اچھی تم ہو خوبصورت لڑکی......! جس نے اپنی خوبصورتی اور دلکشی کو داغدار ہونے سے بچایا...... تم...... تم بہت بہادر ہو...... بہت اچھی ہو اور...... خوبصورت بھی......''
''تم نے اس منحوس سانپ کے ساتھ کیا کیا تھا......؟'' روپا نے بات کا رخ بدلا: ''کیا وہ پھر آیا تھا......؟''
''ہاں...... اور تم محسوس کرو تو اس کمرے سے اب بھی اس کے خون کی باس آ رہی ہے...... حالانکہ میں نے خوب اچھی طرح فرش اور کپڑے دھوئے ہیں...... خیر...... چھوڑو اس بات کو...... اور اب صرف دلیپ کے بارے میں سوچو، جس کی محبت ایک بار پھر تمہارے دل کے دروازے پر دستک دینے والی ہے......'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔
''میں...... اس کے لئے دروازہ ضرور کھولوں گی...... تمہارے کہنے پر......'' یہ کہہ کر اس نے

میرے شانے پر سر ٹکا دیا۔

میں نے آسودہ سے انداز میں ایک طویل سانس لی اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

☆......☆......☆

میں نے الوداعی چٹھی کو تہہ کر کے تکیے کے نیچے رکھا اور اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل آیا۔

چند لمحے تک میں کھڑا ہوا روپا کے دروازے کو دیکھتا رہا اور پھر ایک طویل سانس لے کر آگے بڑھ گیا۔

میرا اب مزید یہاں رکنا بیکار تھا، تقریباً سارے ہی معاملات طے ہو چکے تھے۔ میں نے چٹھی میں دلیپ کو تاکید کر دی تھی کہ وہ میرے حوالے سے تھانے کے انچارج سے مل لے، تاکہ دلبر سنگھ مزید کوئی اوچھا قدم نہ اٹھائے۔

چٹھی میں، میں نے اپنا پتا بھی لکھ دیا تھا اور اس طرح اچانک چلے جانے کے لئے معذرت بھی چاہی تھی۔

رات کو میں نے روپا سے باتوں باتوں میں شہر جانے والی بس کے بارے میں معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اور اب میرا رخ بس اسٹینڈ کی طرف تھا۔

ابھی پو پھٹی تھی اور چاروں طرف نیم تاریکی اب بھی چھائی ہوتی تھی، کچھ ہی دیر باقی تھی کہ صبح اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ طلوع ہو جاتی۔

چلتے چلتے میرے ذہن میں ایک بار پھر اس پر اسرار جوگی بابا کا تصور رقص کرنے لگا۔ وہ کون تھا......؟ کیا تھا......؟ وہ سانپ کے روپ میں انسان تھا، یا انسان کے روپ میں سانپ......؟ یہ صرف ایشور ہی کو معلوم تھا۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ ایشور کی بنائی ہوئی اس دنیا میں نہ جانے کتنے ان گنت راز ایسے ہیں جو انسانی وجود سے ہمہ تن پوشیدہ ہیں، اوجھل ہیں۔ اس نے معلومات کے اپنے سارے ہی پوشیدہ خزانے انسانوں پر عیاں نہیں کئے بلکہ بہت کچھ اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔

میرے لئے اس کی تازہ مثال جوگی بابا تھا...... جو کہ اب...... مر چکا تھا اور اس کے بارے میں مجھے دلیپ سے صرف اتنا معلوم ہوا تھا کہ وہ چند سال پہلے ہی گاؤں میں نمودار ہوا تھا اور پھر اس نے یہاں پر مستقل اپنا ڈیرہ جما لیا تھا اور بس...... اس سے آگے کچھ بھی نہیں تھا۔

یہی جوگی کی کہانی کا آغاز تھا، جس کا انجام میرے ہاتھوں ہوا تھا اور شاید میں جیون بھر اسے

بھلا نہیں سکتا تھا۔

جب میں بس اسٹینڈ پر پہنچا تو اجالا پھیل چکا تھا۔ میں تھوڑی ہی دیر وہاں کھڑا ہوا تھا کہ سامنے سے مجھے بس آتی ہوئی دکھائی دی۔

میں چند قدم آگے بڑھ آیا، تاکہ بس کو رکوا سکوں۔

☆......☆......☆

میں شام ڈھلے بمبئی پہنچ سکا تھا، کیونکہ مجھے متواتر کئی گاڑیوں میں سفر کرنا پڑا تھا اور پھر یہ بھی ہوا کہ ایک بس کا راستے میں ٹائر ہی برسٹ ہو گیا تھا۔

بہرحال میری آخری سواری ٹرین تھی، جس کے ذریعے میں نے ''اپنے شہر'' میں قدم رکھا۔ بمبئی...... جس کی روشنیاں شاید میری ہی منتظر تھیں، حالانکہ یہ ایک فضول قسم کا خیال تھا، بھلا روشنیاں بھی کسی کا انتظار کرتی ہیں......؟ ان کا کام تو صرف روشنیاں پھیلانا ہوتا ہے...... شمع کو کیا غرض کہ اس کے اوپر کتنے پروانے جل کر خاک ہوئے......؟ اس کا کام تو بس جلنا...... جلتے ہی رہنا ہے......

لیکن اس کے باوجود مجھے اسی قسم کے خیالات گھیرے رہے، ایک عجیب سی کیفیت تھی میری اس سے...... سڑکیں، گلیاں اور عمارتیں مجھے خود سے سرگوشیاں کرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ میرا حال چال پوچھ رہے تھے اور شاید مجھ سے اتنی طویل دوری کے باعث گلے اور شکوے کر رہے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ اپنی جنم بھومی سے دور رہ کر کوئی بھی سکھی نہیں رہ سکتا جو راحت اور آرام اپنے شہر اور اپنے گھر میں ہوتا ہے، وہ شاید کہیں اور نہیں ہوتا۔

میں نے آٹو رکشہ کیا اور الیاس کے گھر پہنچ گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ گھر پر ہی ہوگا جو بالکل درست ثابت ہوا۔

وہ مجھ سے اس طرح لپٹ گیا، جیسے برسوں کا بچھڑا ہوا ہو۔ یہاں تک کہ مجھے زبردستی اسے خود سے الگ کرنا پڑا۔

''کیا کر رہے ہو......؟'' میں نے کہا: ''کچھ اپنی ہونے والی بھاوج کے لئے بھی چھوڑ دو......''

''ارے...... تو کیا تم نے لڑکی بھی پسند کر لی...... ارے واہ......'' الیاس خوش ہو گیا۔: ''کون ہے وہ......؟ کہاں رہتی ہے؟''

''اپسرا ہے......'' سپنوں میں رہتی ہے...... ارے بھئی...... کیا جیون بھر کنوارا ہی رہوں گا......؟ کبھی تو میری بھی سگائی ہوگی نا......!'' میں نے مسکرا کر کہا۔

ابھی ہم دونوں دروازے پر ہی تھے، عین اس وقت بھابھی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی: ''اب کیا تم لوگ باہر ہی کھڑے رہو گے......اندر بھی آ جاؤ۔''

''ارے ہاں۔'' الیاس چونکا: ''تم سے مل کر تو میں پاگل ہی ہو گیا......دھیان ہی نہیں رہا۔''

''اچھا......!'' میں نے حیرت ظاہر کی: ''میں تو سمجھا تھا کہ آج باہر سے ہی ٹرخا دو گے......!''

اس بات کا جواب مجھے اس طرح ملا کہ الیاس نے مجھے گردن سے پکڑ کر گھر کے اندر دھکیل دیا۔

اور پھر اندر آتے ہی، گلے شکوؤں اور شکایتوں کا پٹارا کھل گیا پھر جب تمام باتوں کا طوفان تھما تو میں نے دفتر کا حال پوچھا:

''ادھر کا تو نام ہی مت لو......'' الیاس نے کہا: ''راؤ صاحب تم پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور تم پر چڑھ دوڑنے کے لئے انہوں نے کافی راشن پانی جمع کر رکھا ہے۔''

''یہ بھی بھگتوں گا......'' میں نے ٹھنڈی سانس بھری: ''فی الحال تو میں ایک آدھ روز آرام کرنا چاہتا ہوں......پھر دفتر جاؤں گا اور اس کے بعد......پھر روانگی ہے۔''

''ہیں؟'' الیاس نے آنکھیں پھاڑیں: ''تم پھر کہیں جاؤ گے......؟''

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا: ''ابھی میرا سفر پورا نہیں ہوا......میں نہیں جانتا کہ مجھے ابھی اور کتنا چلنا ہے......کب میں منزل پر پہنچ پاؤں گا......مجھے نہیں معلوم۔''

''تم ضرور عقل سے کھسک گئے ہو۔'' الیاس نے اپنی کنپٹی پر انگلی گھما کر کہا: ''اچھی خاصی پر سکون زندگی کو تم نہ جانے کن چکروں میں پھنسا رہے ہو......آخر تم چاہتے کیا ہو؟''

''اب تو پھنس چکا۔'' میں مسکرایا: ''اب کیا ہو سکتا ہے......؟ کچھ بھی نہیں۔''

''اور میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ سارا چکر کسی چاند سی صورت والی موہنی سی لڑکی کا ہے۔'' بھابھی نے دخل دیا: ''ہمیں بھی بتا دو......! ہم لے جائیں گے تمہارا رشتہ......اور دھوم دھام سے لائیں گے دلہن کو۔''

''اگر ایسا ہوا تو میں ضرور تم دونوں کو لے کر جاؤں گا بھابھی......!'' میں بھی جواباً مسکرایا: ''لیکن فی الحال تو ایسا کچھ نہیں ہے بلکہ کچھ بھی نہیں ہے۔''

☆......☆......☆

"راؤ صاحب۔" یہ نام ذہن میں آتے ہی یقیناً ایک ایسے شخص کا تصور ابھرتا ہے جو طویل القامت، لحیم شحیم اور بھاری بھرکم ڈیل ڈول کا مالک ہو...... جو کسی کو آنکھیں دکھائے، تو سامنے والا سہم جائے، کسی پر غصہ کرے تو اس کا پتا پانی ہو جائے اور اگر کسی پر گرجے، تو مقابل کا شریر لرز اٹھے۔

لیکن اتفاق سے ہمارے دفتر کے راؤ صاحب، ان ساری خصوصیات میں سے کسی پر بھی پورے نہیں اترتے تھے۔ اگر الفاظ اور ضد کے خانوں میں سے ایک میں راؤ صاحب لکھ دیا جائے اور دوسرے خانے میں ہمارے راؤ صاحب کی صرف تصویر لگا دی جائے تو خود بہ خود ہی دیکھنے والے الفاظ اور اس کی ضد کا فرق محسوس کر لیں گے۔

حد درجے دبلے پتلے تھے، قد بھی بس درمیانہ ہی تھا۔ اگر ان کے شریر پر کوئی چیز نمایاں تھی تو وہ ان کا بڑے فریم والا چشمہ تھا۔ اسی چشمے کی بدولت ان کے کمرے میں آنے والوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ راؤ صاحب میز کے عقب میں موجود ہیں۔

میں ان کے کمرے میں پہنچا تو چپراسی نے معنی خیز نظروں سے میری طرف مسکرا کر دیکھا۔

اس کا نام جانی واکر تھا اور وہ فلمیں جانی واکر کی طرح تھا بھی بلانوش، جس دن راؤ صاحب دفتر سے چھٹی کرتے، گویا وہ دن اس کے لئے ہولی دیوالی کا تہوار بن جاتا، وہ مست ہو کر سارے دفتر میں جھومتا پھرتا تھا۔

وہ اتنا شاندار ایکٹر تھا کہ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا کہ وہ پیے ہوئے نہیں ہے۔ کافی زندہ دل تھا اور اپنی حرکتوں سے دوسروں کے لئے مسکراہٹیں بکھیرتا تھا۔

میں نے بھی اس کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔ پھر میں نے اشارتاً راؤ صاحب کا موڈ دریافت کیا۔

جانی واکر نے فوراً ہی ایک بھیانک قسم کی شکل بنالی، مجھے ہنسی آ گئی اور میں اسے گھونسا دکھا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

سامنے راؤ صاحب کا چشمہ موجود تھا، ظاہر ہے کہ خود بھی ہوں گے۔ میں نے گلہ صاف کیا اور ایک زوردار سلام ٹھوک مارا:

"گڈ مارننگ سر؟"

وہ کسی سوچ میں گم تھے، جیسے ہی انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا، ان کے چہرے کے

تاثرات ہی بدل گئے:

''تم......؟ چلو اچھا ہی ہوا تم آ گئے......تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں نے تمہیں ہفتے بھر پہلے ڈس مس کر دیا ہے، اب یہاں تمہارے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے......تمہیں میں نے اتنے شوکاز بھیجے......اور تم نے کسی ایک کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا......؟ حد ہو گئی......بلکہ کمال ہو گیا اور......اور......'' وہ بولتے بولتے رک گئے۔ یہ ان کی خاص عادت تھی۔

''بے حسی کی انتہا ہو گئی......'' میں نے سنجیدگی سے ٹکڑا لگایا۔

''وہی......وہی......'' انہوں نے فوراً میری تائید کی: ''کہ تمہارے بالوں میں......بلکہ کانوں میں جوں تک نہ رینگی۔''

''آپ نے پہلے صحیح فرمایا تھا سر۔'' میں نے ان کی بات کاٹی۔

''کیا؟'' انہوں نے چونک کر مجھے گھورا۔

''بالوں میں جوں والی بات......جوں تو بالوں میں ہی ہوتی ہے، اس کا کان میں کیا کام......؟'' میں نے وضاحت کی۔

''کہتے تو تم ٹھیک ہو......'' انہوں نے ٹھوڑی کھجائی اور سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولے: ''نہیں بھئی......محاورے میں تو کان ہی استعمال ہوئے ہیں۔ بالوں کا ذکر ہرگز نہیں ہے۔''

''تو پھر دو ہی باتیں ہیں سر......!'' میں نے پر جوش انداز میں ہاتھ لہرایا۔

''کون سی دو باتیں......؟'' انہوں نے الجھن آمیز نظروں سے مجھے دیکھا، پھر چونک کر بولے: ''ارے......تم اب تک کھڑے ہو......؟ بیٹھو......بیٹھو۔''

''شکریہ سر......!'' میں نے جلدی سے اپنی جانب رکھی ہوئی کرسی کھسکائی اور بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں......اب بتاؤ......دو باتیں۔'' وہ ہمہ تن گوش ہو گئے۔

''جی سر......وہی عرض کر رہا ہوں۔'' میں نے میز پر کہنی ٹکا دی: ''جس نے بھی یہ محاورہ ایجاد کیا ہے، یا تو وہ بہرہ تھا اور یا پھر گنجا......ورنہ کان پر جوں کا کیا کام؟''

''نکتہ تو کافی مضبوط لائے ہو......'' وہ متاثر ہو کر بولے: ''ہو تو تم واقعی بہت عقل مند......لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ میں تمہیں نوکری سے نکال چکا ہوں......کیونکہ تم سخت لاپرواہ ہو گئے ہو، دفتر سے ہفتوں غائب رہتے ہو اور......اور......'' وہ پھر بولتے بولتے رک

گئے۔

''رنگ رلیاں مناتے پھرتے ہو......''میں نے پھر ٹکڑا لگایا۔

''وہی...... وہی......'' حسب عادت انہوں نے پھر تائید کی، لیکن پھر میری بات سمجھ میں آتے ہی مجھے گھورنے لگے اور ذرا سنبھلتے ہوئے کہا:

''مسٹر ساون......! یو آر ڈس مس......ابھی اور اسی سے......!''

''لیکن سر......ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ مجھے ایک ہفتے پہلے ہی ڈس مس کر دیا تھا......اب میں آپ کی کس بات پر یقین کروں؟''میں نے جھلا کر کہا۔

''ایک ہفتے پہلے تمہیں شوکاز بھیجے گئے تھے!''

''میں یہاں تھا ہی نہیں۔''

''اب آ گئے ہو؟''

''آپ کے سامنے تو ہوں۔''

''چلو......اب بھیج دیئے جائیں گے۔''

''اب کیا ضرورت جناب......!اب تو میں آ ہی گیا ہوں۔''

''یہ بات بھی تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''تو پھر سر......! جاؤں آفس میں......اپنی سیٹ پر؟''

''ہوں......اچھا جاؤ......لیکن آئندہ ایسی کوئی حرکت نہ کرنا۔''

''شکریہ سر......اب جہاں بھی جاؤں گا اور جتنے بھی دن کے لئے جاؤں گا، آپ کو پہلے انفارم کروں گا۔''

''ایں......!! پھر جاؤ گے؟''

''ذرا مجبوری ہے سر......! جانا تو ہو گا ہی......!''

''فی الحال تو تم میری جان چھوڑ دو......اتنی دیر سے بولے جا رہے ہو......جاؤ......آفس میں جا کر بیٹھو اور کام دھام کرو۔''

تو یہ تھے ہمارے راؤ صاحب......!!

☆......☆......☆

کرن کپور۔''بھوکوں۔'' کی طرح ان پکوڑوں پر ٹوٹا پڑ رہا تھا جو میرے ہی پیسوں سے آئے تھے۔

لیکن اس کے باوجود وہ موٹا بھینسا مجھے مسلسل گھورے جا رہا تھا۔ میں رہ نہ سکا: ''کیا مجھے بھی کھاؤ گے؟'' میں نے محتاط لہجے میں پوچھا: ''پکوڑے کم ہوں تو اور منگوا دوں؟''

''بق...... واس...... بند کرو۔'' اس نے ٹھسے ہوئے منہ سے کہا۔

میں منہ بنا کر رہ گیا۔ پھر اس نے جلدی سے اپنا منہ خالی کیا اور پکوڑے حلق سے اتار کر بولا:

''تم مانتے کیوں نہیں کہ وہ تم ہی تھے......؟ میں نے روزنامہ گذلک میں تمہاری تصویر بھی دیکھی ہے۔''

''وہ میرا ہم شکل کوئی سپر مین ہوگا۔'' میں نے لاپروائی سے کہا: ''تم اب واقعی جاگتے میں سپنے دیکھنے لگے ہو۔''

''اچھا...... تو پھر تم تھے کہاں؟'' کرن کپور نے پوچھا۔

''گاؤں گیا ہوا تھا...... اپنے آبائی گاؤں...... سمجھے......؟'' میں نے ٹانگ پر ٹانگ جماتے ہوئے جواب دیا۔

''وہ مارا۔'' کرن کپور نے جوش سے چٹکی بجائی: ''اب تم پھنس گئے بچو...... یہ قصہ بھی ایک گاؤں کا ہی ہے، جہاں دشت (شیطان) کے پجاریوں نے کارروائی کی تھی...... ان میں سے ایک پکڑا گیا اور ایک فرار ہو گیا...... فرار ہونے والے کا نام گوشی یا ٹوشی...... ایسا ہی کچھ تھا۔''

''پورے ہندوستان میں کیا ایک ہی گاؤں ہے؟'' میں نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا: ''جانِ من......! کہیں پکوڑوں میں گھاس تو ملی ہوئی نہیں ہے؟''

''اچھا چھوڑو...... وہ کوئی اور ہوگا......!'' کرن کپور جلدی سے بولا: ''لیکن استاد......! یہ موضوع ہے بڑا شاندار...... اس پر ایک زبردست طویل مضمون لکھ کر دو...... میں اسے قسط وار چلاؤں گا۔''

''اب کی ہے تم نے کام کی بات ہے......'' میں نے سر ہلایا: ''مجھے اس واقعے کی تھوڑی سی تفصیل دے دینا...... باقی پھر میرا کام ہے۔''

''بس...... ایسا کچھ لکھنا کہ ہر قسط کا اختتام لوگوں کو انگلیاں چبانے پر مجبور کر دے...... اپنی گرفت میں لے...... اور میں جانتا ہوں کہ تم یہ کام نہایت آسانی سے کر سکو گے، تم اس کام کے بہت ماہر ہو...... میں تمہاری اس صلاحیت سے اچھی طرح واقف ہوں۔''

''اور میں بھی تمہاری ایک صلاحیت سے واقف ہوں۔'' میں نے بھی اعتراف کیا: ''تم مکھن بہت موٹی تہہ والا استعمال کرتے ہو۔''

''ہو......ہو......ہو......'' وہ اپنے مخصوص انداز میں ہنسا: ''تمہارے پیسوں کی ہر چیز بڑی ذائقہ دار ہوتی ہے......جیسے یہ پکوڑے......!''

''جیسے یہ نہیں بلکہ جیسے وہ پکوڑے......'' میں نے اس کی اصلاح کی: ''تھیلی خالی ہو چکی ہے اور وہ سب تمہارے نرک جیسے پیٹ میں اتر چکے ہیں۔''

کرن کپور نے جھینپ کر خالی تھیلی پھینک دی، پھر وہ چونک کر میری طرف متوجہ ہوا:

''ارے ہاں ساون......! میں بتانا بھول ہی گیا...... چند دن پہلے میرے پاس ایک آدمی آیا تھا، وہ تمہارا پوچھ رہا تھا...... جب میں نے اسے بتایا کہ تم نے کئی دنوں سے ادھر کا رخ نہیں کیا تو اس نے ایک سادہ کارڈ پر اپنا ایڈریس لکھ کر مجھ دے دیا اور کہا کہ ساون سے کہنا......اس پتے پر آ جائے۔''

''وہ میرے بارے میں پوچھ رہا تھا؟'' میں بڑبڑایا: ''نام کیا تھا اس کا؟''

''یہی تو نہیں معلوم......!'' کرن کپور نے سر کھجایا: ''وہ سادہ کپڑوں میں تھا، لیکن ساون......! اس کی شخصیت بڑی شاندار تھی...... میں تمہیں سچی بات بتاؤں......؟ میں اس سے مرعوب ہو گیا تھا کوئی جمبو جیٹ ٹائپ آدمی......لیکن وہ بڑی نرمی سے مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔''

''عجیب گھامڑ ہو۔'' میں نے اسے گھورا: ''نام تو پوچھ لیتے۔''

''ارے کیا مسئلہ ہے۔'' وہ جھنجلایا: ''جا کر مل لینا اور نام بھی پوچھ لینا...... بلکہ یہ بھی کہ وہ کنوارا ہے یا شادی شدہ ہے......بیوی کالی ہے کہ گوری ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے جھٹ سے میز کی دراز کھولی، تھوڑا سا جھک کر اس کے اندر ہاتھ گھمایا اور پھر کئی کاغذوں اور دوسری چیزوں کو کھنگالنے کے بعد ایک چھوٹا سا کارڈ میری طرف اچھال دیا۔

میں نے فوراً ہی دفاعی انداز میں اسے کیچ کیا، ورنہ وہ میری ناک سے ٹکراتا۔

میں نے اسے نظروں کے سامنے کیا۔ کارڈ بالکل سادہ تھا، اگر اس پر ایک مختصر سا پتا درج نہ ہوتا۔

''بھایانی اسٹریٹ 305، بھردواج کمپلکس۔'' اس کارڈ پر بس یہی تحریر تھا۔

بھردواج کمپلکس، بمبئی کا ایک متمول علاقہ تھا، جہاں بڑی بڑی کوٹھیوں میں امیر کبیر لوگ آباد تھے۔ ان میں زیادہ تعداد بزنس مین لوگوں کی تھی۔

میری معلومات کے مطابق بمبئی فلم انڈسٹری کی چند نامور ہیروئنوں کی رہائش بھی اسی علاقے میں تھی۔

میں نے کارڈ جیب میں ڈال لیا اور کرن کپور کی طرف دیکھا جو میری ہی نظروں کا طالب لگ رہا تھا۔

''کیا خیال ہے پھر استاد؟'' اس نے سر ہلایا۔

''کس بارے میں؟'' میں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''اس بندے سے ملنے کے بارے میں!'' اس نے بڑے مزے سے کہا: ''مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے تمہاری لاٹری لگنے والی ہے۔''

''لگنے کو تو پھانسی بھی لگ سکتی ہے...... ذرا اپنا ایک کام نمٹا لوں...... پھر دیکھوں گا کہ وہ کون ہے اور مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے...... اگر اس دوران وہ دوبارہ آئے تو مجھے ضرور بتانا...... اور ممو سے منگاؤں؟''

☆......☆......☆

میرے لئے ہفتہ بھر گزارنا مشکل ہو گیا تھا، وہی معمولات، وہی سب کچھ...... جو عرصہ سے مجھ سے پیوستہ تھا۔

لیکن اب نہ جانے کیوں مجھے یہ سب کچھ کاٹنے کو دوڑ رہا تھا...... نہ ہی فائر بریگیڈ کے دفتر میں میرا من لگ رہا تھا، نہ کرن کپور کے ''ردی خانے'' میں۔

میں اکثر اوقات اس کے آفس کو ردی خانہ ہی کہتا تھا، کیونکہ وہاں خاص طور پر کرن کپور کے کمرے میں اخباروں کے بنڈل چھت کو چھو رہے ہوتے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے اب گرے کہ تب گرے۔ میں نے کئی بار اسے ٹوکا تو وہ ہمیشہ منہ بنا کر کہتا:

''ساون یار......! مجھے خود برا لگتا ہے، لیکن کیا کروں...... ان ڈھیریوں کی عادت پڑ گئی ہے۔ گر انہیں یہاں سے ہٹایا تو مجھے ایسا لگے گا کہ جیسے میری کھوپڑی سے بال اتر گئے ہیں۔''

اس کی یہ منطق کیسی بھی ہو، صحیح یا غلط...... لیکن اس سے اس منطق نے میری بات کا رخ ضرور پلٹ دیا۔

ہاں...... تو میں اپنی کیفیت بیان کر رہا تھا، جس کا تعلق یقیناً ان حالات سے تھا، جو حالیہ دنوں میں میرے ساتھ پیش آئے تھے۔

پراسرار کتاب نے مجھے جن شکتیوں سے نوازا تھا، شاید اسی بناء پر اب مجھے اپنے پرانے معمولات میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

حالانکہ میں اس بات سے بھی واقف تھا کہ ابھی وہ شکتیاں پوری طرح میری گرفت میں نہیں

آئیں، ابھی میں ان سے مکمل طور پر بہرہ ور نہیں ہوا۔

لیکن...... اس کے باوجود...... نہ جانے کیوں میں ان تمام معمولات سے بیزار ہو رہا تھا۔

بچپن کے دیکھے ہوئے سپنے میں لگنے والی آگ اب تک میری آتما کو جھلسا رہی تھی۔ دل میں بار بار یہ خواہش سر ابھار رہی تھی کہ میں اپنے نادیدہ، لیکن زیرک دشمن کو اس کے انجام تک پہنچا دوں۔

وہی دشمن...... جو میرے پریوار کا قاتل تھا...... میں اب جلد سے جلد اس کے دوبدو ہو کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا چاہتا تھا۔

اسے اپنی شکتیوں پر بڑا مان ہوگا، میں چاہتا تھا کہ اس کی تمام شکتیوں کو خاک میں ملا دوں...... راکھ کر دوں اس کے گھمنڈ کو...... جس نے میرا پریوار مجھ سے چھین لیا تھا۔

جب بھی اس کا خیال میرے من میں آتا، پورے شریر میں سنسناہٹ سی دوڑ جاتی اور میں بے اختیار ہو کر اپنی مٹھیاں بھینچنے لگتا۔

چنانچہ اسی کیفیت کی بناء پر میں نے ایک دن اپنا سفری بیگ تیار کیا اور کسی کو مطلع کیے بغیر ہی چپ چاپ وہاں سے نکل پڑا۔

اس بار میں نے الیاس کو بھی نہیں بتایا تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس کا ردعمل کیا ہوگا......؟ ایک طویل و عریض لیکچر...... جو الیاس میرے کانوں میں ٹھونسنے کی کوشش کرتا اور جسے سن کر بھی میں وہی کرتا کہ جو میرے من میں تھا۔

البتہ وہاں سے روانہ ہونے سے قبل میں نے فلیٹ میں الیاس کے نام ایک ''رخصتی نامہ'' ضرور لکھ دیا تھا، جس میں، میں نے اپنی جلد واپسی کی امید ظاہر کی تھی۔

میں ایک آٹو رکشہ کی طرف بڑھ رہا تھا اور تصور میں الیاس کے چہرے کے تاثرات مجھے نظر آ رہے تھے۔

میں بے اختیار مسکرا دیا۔ عین اسی وقت رکشہ والے نے سوالیہ انداز میں مجھ سے پوچھا:

''کہاں جاؤ گے صاحب؟''

☆......☆......☆

مجھے اتنا تو معلوم تھا کہ گاؤں پہنچ کر مجھے ایک بار پھر سادھو بابا سے مل کر آشو کا پتہ پوچھنا تھا۔ اس کے بعد میرا سفر کتنا طویل ہوتا......؟ میری کب واپسی ہوتی......؟ بلکہ میں زندہ بھی رہتا کہ نہیں......؟ یہ سب کچھ ایشور کو ہی معلوم تھا۔

دوپہر کے وقت میں اپنے گاؤں کی حدود میں پہنچ گیا۔ اس وقت موسم کافی خوش گوار تھا۔ دھوپ کی تمازت اپنی جگہ، لیکن ہواؤں میں ٹھنڈک کا احساس موجود تھا۔

میں دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا تانگہ اسٹینڈ کی طرف بڑھا۔ تانگے والے میری ہی طرف متوجہ تھے، میں نے بھی ان کی طرف نگاہ دوڑائی۔

یہ تعداد میں چار تھے جو اپنے تانگے اور گھوڑوں کے ساتھ درختوں کے سائے میں بیٹھے ہوئے خوش گپیاں ہانک رہے تھے۔

قریب پہنچ کر میں نے دیکھا کہ ان میں وہ تانگے والا موجود نہیں تھا۔ جس کے ہمراہ میں پچھلی مرتبہ سادھو بابا کے گھر پہنچا تھا۔

ہو سکتا تھا کہ وہ کسی سواری کو لے کر کہیں گیا ہو۔ بہر حال میں نے ان ہی میں سے ایک کا انتخاب کیا اور اس سے کہا:

''مجھے مہاراج کشور ساہو کے یہاں جانا ہے۔''

سادھو بابا کا اصل نام یہی تھا۔

''مہاراج کے ہاں؟'' تانگے والے نے مجھے سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا: ''پر......تم وہاں جا کر کیا کرو گے پردیسی بابو؟''

''کیا کروں گا؟'' میں نے حیرت سے دہرایا اور ساتھ ہی اسے گھورا بھی تھا: ''ارے بھئی ان کے درشن کروں گا......اور کیا کروں گا......؟''

یہ سن کر اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس نے یکبارگی گھوم کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور دوبارہ میری طرف متوجہ ہو گیا:

''وہ تو ٹھیک ہے بابو جی......!'' اس کے ہونٹ ہلے: ''لیکن تم اس سمے ان کے درشن کرتے کہ، وہ اس دنیا میں ہوتے، وہ تو......پرلوک سدھار گئے۔''

تانگے والے کے منہ سے نکلے ہوئے ان شبدھوں میں ایسی بات تھی کہ میرا پورا شریر ہل کر رہ گیا۔ میرے عضلات جھنجھنا اٹھے تھے، لیکن ابھی مزید حیرت میری منتظر تھی۔

''تم......تم کیا کہہ رہے ہو......؟'' میرے منہ سے نکلا۔ میں اس کی شکل ہی تکتا رہ گیا: ''سادھو بابا......پرلوک سدھار گئے؟''

''ہاں بابو جی......'' اس نے متاسف لہجے میں سر ہلایا اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا: ''ان کا دیہانت ہو گیا......گاؤں والوں کے سر سے ان کا سایہ اٹھ گیا۔''

''لیکن...... لیکن یہ سانحہ کب ہوا......؟ میں تو...... میں تو ابھی تقریباً دو ماہ پہلے ان سے مل کر گیا ہوں...... تب تو وہ ٹھیک ٹھاک تھے۔'' میں نے پریشان کن انداز میں پوچھا۔

میرے اس جملے پر تانگے والے نے مجھے حیرت سے گھور کر دیکھا اور پھر بولا۔

''دو ماہ پہلے......؟ کیا کہہ رہے ہو بابو جی......؟ ان کا دیہانت ہوئے تو آج تین برس گزر گئے......!''

اب میری باری تھی اسے گھورنے کی۔ ظاہر ہے کہ اس نے بات ہی ایسی کی تھی۔ ''تم اپنے ہوش میں تو ہو......؟'' میں بے اختیار بولا: ''تم ضرور کسی قسم کے نشے میں ہو...... ورنہ ایسی بات نہ کرتے...... میں تو وہ دو مہینے پہلے ہی ان سے مل کر گیا ہوں۔''

''تم سے بھول ہوئی ہے بابو جی......'' اس نے میری بات نظر انداز کر کے سادہ سے لہجے میں کہا: ''یا تم نے کوئی سپنا دیکھا ہوگا...... بھلا وہ دو مہینے پہلے تم سے کیسے مل سکتے ہیں؟''

اتنی دیر میں اس کے باقی ساتھی بھی ہمارے قریب آ کھڑے ہوئے تھے۔

''کیا بات ہے شنکر؟'' ان میں سے ایک نے اس سے پوچھا: ''تم کیوں بابو صاحب سے الجھے ہوئے ہو؟ کیا ہوا......؟''

میں خاموش ہی رہا البتہ شنکر تانگے والے نے فوراً ہی انہیں میری باتوں سے آگاہ کیا۔

اب وہ تینوں بھی مجھے گھورنے لگے۔

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے بابو جی۔'' وہی آدمی مجھ سے مخاطب ہوا: ''تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے...... سادھو بابا کا دیہانت ہوئے تین برس گزر گئے...... ارے بابو جی...... آپ دو مہینے کی بات کر رہے ہو...... وہ تو کئی برسوں سے اتنے بیمار تھے کہ بس ان کی تکلیف کو بھگوان ہی جانتا ہے۔''

''ارے بھئی...... میں ان سے مل کر گیا ہوں۔'' میں جھنجھلا اٹھا: ''وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھے اور میں نے ان سے لمبی چوڑی باتیں کی ہیں...... نہ جانے کتنی دیر۔''

''لو بابو جی......'' شنکر کے چہرے پر مسکراہٹ سی دوڑ گئی: ''تمہاری بات تو یہاں بھی غلط ثابت ہو گئی...... گاؤں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ سادھو بابا کو کسی سے بات کیے ہوئے سالوں گذر گئے تھے...... انہیں بیماری ہی ایسی لگی تھی کہ وہ بول نہیں سکتے تھے، صرف اشاروں میں بات کرتے تھے۔''

اتنا کہہ کر شنکر نے پہلے مجھے دیکھا اور پھر اپنے ساتھیوں کو، اس کا اشارہ سمجھ کر فوراً ہی اس کے ساتھیوں نے سر ہلا کر تصدیق کی کہ شنکر جو کہہ رہا ہے وہ درست ہے۔

میں سوچ میں ڈوب گیا، پھر میں نے ان لوگوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا:

''مجھے......سادھو بابا کے گھر لے چلو گے......؟''

☆......☆......☆

سادھو بابا کا گھر......میرے سامنے تھا اور میں ان کے بند دروازے کو چپ چاپ کھڑا ہوا گھور رہا تھا۔

''آؤ بابو......!'' مجھے شنکر کی آواز آئی، جو مجھے یہاں لایا تھا: ''تم بہت ضدی ہو، تمہیں وشواس دلانے کے لئے بند دروازہ ناکافی ہے......آؤ......اندر چلو......اس گھر کے دروازے اب بھی ہر ایک کے لئے کھلے ہیں۔''

یہ کہہ کر شنکر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول ڈالا۔ میں گم صم سا اس کے پیچھے چلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

اندر تھا کیا......؟ سناٹا اور ویرانی......جو پکار پکار کر شنکر کے بیان کی تائید کر رہے تھے۔

گو کہ یہ گھر صاف ستھرا تھا۔ مٹی اور دھول کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود درودیوار پر چھائی ہوئی اداسی ایک الم ناک کہانی سنا رہی تھی۔

اور پھر......جہاں میں نے سادھو بابا سے ملاقات کی تھی، اس کمرے میں ان کی فریم والی تصویر دکھائی دی، جو دیوار پر ٹنگی ہوئی تھی۔ اس پر گلاب کے پھولوں کے ہار بھی ڈالے گئے تھے جو زیادہ دن پرانے نہیں تھے۔

اس تصویر میں سادھو بابا کے ہونٹوں پر ایک دھیمی اور دلکش سی مسکراہٹ تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ میری ہی طرف متوجہ ہوں اور یہ مسکراہٹ میرے ہی لئے ہو۔ دفعتاً شنکر کی آواز نے مجھے چونکا دیا:

''یہ گھر اب بھی خالی ہے۔'' اس نے کہا: ''اور شاید ہمیشہ ہی خالی رہے گا......سارا گاؤں ان کو چاہتا تھا......وہ ہر دل عزیز تھے......اسی لئے ان کے بعد ان کا یہ مکان لوگوں نے ان کی یادگار کے طور پر رکھ چھوڑا ہے......اس میں کوئی نہیں رہتا......لیکن۔''

اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔ عین اسی وقت قدموں کی آہٹ سنائی دی اور ایک دبلی پتلی، لیکن انتہائی دلکش نقش ونگار والی ایک لڑکی اندر داخل ہوئی۔

وہ بڑی تیز رفتاری سے اندر داخل ہوئی تھی، لیکن ہم دونوں پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک

کر دروازے کے قریب ہی رک گئی۔

وہ چاپ چپ حیرت سے مجھے تک رہی تھی، پھر اس نے شنکر تانگے والے پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور واپس پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔

میں نے سوالیہ انداز میں شنکر کی طرف دیکھا:

''یہ...... یہ کون تھی......؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

''سادھو بابا کی داسی۔'' شنکر نے بتایا۔ ''سارے گاؤں میں سب سے زیادہ ان کی لاڈلی اور خود بھی ان پر جان چھڑکنے والی...... شالنی نام ہے اس کا......! یہ گھر اب ویران ہے، لیکن صاف ستھرا ہے......اور یہ شالنی کا ہی کام ہے، وہ ہفتے میں دو بار یہاں آ کر جھاڑ و پونچھا کرتی ہے۔''

شنکر مجھے بتا رہا تھا، میرے کان سن رہے تھے...... آنکھیں سادھو بابا کی تصویر پر گڑی ہوئی تھیں اور دماغ میں وہ تمام منظر گھوم رہے تھے کہ جس دن میں نے یہاں سادھو بابا سے ایک طویل ملاقات کی تھی۔

کیا وہ سب خواب تھا......؟ ایک کم سن لیکن سمجھ دار لڑکی کا دروازہ کھولنا اور کہنا کہ سادھو بابا میرے ہی منتظر ہیں...... پھر سادھو بابا کی ایک لمبی چوڑی گفتگو......وہ سب...... کیا تھا......؟

''کیا تمہیں اب بھی وشواس نہیں ہوا بابو جی؟'' دفعتاً شنکر نے مجھ سے سوال کیا۔

میں نے ایک طویل سانس لی اور ذرا توقف سے بولا:

''معلوم نہیں......!''

''اگر چلنا چاہو، تو چلو...... میرا تانگہ حاضر ہے۔'' اس نے میری بات نظر انداز کر دی: ''میں تمہیں سڑک پر اتار دوں گا۔''

''میں ابھی یہاں تھوڑی دیر رکنا چاہتا ہوں......'' میں نے جواب دیا: ''تمہارا بہت بہت شکریہ۔''

یہ کہہ کر میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا، تاکہ شنکر کو اجرت دے سکوں۔ لیکن اس نے فوراً ہی میرا ہاتھ روک دیا:

''شرمندہ مت کرو بابو جی...... تم ہمارے سادھو بابا کے مہمان ہو...... اگر میں تم سے کرایہ لوں گا تو یہ میرے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہوگا......اور کوئی کام ہو تو وہ بھی بتاؤ...... شنکر ہی نہیں بلکہ پورا گاؤں تمہاری سیوا کرے گا۔''

''تم نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟'' میں نے شنکر سے

پوچھا۔

''درمیان میں سادھو بابا کی ہستی ہے.....''شنکر کا نپا تلا جواب تھا:''ان کا صرف حوالہ ہی کافی ہے.....تم ان کے مہمان ہو.....تو سارے گاؤں کے مہمان ہو.....اب میں چلتا ہوں..... نمستے.....!''

یہ کہہ کر وہ پلٹا، دفعتاً مجھے اس وقت ایک خیال آیا۔ میں نے اسے آواز دی:

''شنکر.....بھائی شنکر.....!''

وہ رک کر پلٹ پڑا:

''بولو.....بابو جی.....؟''

''تم لوگوں کے علاوہ اور بھی تانگے والے ہوں گے.....کیا تم ان سے مجھے ملا سکتے ہو؟''میں نے استدعا کے انداز میں سوال کیا۔

''تانگے والے.....؟''شنکر سوچ میں ڈوب گیا، پھر چونک کر بولا:''ہاں بابو.....! یوں تو یہاں صرف ہم ہی چاروں تانگے والے ہیں.....لیکن کبھی کبھی مہادیو چاچا بھی اپنا تانگہ نکال کر اس کا زنگ دور کر لیتا ہے۔ پھر.....تم یہ بات کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''میں جب پچھلی دفعہ یہاں آیا تھا، تو ایک ادھیڑ عمر کے آدمی کے تانگے میں سوار ہو کر یہاں آیا تھا۔''میں نے جواب دیا:''اس سمے تو اس نے مجھے سادھو بابا کے دیہانت کے بارے میں نہیں بتایا.....تم خود سوچو.....اس نے مجھ سے کیوں نہ کہا؟''

''اوہ۔!''شنکر کے منہ سے نکلا:''اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ابھی تک وشواس نہیں ہوا ہے۔''

''کیسے وشواس کروں؟''میں نے دل کی بات کہہ دی:''جبکہ میں خود ان سے مل کر گیا ہوں.....یہاں ایک لڑکی بھی تھی، جس کے ہاتھوں کی بنی ہوئی چائے میں نے پی تھی۔''

''تمہاری باتیں میری بدھی میں نہیں آ رہی ہیں۔''اس نے منہ بنایا:''خیر.....اگر تم مہادیو چاچا سے ملنا چاہو تو باہر نکل کر کسی سے بھی ان کا نام لے دینا، وہ تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔''

یہ کہہ کر شنکر پھر پلٹا اور باہر نکل گیا۔ میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

اس کے جاتے ہی میں دھم سے دیوار کے کنارے اکڑوں بیٹھ گیا، اس طرح کہ سادھو بابا کی تصویر میرے سامنے تھی۔

مجھے اس وقت اپنی ذہنی کیفیت کا صحیح اندازہ نہیں ہو رہا تھا جو کچھ ابھی سامنے آیا تھا، اگر وہ

حقیقت تھی، تو پھر وہ کیا تھا جو پہلے ہوا تھا......؟؟؟

سادھو بابا مر چکے تھے، تو پھر وہ کون تھا، جس نے مجھے پراسرار کتاب کے راز سے آگاہ کیا تھا......؟ جس نے میرے بارے میں مجھے بتایا تھا اور میرے اصل پریوار کی داستان سنائی تھی۔ کون تھا وہ......؟؟

یہ سب کچھ سوچ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے مساموں سے پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔

میں نے بے خیالی کے عالم میں تصویر کی طرف دیکھا اور مجھے یوں لگا جیسے سادھو بابا کے چہرے کی مثبت مسکراہٹ خود بہ خود گہری ہو گئی ہو۔

اگر یہ وہم بھی تھا، تو بھی میں نہ جانے کیوں ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ عین اسی وقت کوئی چیز میرے چہرے سے ٹکرائی اور میں اچھل پڑا۔

میں نادانستہ طور پر پیچھے ہٹا تھا اور فوراً ہی گردن اٹھا کر اوپر دیکھا تھا۔

اور پھر میری آنکھوں نے ایک اور حیرت انگیز منظر دیکھا۔ میرے چہرے سے ٹکرانے والی چیز ایک سفید رنگ کا کاغذ تھا۔

وہ کاغذ یونہی اڑ کر میرے چہرے سے نہیں آ لگا تھا، بلکہ کمرے کی چھت سے چمٹی ہوئی ایک بڑی سی مکڑی کے جال کے ذریعے مجھ تک پہنچا تھا۔

میری نگاہیں سراپا حیرت بن کر اس مکڑی کو گھورنے لگیں، کیونکہ میں نے اپنے اب تک کے جیون میں اس ساخت کی اور اس ہیئت کی مکڑی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ کالی رنگت، موٹی موٹی ٹانگوں اور ابھری ہوئی سرخ آنکھوں والی اس مکڑی نے لمحہ بھر کے لئے مجھے خوف زدہ کر دیا۔

میرے خیال سے تو تھوڑی دیر قبل اس کمرے میں اس کا وجود نہیں تھا۔ پھر یہ کہاں سے آئی؟

وہ ایک ہی جگہ ساکت تھی نہ اس میں کوئی لرزش تھی اور نہ جنبش اس کے جال سے لپٹا ہوا کاغذ اب بھی میرے سامنے لٹک کر جھول رہا تھا۔

اور پھر جب مزید کچھ بھی نہ ہوا، تو میں نے ذرا ہمت باندھی، ایک نظر اس ساکت اور پراسرار مکڑی پر ڈالی اور ہاتھ بڑھا کر کاغذ کو جال سے کھینچ لیا۔

کاغذ سیدھا ہوتے ہی انگریزی زبان میں لکھے ہوئے چند جملے میری نظروں سے ٹکرائے۔

میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں پڑھا، لکھا تھا:

"طلسم زاد! تم پریشان مت ہو...... تمہیں خود کو الجھن میں ڈالنے کی اور خوف زدہ ہونے کی

قطعی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں، میں ہر روپ میں ہوں، میں ہر بہروپ میں ہوں، میں تمہارے سامنے ہوں اور تم سے کوسوں دور بھی ہوں۔ میں سائے کی طرح تمہارے ساتھ ہوں، میں تمہاری طاقت ہوں۔ میں کون ہوں......؟ میں کیا ہوں......؟ اس راز سے جلد ہی پردہ اٹھے گا۔ ابھی تمہارے امتحان کی کئی کڑیاں باقی ہیں...... جب امتحان پورا ہو جائے گا، تو میں تمہارے سامنے آ جاؤں گا۔ اس وقت کے منتظر ہو۔

تمہارا خیر خواہ۔

میں ہکا بکا سا ہو کر اس تحریر کے الفاظ کو گھور رہا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر گزر گئی۔ جب مجھے سے گزرنے کا احساس ہوا تو میں نے چونک کر چھت کی طرف دیکھا۔

لیکن اب وہاں نہ وہ مکڑی تھی اور نہ اس کا جال......!

میں ہونقوں کی طرح ایک بار پھر اس کاغذ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دفعتاً ایک مسحور کن سی خوشبو میری ناک سے ٹکرائی۔

ایک ایسی خوشبو...... جو مجھے جانی پہچانی سی لگی۔ میرا اس سے پہلے بھی واسطہ پڑ چکا تھا۔ کب اور کہاں......؟ یہ مجھے یاد نہیں تھا۔

میری حالت اب کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔ میں نے ایک طویل سانس لی اور کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں رکھ کر چپ چاپ گھر سے باہر آ گیا۔

ایک نئی صورت حال سے میرا واسطہ پڑا تھا، لیکن میں ابھی اس بارے میں کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ حرکت جس کی بھی تھی، بہر حال اس سے مجھے کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔

کیونکہ جو واقعہ پیش آیا تھا، وہ معمولی نہیں تھا۔ ایک عجیب نوعیت کی حامل مکڑی کا نظر آنا اور اپنے جال کے ذریعے کسی کا سندیس پہنچا کر غائب ہو جانا واقعی غیر معمولی تھا۔ میں نے کبوتروں کو پیغام رسانی کرتے ہوئے ضرور دیکھا تھا۔ لیکن کبھی کسی مکڑی کے بارے میں نہ تو کبھی دیکھا اور نہ سنا تھا اور وہ خوشبو......! وہ بھی مجھے الجھن میں ڈالے دے رہی تھی۔

لیکن فی الحال میں نے سب کچھ ذہن سے جھٹکا اور ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

اب مجھے مہادیو چاچا کی تلاش تھی، چنانچہ میں نے قریبی گلی سے برآمد ہونے والے ایک آدمی کو جا پکڑا:

''بھائی...... سنو...... یہ مہادیو چاچا کہاں ملیں گے؟''

''اپنے گھر پر۔'' اس نے فوراً ہی جواب دیا: ''وہ تو کہیں جاتا ہی نہیں ہے...... دن ہو کہ

رات..... گھر میں ہی پڑا رہتا ہے اور کیوں نا ہو.....؟؟ لاٹری لگی ہے اس کی..... بڑا انعام نکلا ہے..... آ گئے مزے چاچا کے۔''

''اچھا۔'' میں نے اس کی لمبی چوڑی گفتگو کو سراہا: ''وہ سب تو ٹھیک ہے..... لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مجھے ان کا گھر معلوم نہیں ہے۔''

''اوہ۔'' اس کے ہونٹ دائرے کی شکل میں سکڑ گئے: ''تو یوں بولونا..... سیدھے چلے جاؤ، داہنی طرف مڑ کر بائیں طرف دیکھو گے تو ٹاٹ کے پردے کے ساتھ ایک گھوڑا بندھا ہو گا..... وہ گھوڑا اس کا یار ہے..... چاچا رات دن اس کی صفائی، دھلائی میں لگا رہتا ہے..... بہت پریم کرتا ہے وہ اپنے گھوڑے سے۔''

''اچھا..... تو چاچا کا گھر وہی ہے؟'' میں نے جلدی سے پوچھا۔

اور اس کی گردن ہلتے ہی میں تیزی سے گھوم گیا۔ یہ شخص تو کافی باتونی معلوم ہو رہا تھا، اس لئے حل یہی تھا کہ میں کان دبا کر نکل لیتا۔

مہادیو چاچا کا گھر واقعی آسانی سے مل گیا۔ باہر تانگا کھڑا ہوا تھا اور قریب کھڑے ہوئے گھوڑے کا جسم چمک رہا تھا۔ شاید چاچا نے تھوڑی دیر قبل ہی اس کی مالش کی تھی۔

میں نے دروازے کے قریب جا کر آواز لگائی۔ تھوڑی دیر بعد ہی ٹاٹ کا پردہ ہٹا اور ادھیڑ عمر کا ایک شخص باہر نکلا۔

میں نے پہلی نظر میں ہی اسے پہچان لیا۔ یہ وہی تھا، جو پچھلی دفعہ مجھے سادھو بابا کے گھر تک اپنے تانگے میں لایا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کا چہرہ پھیکا سا پڑ گیا تھا۔ لیکن پھر فوراً ہی اس نے سنبھل کر سر سے پاؤں تک میرا جائزہ لیا اور سوالیہ انداز میں پوچھا:

''کیا بات ہے بابو.....؟ تم کون ہو.....؟ اور مجھے کیوں آوازیں دے رہے ہو.....؟''

''مہادیو چاچا آپ ہی ہو؟'' میں نے اس کے سوال نظر انداز کر کے پوچھا۔

''ہاں..... میں ہی ہوں..... پر..... تم کون ہو؟'' اس نے اپنی آنکھیں چندھیا کر پوچھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے مجھے پہچاننے کے لئے ذہن پر زور دے رہا ہو۔

''تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو چاچا..... اچھی طرح۔'' میں نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

اس کا چہرہ ایک بار پھر متغیر ہو گیا اور وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

''بولو..... جانتے ہو نا.....؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''میں تمہیں کیا جانو......! کیسی باتیں کر رہے ہو بابو...... میں نے تو کبھی تمہیں دیکھا بھی نہیں ہے......'' اس نے مجھ سے نظریں چرا کر کہا۔ پھر وہ اپنے گھوڑے کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس کی اگلی ران پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو چاچا۔'' میں کب اسے چھوڑنے والا تھا: ''اور یہ جھوٹ صاف ظاہر بھی ہو رہا ہے...... تمہیں شاید جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا۔''

میری اس بات پر مہادیو چاچا نے پلٹ کر مجھے گھورا اور تڑ سے کہا: ''مہادیو نے کبھی جھوٹ بولا بھی نہیں ہے...... لیکن...... آج تو مجبوری میں بول رہا ہوں۔''

''کیسی مجبوری؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

چاچا نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے ادھر ادھر دیکھا اور پھر مجھ سے کہا:

''اندر آ جاؤ۔''

فوراً ہی چاچا نے ٹاٹ کا پردہ ہٹایا اور مجھے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ میں نے چاچا پر ایک نظر ڈالی اور اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک سادہ سا کمرہ تھا۔ جس میں ایک اسٹول، ایک عدد پرانی سی چارپائی اور اس پر بچھے ہوئے گدے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس نے مجھے چارپائی پر بٹھایا اور خود اسٹول کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اب وہ یک ٹک میری شکل دیکھ رہا تھا۔

''تم مجھے گھر میں تو لے آئے ہو۔'' میں نے زبان کھولی: ''لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے مجھے پہچانا بھی کہ نہیں؟''

''ہاں...... ہاں......'' چاچا نے گویا مکھی اڑائی: ''کچھ کچھ یاد تو آ رہا ہے...... تم شہر سے آئے ہو نا......؟ میں بھی جاتا رہتا ہوں شہر...... وہیں دیکھا ہوگا۔''

''تم پھر اڑنے لگے......؟'' میں بھنا گیا: ''میں جانتا ہوں کہ تم مجھے اچھی طرح پہچان چکے ہو...... میں دو مہینے پہلے یہاں آیا تھا، تو میں تمہارے تانگے میں ہی بیٹھ کر سادھو بابا کے گھر تک پہنچا تھا۔ میں تم سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم نے مجھے اس سمے بتایا کیوں نہیں کہ سادھو بابا کا دیہانت ہو چکا ہے...... تم مجھے چپ چاپ ان کے گھر پر اتار کر کیوں چلے گئے تھے؟''

تھوڑی دیر تک تو مہادیو چاچا کو چپ سی لگی رہی، پھر اس نے سر جھکا کر کہا:

''ہاں بابو......! میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔''

''لیکن کیوں؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا: ''تم نے ایسا کیوں کیا؟''

مہادیو چاچا چپ رہا۔ مجھ سے رہا نہ گیا:

''بتاؤ چاچا...... تم چپ کیوں ہو؟'' تم نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی کہ سادھو بابا کا دیہانت ہو چکا ہے؟''

''ایک آدمی نے مجھ سے ایسا کرنے کو کہا تھا۔'' مہادیو چاچا نے آخر کار اقرار کر ہی لیا: ''اور یہ اسی دن کی بات ہے، جب تم یہاں آئے تھے۔ وہ صبح سویرے میرے پاس آیا تھا اور اس کام کے اس نے مجھے ڈھیروں روپے بھی دئے تھے جو میں اب تک خرچ کر رہا ہوں۔''

''اوہ۔'' میرے منہ سے نکلا: ''جب ہی تو وہ آدمی کہہ رہا تھا کہ چاچا کی لاٹری نکل آئی ہے۔''

''کون کہہ رہا تھا؟'' وہ چونکا۔

''میں نے ایک سے تمہارا پتا پوچھا تھا...... اسی نے یہ بات بتائی تھی۔'' میں نے کہا۔

''حیرت ہے۔'' وہ بڑبڑایا: ''یہ بات تو پورے گاؤں میں کسی کو بھی معلوم نہیں ہے...... اسے کیسے پتا چلا......؟ کون ہو سکتا ہے وہ؟''

''ہوگا کوئی...... اسے نرک میں جھونکو۔'' میں نے منہ بنا کر کہا: ''اور مجھے اس آدمی کا بتاؤ، جس نے تمہیں میرے بارے میں بتایا تھا۔''

''ہاں...... ہاں...... وہ آدمی۔'' مہادیو چاچا اپنے خیال سے چونکے: ''اس نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اور پیسوں کی ضرورت ہو یا اور کوئی مشکل پڑے تو میں اس سے مل لوں۔''

''تم اسے جانتے ہو؟'' میں چونکا: ''کون ہے وہ...... کہاں رہتا ہے؟''

''میں اسے جانتا تو نہیں ہوں...... البتہ وہ خود مجھ سے اس طرح ملا تھا، کہ جیسے مجھ سے برسوں کی جان پہچان ہو...... میں بھگوان کی سوگندھ کھا کر کہتا ہوں کہ میں اسے بالکل نہیں جانتا۔'' مہادیو چاچا نے پرزور انداز میں کہا۔

''ہوں۔'' میں نے اسے گھورا: ''اگر نہیں جانتے تو اس سے کس طرح ملو گے، جب تمہیں روپئوں کی ضرورت ہوگی...... بولو......!''

''یہ کیا مشکل ہے بابو......!'' اس نے فوراً کہا: ''اس نے اپنا نام اور پتا بتایا تھا۔''

''اوہ۔'' میں نے ایک طویل سانس لی: ''تو یوں کہو نا......! اب تم مجھے جلدی سے اس کا نام اور پتا بتا دو...... اور یہ بھی بتاؤ کہ اس نے تم سے کیا کیا کہا تھا؟''

مہادیو چاچا نے ایک طویل سانس لی اور زبان کھولی:

''اس نے اپنا نام گوپال بتایا تھا، اس نے کہا تھا کہ وہ شیام گڑھ میں ایک حویلی میں رہتا ہے، اس نے حویلی کا نام رنگ محل بتایا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ بہت آسان سا پتا ہے، تم آرام سے

میرے پاس پہنچ جاؤ گے۔"

"ہوں۔" میں نے پرخیال انداز میں سر ہلایا: "گوپال......شیام گڑھ......رنگ محل۔"

"ہاں۔" مہادیو چاچا نے سر ہلایا: "اس نے مجھ سے کہا تھا کہ ایک آدمی گاؤں میں آئے گا......ساتھ ہی اس نے مجھے تمہارا حلیہ بھی بتایا...... یہاں تک کہ اس نے سمے بھی بتایا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں خاموشی سے تمہیں سادھو بابا کے گھر پہنچا دوں......اور بس......! میں نے اس سے پوچھا بھی تھا کہ وہ آخر ایسا کیوں چاہتا ہے؟ لیکن اس نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور مجھے خاصے روپے تھما کر چلا گیا اور میں نے کان دبا کر اس کے کہنے پر عمل کر ڈالا۔"

"خیر......تم نے اتنا برا بھی نہیں کیا؟" میں نے ایک طویل سانس لی: "اب تم مجھے صرف یہ بتا دو کہ یہاں سے شیام گڑھ کے لئے کون سی گاڑی ملے گی......!!"

☆......☆......☆

میں نے سادھو بابا کے گھر سے ملنے والا پراسرار خط سنبھال کر اپنی اندرونی جیب میں رکھ لیا تھا

۔

اب یہاں ٹھہرنا قطعی فضول تھا۔ یہ بات دن کے اجالے کی طرح مجھ پر روشن ہو چکی تھی کہ سادھو بابا اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ سوال پھر وہی تھا کہ پھر وہ کون تھا، جس سے میں دو ماہ پہلے آ کر ملا تھا......؟ اگر وہ سادھو بابا کے روپ میں کوئی اور تھا......تو پھر اس نے جو کہانی سنائی تھی، کیا وہ سب غلط تھا......جھوٹ تھا......؟

لیکن اس سے کسی کو کیا فائدہ......؟ میرے سر پر کوئی الٹی سیدھی کہانی تھوپ کر کسی کو کیا حاصل ہو سکتا تھا؟

وہ خط اور اس کی تحریر بھی بار بار میری آنکھوں میں چبھ رہی تھی اور پھر وہ آدمی، جس کا نام گوپال تھا......جسے میں جانتا تک نہیں تھا، لیکن وہ مجھ سے اتنا واقف تھا کہ اس نے مہادیو چاچا کو نہ صرف میرے بارے میں بتایا تھا بلکہ میرے گاؤں میں پہنچنے کا سمے بھی بتا دیا تھا۔

ان سب گتھیوں کو حل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ میں سب سے پہلے گوپال نامی اس آدمی سے ملاقات کروں۔ اس نے جو کچھ کیا تھا، آخر اس کا کیا مقصد تھا۔

مجھے شیام گڑھ کی گاڑی کے لئے کافی انتظار کرنا پڑا۔

جب میں بس میں سوار ہوا تو شام ڈھل رہی تھی۔ میں نے پائیدان پر قدم رکھتے ہی کنڈیکٹر سے پوچھا۔

''یہ بس کتنی دیر میں شیام گڑھ پہنچے گی؟''

''لو بھیا...... '' کنڈیکٹر نے اپنے ''پان زدہ'' دانتوں کی نمائش کر ڈالی: ''ابھی بس میں سوار ہوئے ہیں اور اترنے کی چنتا ہو گئی...... ارے بھائی...... ! پہلے اوپر تو آ جاؤ۔''

میں خاموشی سے اوپر چڑھ آیا۔ کنڈیکٹر نے دروازہ بند کیا اور گھوم کر بلند آواز سے بولا: ''چلو گھبرو استاد...... ! کھچاڑا آگے بڑھاؤ...... چل میرا بھائی۔''

ساتھ ہی بڑے اسٹائل سے اس نے کندھے اچکا کر دونوں ہاتھوں سے چٹکیاں بجاتے ہوئے ناچنے کی کوشش کی۔ ''نوٹنکی والے ہو کیا؟'' پچھلی سیٹ سے کسی مسافر نے اسے چھیڑا۔

''نہیں۔'' کنڈیکٹر نے پلٹ کر جواب دیا: ''میرے گھر میں ایک ہی پانی کی ٹنکی ہے۔''

اس جواب پر چند قہقہے بلند ہوئے گو کہ گاڑی زیادہ بھری ہوئی نہیں تھی، اس کے باوجود میں نے کسی مناسب سیٹ کی تلاش میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔

پچھلی جانب کی سیٹوں پر چند منچلے نوجوانوں کا ٹولہ خوش گپیوں میں مصروف تھا، گویا یہاں ان کا قبضہ تھا۔

ان سے اگلی سیٹوں پر ایک نمایاں شخصیت دکھائی دی، یہ کوئی کنور صاحب تھے، ان کا حلیہ بھی زرا رکھ رکھاؤ والا تھا۔ سفید رنگ کے کرتا اور پاجامہ میں ملبوس تھے، ان کے سر پر چھوٹی سی پگڑی بھی موجود تھی۔ طویل القامت تھے اور ان کا مناسب جسم تھا، رنگت بھی سرخ و سفید تھی۔

وہ اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے آدمی سے بڑے زور و شور سے گفتگو کرنے میں مصروف تھے۔ میں نے دور سے ہی محسوس کیا کہ ان کا انداز ناصحانہ تھا۔

ان سب کے علاوہ اس بس میں کئی مسافر اور بھی تھے۔ اتفاق سے مجھے ان لوگوں کے قریب ہی ایک سیٹ مل گئی۔ میرے برابر میں پہلے سے ہی ایک بڑے میاں بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے سیٹ پر بیٹھتے ہی وہ ایک جانب سرک گئے۔

انہوں نے بے خیالی میں مجھے گھورا بھی تھا۔ پھر کھڑکی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ بس اپنی مخصوص رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔ کنڈیکٹر مجھ سے ٹکٹ لینے آیا تو میں نے اسے جیب سے پیسے نکال کر دیتے ہوئے پوچھا:

''اب تو بتا دو...... تمہاری بس کب تک پہنچا دے گی شیام گڑھ؟''

''ویسے تو تین گھنٹے لگیں گے صاحب؟'' اس نے نوٹ گنتے ہوئے جواب دیا: ''لیکن اگر اس کھچاڑا کا موڈ خراب ہوا تو چار گھنٹے بھی لگ سکتے ہیں۔''

''تم بار بار اپنی بس کو کھچاڑا کیوں کہہ رہے ہو......؟'' میں پوچھ بیٹھا: ''اگر مسافروں نے اپنا کرایہ واپس لے کر دوسری بس پکڑ لی تو؟''

''کھانے کو تو ایشور دیتا ہے بابو جی......!'' اس نے بڑے انداز سے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ''یہ انسانوں کے بس کا روگ نہیں ہے...... میں تو سچ ہی بولوں گا۔''

''اگر گاڑی خراب ہے تو ہمیں پہلے ہی بتا دیتے۔'' کسی نے منہ بنا کر کہا تھا۔ میں نے بولنے والے کی طرف دیکھا، وہ حلیۂ بشرے سے کافی ''باریک سا آدمی'' تھا۔ وہ اتنا دبلا پتلا سا تھا کہ مجھے اس سے اس کے لئے یہی شبدھ سوجھا۔

''کم از کم ہم دوسری بس کا انتظار ہی کر لیتے۔'' اس دبلے پتلے آدمی نے کہا تھا۔

''دوسری بس تک تم زندہ رہ پاتے؟'' کنڈیکٹر نے حیرت سے پوچھا: ''تمہاری حالت دوسری بس کی تو ہرگز نہیں لگتی......!''

کنڈیکٹر کے اس جملے نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے لڑکوں میں کہرام مچا دیا۔ انہوں نے وہ شور مچایا کہ بس......!!

دبلے پتلے آدمی کا منہ بن گیا، وہ بولا کچھ نہیں۔

''بات یہ ہے بڑے بھائی......!'' کنڈیکٹر کی آواز اب کے مٹھاس سے بھرپور تھی: ''ہماری گاڑی موڈی ہے سفر کرے تو ہزاروں میل تک بھاگتی چلی جاتی ہے اور اگر بند ہو جائے تو پھر کئی گھنٹوں تک اسے کوئی اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتا۔''

''ادھر آ جا...... گاڑی کے جنے......!'' یہ ہانک ڈرائیور کی تھی۔ مخاطب ظاہر ہے کنڈیکٹر ہی تھا۔

''آیا استاد......!'' کنڈیکٹر نے جلدی سے اپنی ٹوپی سنبھالی اور وہاں سے کھسک لیا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' میرے برابر میں بیٹھے ہوئے بڑے میاں مجھ سے مخاطب ہوئے: ''میں دھام نگر میں ایک کارخانے میں کام کرتا ہوں، وہاں سے چھٹی کے وقت اکثر یہیں بس ملتی ہے، میرا یہ سفر بھی روز کا ہے...... کیا کروں......؟ اتنی اچھی نوکری بڑی مشکل سے ملی ہے...... دور تو بہت ہے...... خیر...... تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے وہاں کام کرتے ہوئے چار سال ہو گئے...... سمجھ لو کہ اتنے سال اسی بس میں واپسی کا سفر طے ہوا ہے، اس دوران میں کئی دفعہ اس بس نے اپنے رنگ ڈھنگ دکھائے ہیں۔ اچھی خاصی چلتے چلتے بند ہوئی ہے تو پھر مجھے دوسری بس کا ہی انتظار کرنا پڑا ہے۔''

میں بے ساختہ ہنس پڑا اور بولا: ''تو پھر آپ اسی میں کیوں سفر کرتے ہیں؟ دوسری بس کا انتظار کرلیا کریں۔''

''ڈیڑھ گھنٹے بعد آتی ہے دوسری بس۔'' انہوں نے بتایا: ''اس انتظار سے بہتر تو یہی اڑیل ڈبہ ہے...... کیوں؟''

میں نے سر ہلا دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد میں نے پوچھا:

''آپ شیام گڑھ میں رہتے ہیں؟''

''ہاں...... میں وہیں رہتا ہوں...... کیا تم بھی وہیں جارہے ہو؟''

انہوں نے پوچھا۔

''جی ہاں...... جیون میں پہلی بار۔'' میں نے سر ہلایا۔

''وہاں کوئی رشتے دار رہتا ہے تمہارا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی نہیں۔'' میں نے جواب دیا: ''میں وہاں کسی کو نہیں جانتا۔''

''اوہ۔'' وہ نہ جانے کیوں مسکرائے: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں بھی جدن بائی کی شہرت کھینچ کر لائی ہے۔''

''جدن بائی؟'' میں نے حیرت سے دہرایا: ''یہ کون ذات شریف ہیں؟''

''لو میاں...... تم جدن بائی کو نہیں جانتے۔'' بڑے میاں کی آنکھوں میں ہزار وولٹ کے بلب جل اٹھے: ''ارے تو پھر کیا جھک مارنے جارہے ہو شیام گڑھ......؟ جدن بائی کا رقص تو دور دور تک مشہور ہے...... اس کے کوٹھے پر ہر وقت جمگھٹا رہتا ہے، اس کے دیوانے کوسوں اور میلوں دور سے اس کا رقص دیکھنے کے لئے وہاں آتے ہیں...... واہ بھئی...... تم کو معلوم ہی نہیں ہے؟''

''میں اپنی ناقص معلومات کے لئے شرمندہ ہوں۔'' میں نے دل سے اقرار کیا: ''لیکن آپ یقین کریں کہ مجھے ناچ گانے اور کوٹھوں سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''پھر کس لئے جارہے ہو وہاں؟'' انہوں نے بے تکلفی سے میرے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''مجھے وہاں رنگ محل نامی ایک حویلی میں جانا ہے۔'' میں نے بتایا: ''اور وہیں ایک آدمی سے ملنا ہے۔''

میرے اس جملے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ بڑے میاں اپنی سیٹ سے اچھل پڑے۔ میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تو مجھے ان کے چہرے پر حیرت اور شدید خوف کے آثار دکھائی

دئے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے گھور رہے تھے۔ ان کی حالت نے مجھے بھی حیران ہونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے بے ساختہ پوچھا:

''کیا ہوا بڑے صاحب......! خیریت تو ہے......؟''

تھوڑی دیر تک تو وہ خاموشی سے مجھے دیکھتے رہے، پھر کھوئے کھوئے سے انداز میں بولے:

''تم نے...... تم نے ابھی رنگ محل کا ہی نام لیا تھا نا؟''

''جی ہاں...... بالکل......'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم...... تم کون ہو......؟'' انہوں نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''میں......؟'' میں اب بھی حیران تھا: ''میں ساون کمار شرما ہوں...... بمبئی میں رہتا ہوں......''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' بڑے میاں نے بات کاٹی۔ پھر ذرا توقف کے بعد بولے: ''تمہیں وہاں کس سے ملنا ہے......؟''

''گوپال نامی ایک آدمی سے۔'' میں نے بتایا۔

''کیا تم اس آدمی کو جانتے ہو؟'' انہوں نے پوچھا۔

''نہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا: ''میں پہلی بار اس سے ملوں گا۔ اس سے ملنے کے لئے مجھے رنگ محل کا ہی پتہ ملا ہے اور اس سے ملنا میرے لئے بہت ضروری ہے۔''

''تمہیں کس نے بتایا ہے کہ وہ آدمی تمہیں وہیں ملے گا؟'' انہوں نے پھر ایک سوال داغ دیا۔

''میرے ایک ہمدرد نے۔'' میں نے گول مول سا جواب دیا۔ میں ابھی تک الجھن میں تھا کہ بڑے میاں کے ان سوالوں کا مقصد کیا ہے؟

''تب پھر...... اگر تم میری مانو، تو ابھی اور اسی وقت یہاں اترو اور دوسری گاڑی سے واپس لوٹ جاؤ...... وہ تمہارا ہمدرد نہیں ہے، بلکہ تمہارا دشمن ہے کہ جس نے تمہیں رنگ محل جانے کا مشورہ دیا ہے۔''

انہوں نے پرخلوص انداز میں مشورہ دیا۔

''آخر کیوں؟'' میں جھنجلا اٹھا: ''وجہ تو بیان کریں...... آخر رنگ محل کیا ہے؟''

''رنگ محل۔'' بڑے میاں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا: ''اس کے دروازے سے جو اندر گیا، وہ پھر پلٹ کر نہیں آیا...... وہ...... واقعی رنگ محل ہے، لیکن یہ رنگ...... خون کا رنگ ہے،

انسانی خون کا رنگ......اوہ بھگوان......!''

''ہاہاہا۔'' دفعتاً پچھلی سیٹ سے ایک زبردست قسم کا قہقہہ گونجا۔ ہم دونوں کے علاوہ اور بھی کئی لوگوں نے چونکتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔ یہ وہی صاحب تھے، جن کے بارے میں، میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ نواب یا کنور ہیں۔ یہ قہقہہ ان ہی کے حلق سے برآمد ہوا تھا۔

''اس سے بڑی گپ میں نے جیون بھر میں کبھی نہیں سنی......'' اس کی آواز بھی کافی پاٹ دار تھی: ''واہ بھئی......اس دنیا میں ایک ایسا دروازہ بھی ہے، جس سے گزر کر کوئی واپس نہیں آتا... واہ......''

وہ شاید ہماری باتیں سنتا رہا تھا۔ ادھر اس کی بات سن کر بڑے میاں جھلا کر مڑے: ''ارے صاحب......! تم کیا جانو......شیام گڑھ کے بچے بچے کو یہ بات معلوم ہے کہ رنگ محل خونی بدروحوں کا مسکن ہے۔''

''یہ سب بھیا کی باتیں ہیں۔'' وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا: ''لوگوں کو تو موقع چاہئے ایسی باتوں کو اچھالنے کا......اچھی خاصی جگہ کو خواہ مخواہ آسیب زدہ بنا دیتے ہیں۔''

اب تک اردگرد کے کئی لوگ اس طرف متوجہ ہو چکے تھے، خود کنڈیکٹر بھی ادھر ہی چلا آیا تھا اور ہمارے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

''یہ بھیا کی باتیں نہیں ہیں۔'' بڑے میاں کو تاؤ آ گیا: ''ایک ٹھوس حقیقت ہے......جن پر رنگ محل کا سایہ پڑا ہے......ان سے جا کر پوچھو......یہاں بیٹھ کر باتیں بنانے سے کیا ہوگا؟''

''ارے بھئی آپس میں جھگڑنے سے کیا فائدہ؟'' کنڈیکٹر نے دخل دیا، پھر وہ کنور ٹائپ آدمی سے مخاطب ہوا: ''ارے صاحب......! تھوڑی دیر کے لئے مان لو کہ رنگ محل آسیب زدہ ہے۔''

''کیوں مان لوں؟'' وہ کنڈیکٹر پر چڑھ دوڑا: ''میرا نام کنور بھگوان داس ہے، میں ریٹائرڈ فوجی ہوں، میری عمر گزر گئی دردر کی خاک چھانتے ہوئے......میں نے ویران اور بیابان علاقوں میں نہ جانے کتنی راتیں کاٹی ہیں، میں نے جنگلوں کے اندھیروں میں پناہ لی ہے، لیکن کبھی میرا واسطہ کسی آسیب یا بھوت سے نہیں پڑا......تو میں یہ بات کیسے مان لوں؟''

''ماننی بھی نہیں چاہئے۔'' پچھلی سیٹ سے کوئی نوجوان بول پڑا: ''میں کنور صاحب کی تائید کرتا ہوں۔''

''اور ہم بھی......'' نوجوان کے باقی ساتھی بھی یک زبان ہو کر بولے اور پھر ہنس پڑے۔

اب صورت حال کافی دلچسپ ہو چکی تھی۔ بڑے میاں اور کنور صاحب کی آپس میں کافی دیر تک تکرار ہوتی رہی۔ کبھی میں بھی اس بحث میں شامل ہو جاتا اور کبھی پچھلی سیٹ والے لڑکوں کے گروپ میں سے کوئی ایک آدھ چبھتا ہوا سا جملہ اچھال دیتا۔ جب بات بڑھنے لگتی تو بے چارہ کنڈیکٹر آگے بڑھ کر ان دونوں کو رام کرتا۔

بس اپنا سفر طے کر رہی تھی اور ادھر یہ صورت حال تھی، سے کتنی تیزی سے گزرا...... پتا ہی نہ چلا اور رات کا اندھیرا پھیل گیا۔ اس بحث و مباحثہ میں آخر کار فیصلہ یہ ہوا کہ کنور صاحب میرے ساتھ رنگ محل جانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

''حالانکہ مجھے آگے جانا تھا۔'' کنور صاحب نے بتایا: ''لیکن اب میں شیام گڑھ کے اس آسیب کو دیکھ کر ہی وہاں جاؤں گا۔''

''ہمیں بھی جودھ پور پہنچنا تھا۔'' پچھلی سیٹ سے ایک لڑکے نے کہا: ''لیکن یہ تماشہ تو اب ہم بھی دیکھیں گے...... خوب ایڈونچر رہے گا۔''

اس کے ساتھیوں نے خوشی سے سر ہلا کر اس کی تائید کی۔ ''تو پھر طے رہا۔'' کنور صاحب کا لہجہ حتمی تھا: ''آج کی رات اس رنگ محل کے نام۔''

''آخری رات کہو...... جیون کی آخری رات۔'' میرے برابر والے بڑے میاں بڑبڑائے۔ ان کی دھیمی آواز صرف میں ہی سن سکا تھا۔ کیونکہ میں ان کے برابر میں بیٹھا تھا۔

''ارے بھائی کنڈیکٹر......!'' ایک لڑکے نے آواز لگائی: ''کسی اسٹاپ پر تھوڑی دیر کے لئے گاڑی رکوا دینا...... رات گذارنے کے لئے کھانے، پینے کا سامان بھی تو لینا ہے...... وہاں کھائیں گے کیا؟''

☆......☆......☆

آسمان صاف تھا، ستارے چمک رہے تھے اور ان کے درمیان میں ٹکا ہوا چاند...... اپنی ٹھنڈی سی روشنی کے ذریعے رات کے اندھیرے کو سمیٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

لیکن رات تو پھر رات ہی ہے...... میں اتنا ضرور دیکھ رہا تھا کہ جس سڑک پر گاڑی دوڑ رہی تھی، اس کے دونوں جانب طویل اور گھنے درختوں کی قطاریں تا حد نظر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک سٹاپ پر اتر کر ہم لوگوں نے کھانے، پینے اور دوسری ضرورت کا سامان خریدا تھا اور اب بقول کنڈیکٹر کے کہ شیام گڑھ آنے ہی والا تھا۔

''بس رکوا دو......!'' تھوڑی دیر بعد میرے برابر والے بڑے میاں نے کنڈیکٹر سے کہا: ''

اوران لوگوں کو یہیں اتار دو۔"

"کیوں؟" کنڈیکٹر نے بڑے میاں کو گھورا: "شیام گڑھ تو ابھی دور ہے...... یہاں اتر کر یہ لوگ ڈنڈے بجائیں گے؟"

"زیادہ افلاطون مت بنو۔" بڑے میاں چڑ گئے: "یہ بات مجھے بھی معلوم ہے، لیکن اگلے موڑ سے نکلنے والی پگڈنڈی سیدھی رنگ محل جاتی ہے...... شیام گڑھ سے رنگ محل کا سفر ان لوگوں کو دور پڑے گا...... اگر یہ لوگ وہاں اترے تو انہیں کافی دور چلنا پڑے گا۔"

"روک دو گاڑی۔" کنور صاحب نے شاہانہ انداز میں کنڈیکٹر کو مخاطب کیا: "ہمیں ادھر ہی اتار دو۔"

بس روک دی گئی تھی یہ چھوٹا سا گروپ نیچے اتر آیا۔ بس میں موجود تمام مسافر یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ بڑے میاں، ہم لوگوں کے ساتھ اترے نہیں تھے، البتہ انہوں نے یہ ضرور کہا:

"اگر زندہ بچ جاؤ تو میرے گھر ضرور آنا...... میرا مکان نمبر چک 610 ہے اور نام ہے شانتہ رام یاد رہے گا؟"

"تم بھی اتر آؤ ناں......" کنور صاحب کا لہجہ مذاق اڑانے والا تھا: "رنگ محل تک تو ساتھ چلو وہیں سے اپنے گھر چلے جانا...... تمہاری تو جان ہی نکلی جا رہی ہے ڈر کے مارے۔"

"نہ بابا...... میں ڈرپوک ہی سہی۔" بڑے میاں جلدی سے بولے: "اب تم لوگ سامنے والی پگڈنڈی کا راستہ پکڑو...... اب بھگوان کو یہی منظور ہے تو کوئی کیا کر سکتا ہے ورنہ اب بھی وقت ہے، واپس آ کر گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

"چلو لڑکوں......!" کنور صاحب بڑے میاں کو نظر انداز کر کے ہماری طرف گھومے: "ورنہ پھر لیکچر سننے کو ملے گا۔"

ان کے انداز پر میں خود بھی ہنس پڑا۔ ڈرائیور نے ہاتھ ہلا کر بس آگے بڑھا دی۔ تھوڑی دیر بعد میں، کنور صاحب اور وہ چھ لڑکے وہاں کھڑے تھے۔ ہمارے ہاتھوں میں سامان کے تھیلے بھی تھے، جو ہم نے خریدا تھا۔

چاند کی روشنی میں ہم نے دیکھا کہ درختوں کے درمیان سے واقعی ایک چوڑی پگڈنڈی دکھائی دے رہی تھی جو آگے جا کر اندھیرے میں گم ہو رہی تھی۔

"اب یہاں کھڑے کھڑے کیا کرنا ہے؟" کنور صاحب کی پاٹ دار آواز گونجی:

"چلو بھئی...... سامان میں سے ٹارچیں نکالو...... آگے بڑھو۔"

لڑکوں نے سامان میں سے دو ٹارچیں نکال لیں، اگلے ہی لمحے آس پاس کی جگہ روشنی سے جگمگا اٹھی۔

سب نے قدم آگے بڑھا دیئے۔

''یہ تو جنگل دکھائی دے رہا ہے۔'' ایک لڑکے نے زبان کھولی، اس کے انداز میں تشویش تھی: ''اگر یہاں درندے ہوئے تو؟''

''نہیں۔'' کنور صاحب نے فوراً سر ہلایا: ''یہاں نہ جنگلی جانور ہیں اور نہ درندے۔''

''آپ کو کیسے معلوم؟'' میں نے ان کی طرف دیکھا: ''کیا آپ پہلے یہاں آ چکے ہیں؟''

''یہ بات نہیں ہے۔'' وہ جلدی سے بولے: ''مجھے جنگلوں کا بھی خاصا وسیع تجربہ ہے...... کسی بھی جنگل کی صرف ہوا سونگھ کر بتا سکتا ہوں کہ اس جنگل میں کون کون سے جانور رہوں گے۔''

''واہ کنور صاحب......!'' ایک لڑکے نے تعریف کی: ''آپ تو ہر فن مولا دکھائی دیتے ہیں۔''

کنور صاحب جواباً عجیب سے انداز میں مسکرائے اور پھر تھوڑے سے توقف کے بعد بولے:

''اور اب رنگ محل تک پہنچنے سے پہلے تم سب بھی اپنا تعارف کروا دو...... تاکہ یہ سفر بھی کٹے۔''

سب سے پہلے میں نے اپنا تعارف کروایا۔ اس کے بعد ان لڑکوں کی باری آئی۔

وہ سب کے سب کالج اسٹوڈنٹ تھے اور اتفاق سے ایک ہفتے کے ٹوئر پر گھروں سے نکلے تھے، ان کا ارادہ کئی شہروں میں گھومنے کا تھا۔ اس گروپ کا جو ''سربراہ'' تھا۔ اس کا نام تھا کمل، اس کے باقی ساتھیوں کے نام نکھل، روپ کمار، ارجن، دیپک اور راہول تھے۔

خود کنور صاحب نے بھی اپنے بارے میں بتایا۔ ان کی جنم بھومی مہاراشٹر میں تھی۔ اپنے آباؤ اجداد کی تما جاگیر اور جائیداد کے اکیلے وارث تھے، سیاحت کا جنون تھا، اس لئے بیرون ملک اور خاص طور پر اندرون ہندوستان کا کونہ کونہ چھان مارا تھا۔ کئی ملکوں میں سیر و تفریح کی غرض سے گھومنے پھرنے کے لئے جا چکے تھے، لیکن اس کے باوجود ان کی پسندیدہ جگہ آگرہ کا تاج محل تھا۔

''تم لوگ وشواس کرو۔'' ان کا انداز جذباتی تھا: ''میں نے محبت کی اس سے زیادہ خوبصورت نشانی اور کوئی نہیں دیکھی۔''

''لیکن ایک مسئلہ غور طلب ہے۔'' میں نے دخل دیا: ''اس عمارت کی خوبیوں کا سہرا شاہ جہاں کے سر جائے گا یا اسے بنانے والے کاریگروں کے؟''

''ہاہاہا۔'' کنور صاحب نے حسب عادت ایک فراخ دلانہ قہقہہ لگایا: ''ہاں بھئی...... یہ تو واقعی

سوچنا پڑے گا۔"

اور پھر ایسی ہی باتوں میں الجھ کر ہم لوگوں نے وہ طویل پگڈنڈی طے کر ڈالی۔ واقعی محسوس ہو رہا تھا کہ یہاں کوئی جنگلی جانور نہیں ہے اور نہ اب تک کوئی اس قسم کے آثار دکھائی دیئے تھے۔ البتہ جھینگروں کی "ٹرچ ٹرچ۔" ضرور فضاء میں گونج رہی تھی۔

پگڈنڈی کا اختتام ایک وسیع میدان کے سامنے ہوا، میدان کے وسط میں ایک عمارت کھڑی دکھائی دی، شاید یہی رنگ محل تھا۔ سب سے آگے کنور صاحب تھے، میں ان کے پیچھے اور میرے پیچھے کمل وغیرہ تھے۔

ذرا ہی دیر بعد ہم لوگ اس عمارت کے قریب کھڑے تھے۔ "یہ...... یہ تو واقعی کوئی بھوت بنگلہ لگ رہا ہے۔" کمل کے منہ سے نکلا۔ وہ کسی حد تک درست ہی کہہ رہا تھا، حویلی کی طرز پر بنی ہوئی یہ کافی پرانی اور بوسیدہ سی عمارت، رات کے اس پہر کسی بھوت بنگلے سے کم دکھائی نہیں دے رہی تھی جو تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اس ویرانی اور سناٹے میں رنگ محل کا دیوہیکل چوبی دروازہ کافی ہیبت ناک لگ رہا تھا۔ ٹارچوں کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا گیا، اس بھاری بھرکم دروازے پر بڑی نفاست سے تراشے ہوئے نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔

دفعتاً کنور صاحب گھومے اور اعلانیہ انداز میں بولے:

"میں یہ دروازہ کھول رہا ہوں۔ اگر کسی کو ڈر لگ رہا ہو، یا کوئی گھبرا رہا ہو...... تو یہیں رک جائے...... کوئی اس کا مذاق نہیں اڑائے گا۔"

منچلے لڑکوں کے چہروں پر مسکراہٹیں دوڑ گئیں۔ پھر کمل نے ہنس کر کہا: "ایسی کوئی بات نہیں ہے کنور صاحب ...... اب ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہیں...... اس ایڈونچر میں تو بڑا مزا آ رہا ہے...... میں تو اندر جانے کے لئے بری طرح بے چین ہوں۔"

"ساون......!" اب وہ میری طرف گھومے: "تمہیں تو کوئی چنتا نہیں ہو رہی؟"

میں نے صرف مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔ کنور صاحب آگے جھکے اور پھر انہوں نے بڑے سے کنڈے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ دروازے میں تالا نہیں تھا، اس لئے اگلے ہی لمحے ایک گونج دار چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔

اندر ایک بڑا سا صحن دکھائی دیا، جس کے کناروں پر خودرو گھاس پھوس اور جنگلی پودوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔

صحن کے بیچ فوارہ بھی موجود تھا جو شاید کبھی چلتا ہو، لیکن اب وہ اجاڑ پڑا تھا۔ داہنی جانب والے کونے میں ایک کنواں بھی دکھائی دیا، جس میں باقاعدہ ڈول اور رسی موجود تھی۔

''واہ۔'' کمل کے منہ سے نکلا: ''ویری اولڈ بٹ، ویری ونڈرفل پلیس...... کتنا خواب ناک ماحول ہے......!''

''ہاں کمل......!'' اس کے ساتھی راہول نے تائید کی: ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... پرانی فلموں اور قصے کہانیوں جیسا ویری انٹرسٹنگ......

اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے یہ چھوٹا سا قافلہ اندر داخل ہوا، چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔

ایک چھوٹے سے دالان سے گذرنے کے بعد ہم لوگ ایک ہال نما کمرے میں داخل ہوئے۔

یہ کمرہ ہر قسم کے ساز و سامان سے بے نیاز تھا، دیواروں پر رنگ و روغن اتنا قدیم تھا کہ جگہ جگہ سے اکھڑ رہا تھا اور اسی وجہ سے دیواروں پر بے تکے سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ سامنے والی دیوار پر آتش دان بھی دکھائی دیا۔ جس میں اب شاید راکھ بھی نہیں تھی۔

اسی آتش دان کے اوپر دو کیروسین لیمپ رکھے ہوئے دکھائی دیئے۔

کنور صاحب نے فوراً آگے بڑھ کر لیمپ اٹھائے، اگلے ہی لمحے وہ پر مسرت انداز میں چلائے:

''وہ مارا......! لو بھئی...... ان لیمپوں میں تیل بھی موجود ہے...... چلو روشنی کا انتظام تو ہو گیا۔''

تھوڑی ہی دیر بعد دیا سلائی کی مدد سے وہ لیمپ روشن کر دیئے گئے۔ اب کافی روشنی پھیل چکی تھی جو اس کمرے کے لئے غنیمت تھی۔

''اوہو!'' کنور صاحب نے ہنکارا ابھرا: ''اب ایک کام اور ہو جائے تو کیا ہی بات ہو...... فرش گرد آلود ہو رہا ہے...... کاش یہاں بچھانے کے لئے کچھ مل جائے۔''

''اس کے لئے ہمیں دوسرے کمرے کھنگالنے پڑیں گے۔'' میں نے کہا: ''میرا خیال ہے کہ میں دیکھ کر آتا ہوں...... آپ لوگ یہاں رکیں۔''

''یہ مناسب نہیں ہوگا۔'' کمل بول اٹھا: ''ہم لوگ بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔''

''کیوں؟'' میں دھیرے سے مسکرایا: ''کیا تمہارے خیال میں ان لیمپوں میں تیل بھوتوں نے ڈالا ہے؟''

''یہ بات نہیں ہے۔'' وہ جلدی سے بولا: ''میں نے تو اس لئے کہا تھا کہ اس بہانے سے دوسرے کمرے بھی دیکھ لوں گا۔''

''چلو پھر۔'' میں مسکرایا: ''تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دی جائے۔''

''ایک منٹ ٹھہرو۔'' دفعتاً کنور صاحب نے ہاتھ اٹھایا: ''یہ بات واقعی غور طلب ہے کہ جب یہاں کوئی آتا ہی نہیں ہے، تو ان کیروسین لیمپوں کا یہاں کیا کام؟''

لمحہ بھر کے لئے سب کو سانپ سا سونگھ گیا۔ اس جملے کی سنسنی سے میں خود بھی محفوظ نہیں رہ سکا تھا۔

آخر تھوڑی دیر بعد راہول نے پھیکی سی ہنسی سے اس خاموشی کو توڑا: ''آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں کنور صاحب...... ویسے میرا تو یہ خیال ہے کہ ان بڑے صاحب نے خواہ مخواہ ہم لوگوں سے اتنے بڑے بڑے دعوے کئے، انہوں نے صرف سنی سنائی پر یقین کر لیا ہوگا۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' کنور صاحب نے سر ہلایا: ''بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بات کا پتنگڑ بنا دیتے ہیں۔''

''چلو بھئی اب...... کوئی بچھونا ڈھونڈو۔'' دیپک نے زبان کھولی۔ یہ دبلا پتلا سا لڑکا تھا: ''کھڑے کھڑے میری ٹانگیں تھک گئی ہیں۔''

''تم خود پر ترس بھی تو نہیں کھاتے۔'' راہول اسے کہنی ماری: ''اپنی جان دیکھو اور۔''

راہول نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اسے ایک اشارہ کیا، دیپک فوراً ہی اسے مارنے کے لئے دوڑا۔

''ارے......ارے......'' میں بے ساختہ بول اٹھا: ''رات کے اس سمے یہ کیا جھگڑا شروع کر دیا...... کیا تم لوگوں کو بھوک نہیں لگ رہی؟''

اس جملے نے دیپک کو روک دیا، ویسے وہ اب بھی راہول کو گھور رہا تھا جو شوخ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

پھر ہم لوگوں نے لیمپ اور ٹارچیں سنبھال لیں اور پھر ہم دوسرے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں کاٹھ کباڑ کا ایک انبار دکھائی دیا، اس پرانے سامان میں ٹوٹی پھوٹی کرسیاں، چند پرانی میزیں اور ایک بغیر بان والی چارپائی کے علاوہ ایک بڑی سی چٹائی بھی دکھائی دی۔ اندھوں کو تو گویا آنکھیں مل گئیں اور کیا چاہئے تھا۔ لڑکوں نے جلدی سے آگے بڑھ کر چٹائی کو کھینچ لیا۔

''کیا خیال ہے۔'' راہول نے کنور صاحب کی طرف دیکھا: ''ذرا دوسرے کمروں کا بھی

جائزہ لیا جائے؟''

''اب کیا ضرورت ہے؟'' وہ جلدی سے بولے: ارے بھئی چٹائی بچھاؤ...... کھاؤ پیو اور سو رہو...... ''چلو اب جلدی کرو۔''

چنانچہ یہی کیا گیا۔ واپسی آتش دان والے کمرے میں ہوئی تھی۔ چٹائی کافی لمبی چوڑی تھی، اسے بچھا دیا گیا تھا۔ سب سے پہلے تو بھوجن کا سامان نکالا گیا، بھوک کے مارے سب کا ہی برا حال تھا۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد سب نے ہی ٹانگیں سیدھی کرلیں، پیٹ میں روٹی جاتے ہی شریر سست پڑ گئے تھے۔ تھوڑی دیر اسی طرح گذر گئی، پھر راہول وغیرہ نے تاش کی گڈی نکال لی اور لڑکوں کا گروپ تاش کے پتوں میں مگن ہو گیا۔

ادھر کنور صاحب مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ چند ادھر ادھر کے موضوعات کے بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا:

''ایک بات پوچھوں ساون؟''

''جی ہاں...... پوچھئے......'' میں نے چونک کر انہیں دیکھا۔ وہ گہری نظروں سے میرا جائزہ لے رہے تھے:

''کیا واقعی تم یہاں کسی سے ملنے کے لئے آ رہے تھے؟''

''میرا وشواس کریں۔'' میں جلدی سے بولا: ''مجھے یہاں گوپال نامی۔''

میری بات درمیان میں ہی رہ گئی، کیونکہ اسی سمے ایک عجیب سی آواز گونجی تھی۔ یوں لگا جیسے کوئی جانور ڈکرایا ہو۔

میں بے ساختہ گھوما تھا، میری نگاہ خود بہ خود اندرونی کمرے کی طرف اٹھ گئی۔ لڑکے بھی چونک اٹھے تھے، انہوں نے فوراً ہی تاش کے پتے رکھ دئے:

''یہ...... یہ آواز کیسی تھی؟'' دیپک کی آواز میں خوف کی جھلک تھی۔

''اور...... ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کہیں قریب سے ہی آئی ہو۔'' راہول نے بھی خیال ظاہر کیا۔

''لیکن...... یہ آواز تو کسی جانور کی تھی۔'' میں نے کہا: ''اور میرا خیال ہے کہ اگر کوئی جانور یہاں موجود ہے تو اتنے آرام سے وہ ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتا...... اب تک تو وہ ہمارے سامنے آ چکا ہوتا......!''

یہ کہہ کر میں نے کنور صاحب کی طرف دیکھا جواب تک خاموش تھے اور کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

''آپ کا کیا خیال ہے..... کنور صاحب؟'' میں نے ان سے پوچھا۔

''آں۔'' وہ چونکے۔ پھر جلدی سے بولے: ''بھلا یہاں کون ہوگا.....؟ یہ آواز باہر سے آئی تھی۔''

''لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ اس علاقے میں کوئی جانور نہیں ہو سکتا۔'' میں نے انہیں یاد دلایا: ''پھر یہ جانور کہاں سے آ گیا؟''

''مجھ سے اندازے کی غلطی ہو گئی۔'' وہ لاپروائی سے بولے: ''میں منش ہوں، اوتار تو نہیں ہوں۔''

عین اسی وقت ایک بار پھر وہی آواز گونجی اور اب وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ واضح تھی۔ عجیب سی پھنسی پھنسی سی آواز تھی جو اس ویران اور اجاڑ محل کے ماحول کو مزید بھیانک بنا رہی تھی۔ میں نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا کہ آواز محل کے اندرونی حصے سے ہی آ رہی تھی۔

اب دوبارہ خاموشی چھا گئی تھی۔ میں نے اب کی بار کنور صاحب کے چہرے پر بھی فکر مندی کے آثار دیکھے۔

بے چارے لڑکوں کا تو ذکر ہی کیا.....! ان کے چہرے تو دھواں ہو رہے تھے۔ ''گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے بلند آواز سے کہا: ''اگر کوئی جانور یا درندہ اندر گھس آیا ہے تو ہم لوگ مل کر اس سے نمٹ لیں گے..... سامان میں ایک چھرا بھی ہوگا، وہ نکال لو۔''

''تم بچوں والی بات کر رہے ہو ساون۔'' کنور صاحب نے منہ بنا کر کہا: ''اندر کوئی نہیں ہو سکتا..... سب کے اندر آ جانے کے بعد میں نے خود اپنے ہاتھوں سے دروازہ بند کیا تھا اور وہ اب بھی بند ہے۔''

''تو پھر یہ کوئی بری آتما ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا: ''اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بس میں سفر کرنے والے بڑے میاں نے ٹھیک کہا تھا۔''

''اوہ!۔'' نہ جانے کیوں کنور صاحب جھنجلا گئے: ''کیوں تم لوگوں کو وہم ہو رہا ہے..... یا تو پھر تم لوگ کچھ زیادہ ہی کم زور دل کے مالک ہو..... میرا مشورہ یہ ہے کہ لمبی تانو اور سو جاؤ۔''

''اب نیند کہاں آئے گی؟'' دیپک منمنایا: ''کون سوئے گا اب؟''

''آواز سن کر تو نیند بالکل ہی اڑ گئی ہوگی۔'' کنور صاحب کا لہجہ طنزیہ ہو گیا: ''کیوں؟''

''آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے ہمیں تھپک تھپک کر سلائیں گے۔'' دیپک نے منہ بنایا: ''اگر آپ کو نیند آ رہی ہے تو آپ سو جائیں۔''

''میں کروں گا بھی یہیں۔'' کنور صاحب نے کہا اور فوراً ہی لیٹ کر کہنی سر کے نیچے ٹکائی اور کروٹ لے کر آنکھیں موند لیں۔ ''کیا خیال ہے؟'' کمل نے میرے کان میں سرگوشی کی: ''ہم لوگ اس محل کا جائزہ لیں؟''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا: ''اٹھاؤ ٹارچیں۔''

''تم لوگ باز نہیں آؤ گے۔'' کنور صاحب اسی حالت میں بڑبڑائے۔

''ہم لوگ یہاں مالا جپنے نہیں آئے۔'' راہول بھی چپ نہ رہ سکا: ''تھوڑی تفریح ہی رہے گی۔''

''ہونہہ......تفریح......'' کنور صاحب کا لہجہ پھر طنزیہ ہو گیا: ''ابھی آواز سن کر تو دم نکل گیا تھا۔''

''اس کی کھوج میں جا رہے ہیں۔'' راہول نے انہیں گھورا: میں اور راہول وغیرہ ٹارچیں اٹھا کر کمرے سے نکل آئے۔ کنور صاحب وہاں تنہا ہی رہ گئے تھے۔

''کنور صاحب تو عجیب آدمی ہیں۔'' راہول جو میرے قریب تھا، اس نے سرگوشی کی: ''وہ وہاں اکیلے ہی رہ گئے۔''

''ڈر لگے گا تو خود ہی اٹھ کر چلے آئیں گے۔'' میں نے کہا۔

''بس کے سفر میں تو بڑی باتیں بگھار رہے تھے۔'' راہول بولا: ''یہاں آ کر تو بالکل ہی چڑچڑے ہو گئے ہیں۔''

''وہ اپنے آپ کو بہت دلیر ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کوئی بات نہیں ہے۔'' دیپک نے منہ بنایا۔

ہم لوگ بڑے محتاط انداز میں آگے بڑھ رہے تھے، چاروں طرف دیکھتے ہوئے اور چوکنا......!

اگلے دونوں کمرے بالکل خالی تھے، اب ہمارے سامنے آخری کمرہ تھا اور اتفاق سے اس کا دروازہ بند تھا۔

راہول نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے رواروی میں سر ہلا دیا۔ عین اسی وقت ایک عجیب سی بدبو میری ناک سے ٹکرائی۔

''اوہ!'' دیپک نے فوراً ہی منہ پر ہاتھ رکھ لیا: ''یہ..... یہ کیسی بدبو آ رہی ہے.....؟ کہاں سے آ رہی ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ اسی کمرے سے آ رہی ہے۔'' روپ کمار نے ادھر ادھر دیکھا۔

''تو کیا وہ جانور اس کمرے میں ہے.....؟؟'' نکھل کے منہ سے نکلا۔

میں نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکیلا اور حیرت زدہ انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ ہم لوگ واپس آ کر چپ چاپ بیٹھ گئے۔ راہول وغیرہ کچھ زیادہ ہی ڈر گئے تھے، ورنہ میں نے ٹھان لی تھی کہ دروازہ کھولنے کی کوشش کروں.....

لیکن ان لوگوں کے اصرار نے مجھے اپنے اس ارادے سے باز رکھا: ''رہنے دو ساون بھائی!'' دیپک نے میرا کندھا تھام کر کہا: ''دروازہ خود ہی بند ہے تو اسے بند ہی رہنے دو..... بھگوان جانے اس میں کیا ہے اور یہ کیوں اندر سے بند ہے۔''

''اور کیا۔'' راہول نے تائید کی: ''کیوں خواہ مخواہ پنگا لیا جائے..... بھگوان کرے کہ رات خیریت سے گذر جائے۔''

کنور صاحب بے سدھ سوئے پڑے تھے۔ ان کے ہلکے ہلکے خراٹے سناٹے میں گونج رہے تھے۔

میں نے کنور صاحب پر ایک نظر ڈالی اور چٹائی پر خود بھی لیٹ گیا۔ میری دیکھا دیکھی راہول وغیرہ نے بھی ڈیرے ڈال دیئے۔ پھر کسی قسم کی کوئی بھی آواز سنائی نہ دی۔

''کچھ بھی ہو۔'' میں نے تھوڑی دیر بعد راہول کو مخاطب کیا، میرے برابر میں وہی لیٹا ہوا تھا: ''صبح اس دروازے کو کھولنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ دیکھوں تو سہی..... آخر اس میں ہے کیا؟''

''چھوڑو ساون.....'' راہول نے سرگوشی میں جواب دیا: ''یہاں رات گذارو اور سویرے نکل چلو..... خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ سے کیا فائدہ.....!''

اسی وقت کنور صاحب نے کروٹ بدلی اور میں خاموش ہی رہ گیا۔ پھر کوئی کچھ نہیں بولا تھا۔ کیونکہ سب پر نیند کا خمار چھانے لگا تھا۔ میں نے خود بھی آنکھیں موند لیں اور پھر نہ جانے کب مجھ پر نیند کی دیوی مہربان ہوئی اور میں اس کی آغوش میں چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

مجھے جھنجھوڑ کر اٹھایا گیا تھا۔ میں نے بڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں، لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا

تھا جیسے میری آنکھوں میں مرچیں جھونک دی گئی ہوں۔

''ساون......ساون اٹھو......جلدی اٹھو......!''ایک جانی پہچانی سی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ ذہن اعتدال پر آیا، تو میں نے کمل کو خود پر جھکا ہوا پایا، وہی مجھے جگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کمل کی شکل دیکھ کر میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ باقی ساتھی بھی وہاں موجود تھے اور ان کے چہروں پر بھی پریشانی کے آثار تھے۔ ''کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''وہ......وہ......دونوں غائب ہیں۔'' کمل نے اتنا ہی کہا تھا۔

''کون دونوں......؟ کیا کہہ رہے ہو؟'' میں نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

اسی سمے میں نے محسوس کیا کہ صبح کا اجالا پھیل چکا تھا، اس کا مطلب تھا کہ رات گزر گئی تھی۔

''کنور صاحب اور......راہول......دونوں غائب ہیں۔'' کمل نے بتایا۔

''کنور صاحب اور راہول غائب ہیں؟'' میں نے حیرت سے دہرایا۔

اور فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جلد ہی مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ واقعی کنور صاحب اور راہول لاپتہ تھے۔ ''میں سب سے پہلے سو کر اٹھا تھا۔'' کمل نے بتایا: ''اور جب وہ دونوں مجھے دکھائی نہ دیے تو میں نے سب کو جگا دیا۔''

''دوسرے کمروں میں دیکھا؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں......دیکھ لیا۔'' کمل نے بتایا: ''سوائے اس کمرے کے......جو اب بھی بند ہے۔''

میں خاموش ہی رہا، چند لمحے سوچنے کے بعد میں بڑبڑایا: ''کہاں جا سکتے ہیں یہ دونوں؟''

''بھگوان ہی جانے......'' کمل آہستہ سے بولا۔ پھر تشویش کن لہجے میں بولا: ''میرا تو من گھبرا رہا ہے......پتا نہیں کیوں......!''

''چنتا مت کرو۔'' میں نے اسے تسلی دی: ''ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں ہم لوگوں سے پہلے ہی سو کر اٹھ گئے ہوں اور صبح کی سیر کے لئے نکل گئے ہوں......آؤ......باہر چل کر دیکھتے ہیں۔'' یہ کہہ کر میں باہر کی طرف لپکا۔ دھوپ میں کافی حد تک تمازت آ چکی تھی۔ میں مین گیٹ کے قریب پہنچا تو اسے کھلا ہوا پایا۔

''وہ لوگ باہر ہی گئے ہیں۔'' میں نے سر ہلا کر کمل کی طرف دیکھا۔ پھر ہم لوگ باہر نکل آئے۔ میدان میں دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ میدان کے دوسری جانب درختوں کے جھنڈ کے

اوپر پرندے اڑتے پھر رہے تھے، ان کی چہکار سے فضاء گونج رہی تھی۔

''چلو......اسی طرف دیکھتے ہیں۔'' میں نے کہا اور قدم آگے بڑھا دیے۔ سامنے وہی پگڈنڈی موجود تھی، جس سے گذر کر ہم رات میں رنگ محل پہنچے تھے۔ ہم اسی پگڈنڈی پر ہو لئے، کمل میرے پہلو سے لگ کر چل رہا تھا اور بدستور تشویش کا اظہار کر رہا تھا۔

میں ابھی اس سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ پیچھے سے ایک تیز چیخ کی آواز سنائی دی۔ میں اور کمل چونک کر مڑے، دیپک ہم سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہوا ایک درخت کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف اور دہشت کے تاثرات دکھائی دے رہے تھے۔

یہ چیخ اسی کی تھی، سب لوگ تیزی سے اس کی طرف بڑھے: ''کیا ہوا دیپک......؟ کیا ہوا؟'' کمل نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

اس نے جواب دینے کے بجائے ہاتھ اٹھا کر اپنے سامنے موجود ایک درخت کی طرف اشارہ کر دیا۔

میں نے فوراً ہی سامنے دیکھا اور بھونچکا رہ گیا۔ درخت کی ایک شاخ سے کپڑے لٹک رہے تھے، جو بری طرح خون میں لت پت تھے۔ لمحہ بھر کے لئے تو میں بھی سناٹے میں آ گیا، کیونکہ یہ کپڑے میں نے راہول کے جسم پر دیکھے تھے۔

ہاں......وہ یہی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔

''بھگوان کی سوگندھ......!'' کمل کے منہ سے دہشت زدہ آواز نکلی: ''یہ......یہ تو راہول کے کپڑے ہیں......ہاں......اسی کے ہیں......اف......!!''

سب ہی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان خون آلود کپڑوں کو دیکھ رہے تھے۔

اچانک ہی دیپک کے منہ سے ایک عجیب سی آواز نکلی اور وہ تیورا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

فوراً ہی اسے اٹھا کر ایک درخت کے تنے کے سہارے بٹھا دیا گیا۔ وہ اب بھی بے حس و حرکت تھا۔

''یہ بہت کم زور دل کا مالک ہے۔'' کمل کی آواز میں، میں نے کپکپاہٹ محسوس کی: ''خون نہیں دیکھ سکتا۔''

''حال تو تم لوگوں کا بھی اچھا نہیں ہے۔'' میری آواز میں تشویش تھی: ''بھگوان جانے راہول کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟''

میری اس بات کا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عین اسی وقت مجھے کنور صاحب کا خیال آیا...... وہ کہاں تھے......؟ کیا ان کے ساتھ بھی کوئی حادثہ پیش آیا تھا......؟

زرا دیر کی کوشش کے بعد دیپک کو ہوش آ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ان پانچوں میں سب سے زیادہ پتلا حال اسی کا تھا۔

''آؤ...... جہاں تک ممکن ہو سکا...... راہول کو ڈھونڈتے ہیں۔'' تھوڑی دیر بعد میں نے کہا۔ ابھی تک ان کپڑوں کو کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

پھر ہم نے محل کے اطراف کا سارا علاقہ چھان مارا، لیکن نہ تو راہول کا کوئی سراغ ملا اور نہ کنور صاحب کا۔

کئی گھنٹوں کی مسلسل دوڑ دھوپ کے بعد بری طرح ناکام ہو کر دوبارہ رنگ محل کا رخ کیا گیا۔ اس لباس کے علاوہ راہول کا کہیں کوئی نام و نشان نہ تھا۔

محل میں ایک اور حیرت ہماری منتظر تھی، سامنے چٹائی پر کنور صاحب بڑے آرام سے نیم دراز تھے اور لمبی لمبی سانسیں لے رہے تھے۔

قدموں کی آہٹ نے انہیں سر اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ پھر ہمارے اترے ہوئے چہرے دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے:

''کیا بات ہے بھئی...... تم لوگوں کی شکلوں پر بارہ کیوں بج رہے ہیں......؟''

''آپ صبح سے کہاں تھے......؟'' میں نے لہجے کو پرسکون بناتے ہوئے الٹا ان سے سوال کر دیا۔

''میں صبح جلدی جاگا تھا۔'' انہوں نے بتایا: ''اور جب تم لوگوں پر نظر پڑی تو میں نے ایک فرد کو غائب پایا، پہلے اسے اندر ہی ڈھونڈا...... لیکن جب وہ نہیں ملا تو مجھے کافی حیرت اور تشویش ہوئی، میں نے تم لوگوں کو جگانا مناسب نہیں سمجھا اور اسے ڈھونڈنے نکل گیا...... لیکن وہ ملا ہی نہیں۔ تھک ہار کر واپس آیا تو تم لوگ بھی غائب تھے۔''

''ہم لوگ آپ دونوں کی تلاش میں نکلے تھے...... اس لڑکے کا نام راہول ہے۔'' میں نے بتایا۔

''ہاں...... ہاں۔'' وہ جلدی سے بولے: ''لیکن...... وہ تو اب بھی تمہارے ساتھ نہیں دکھائی دے رہا......!''

جواباً میں نے انہیں صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ ان کی آنکھوں میں حیرت کے دیئے جل

اٹھے:

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو......؟ تو پھر وہ خود کہاں ہے؟'' انہوں نے بوکھلا کر پوچھا۔

''یہی بات تو سوالیہ نشان ہے۔'' میرے لہجے میں تشویش تھی: ''ہماری پریشانی کی اصل وجہ یہی ہے۔''

''چلو...... مجھے وہ کپڑے دکھاؤ۔'' وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

یہ سن کر میں نے کمل کی طرف دیکھا اور کہا:

''کمل......! تم انہیں وہاں لے جاؤ...... میں ذرا اس بند دروازے کا جائزہ لوں گا۔''

''بند دروازہ؟'' کنور صاحب نے حیرت سے پوچھا: ''کون سا بند دروازہ؟''

''صبح آپ نے راہول کو ڈھونڈا تھا؟'' میں نے انہیں گھورا۔

''ہاں...... کیوں؟'' وہ چونک کر بولے: ''میں نے تو اس محل کا کونا کونا چھان مارا تھا۔''

''اس محل میں ایک کمرہ ایسا ہے، جس کا دروازہ کھولنے کی ہم لوگوں نے بہت کوشش کی لیکن وہ نہیں کھلا تھا...... اور آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے محل کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا......!''

یہ سن کر کنور صاحب کے چہرے پر ہلکا سا تغیر دکھائی دیا، پھر وہ جلدی سے بولے:

''پتا نہیں تم کیا اول فول کہہ رہے ہو...... خیر...... میں واپس آ کر تمہاری بات سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

پھر انہوں نے کمل کو اشارہ کیا اور اس کے ساتھ باہر نکل گئے۔ میں نے کمل کے ساتھیوں پر ایک نظر ڈالی اور اندرونی حصے کی طرف بڑھا۔ اسی سے ایک آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ کسی اور چکر میں پڑنے کے بجائے ہم لوگ فی الحال راہول کا پتا لگائیں؟''

میں نے مڑ کر دیکھا، بولنے والا انکھل تھا۔ اسے میں نے بہت کم بات کرتے ہوئے دیکھا تھا، کافی سلجھا ہوا لڑکا تھا۔

''میں تمہاری بات کو نظر انداز نہیں کروں گا۔'' میرا لہجہ دھیما تھا: ''لیکن اگر کسی کی شرارت سے راہول اسی کمرے سے برآمد ہوا تو؟''

ان چاروں نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ روپ کمار نے جلدی سے کہا:

''لیکن ایسی شرارت کون کر سکتا ہے؟''

''میں نجومی ہرگز نہیں ہوں...... اور یہ بھی محض قیاس ہے کہ راہول وہاں ہوگا۔''

میں نے اسے بہ غور دیکھا اور مزید کوئی بات کئے بغیر واپس گھوم گیا۔
اس کمرے کا دروازہ...... اب بھی بند تھا۔ اسی حالت میں...... کہ جیسے میں نے اور راہول وغیرہ نے اسے رات کے سمے دیکھا تھا۔
کنور صاحب کی بات مجھے الجھن میں ڈال رہی تھی، ان کا کہنا تھا کہ راہول کو تلاش کرتے ہوئے انہیں کسی قسم کے بند دروازے سے واسطہ نہیں پڑا تھا جبکہ یہ کمرہ اب بھی ہمیں منہ چڑا رہا تھا۔
نکہل وغیرہ بھی میرے پیچھے ہی چلے آئے تھے۔ میں نے ایک بار پھر دروازے سے زور آزمائی شروع کر دی۔
پہلے تو وہ لوگ مجھے دیکھتے رہے اور پھر میری مدد کے لئے آگے بڑھے۔ لیکن اسی سمے میں نے ترچھا ہو کر ایک زوردار کندھا دروازے پر مارا۔
دروازے کے قبضے اکھڑ گئے اور وہ کھلتا چلا گیا اور ایک تیز قسم کی بدبو کا بھپکا میری ناک سے ٹکرایا۔
''ہے بھگوان......!'' دیپک نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: ''کس قدر بدبو آرہی ہے...... سڑانڈ جیسی......!''
میں چند لمحے منہ پھیر کر سانس لیتا رہا، پھر میں نے ہمت کی اور کمرے میں قدم رکھ دیا۔
کمرہ خالی تھا، سوائے ایک ٹوٹی پھوٹی اور پرانی سی میز کے علاوہ یہاں کچھ بھی نہ تھا۔
فرش پر مٹی اور گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں، بدبو کا یہ عالم تھا کہ وہاں دو گھڑی کھڑا ہونا بھی محال تھا۔
''ارے ساون...... ! باہر نکلو بھئی...... یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔'' ارجن نے جلدی سے کہا: ''بدبو کے مارے دماغ پھٹا جا رہا ہے۔''
''بھگوان ہی جانے کہ اتنی بدبو کہاں سے آرہی ہے۔'' نکہل بھی بڑبڑایا: کمرہ تو خالی پڑا ہے۔
ابھی میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً میز کے قریب ایک چیز دیکھ کر میں زور سے چونک اٹھا۔
عین اسی وقت کنور صاحب کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی:
''یہاں کیا ہو رہا ہے بھئی؟''
میں گھوما، ان کے ساتھ کمل بھی تھا:

''ہم لوگ راہول کو ڈھونڈ رہے ہیں۔'' میں نے بتایا۔

''یہاں؟ اس کمرے میں؟'' وہ حیران رہ گئے۔

''ہاں۔'' میں نے سر ہلایا: ''اور اس کمرے کا دروازہ توڑا گیا ہے...... یہ اندر سے بند تھا۔''

''پھر وہی راگ الاپ رہے ہو۔'' انہوں نے مجھے گھورا، پھر ذرا سنبھل کر بولے: ''خیر...... خیر...... تم کچھ بھی کرو...... اب یہ بتاؤ کہ اس گمشدہ لڑکے کے لئے کیا کرنا ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ شیام گڑھ کی آبادی میں جا کر اسے ڈھونڈتے ہیں۔'' کمل نے جلدی سے کہا: ''ہوسکتا ہے کہ وہ وہاں ہو......!''

''بنا کپڑوں کے؟'' میں نے پوچھا۔

اس سوال پر وہ بغلیں جھانکنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دوبارہ کہنا شروع کیا:

''جو آواز ہم نے رات میں سنی تھی، وہ کسی درندے کی تھی اور...... راہول کے غائب ہونے کا کچھ نہ کچھ تعلق اس کمرے سے ضرور ہے۔''

میری اس بات نے سب کو چونکا دیا۔

''یہ...... یہ بات تم کیسے کہہ سکتے ہو؟'' کنور صاحب نے مجھے غور سے دیکھا، پھر وہ اپنی ناک تھام کر بولے: ''کتنی گھٹن اور بدبو ہے یہاں...... چلو یہاں سے...... اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔''

''ایک منٹ......'' میں نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور خود میز کی طرف بڑھ آیا۔ جلد ہی میں وہاں اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔

فرش پر انسانی پیروں کے نشانات صاف دکھائی دے رہے تھے اور مجھے جس چیز نے اس جانب متوجہ کیا تھا، وہ اب اور بھی واضح تھی۔

یہ ایک سرخ رنگ کا دھبہ تھا، جو کسی کے تازہ خون کے علاوہ اور کسی چیز کا نہیں ہوسکتا تھا۔

سب ہی میری طرف جھپٹے تھے اور پھر وہ خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹے۔ ان کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔

''ابے یار دفع کرو۔'' پہلی بار کنور صاحب کی آواز میں شدید خوف کا عنصر جھلکا: ''یہ...... یہ واقعی کوئی شیطانی چکر لگتا ہے...... چھوڑ دو یہ کمرہ...... یہاں سے نکل چلو۔''

''اور اگر یہ خون...... راہول کا ہوا تو؟'' میں نے ترچھی نگاہ سے انہیں دیکھا: ''آپ تو ان سب چیزوں کو مانتے ہی نہیں ہیں...... پھر کیوں خوف زدہ ہو رہے ہیں؟''

''نہ جانے راہول کے ساتھ کیا ہوا ہے؟'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے: ''اور میں نہیں

چاہتا کہ اب کسی اور کو کوئی نقصان پہنچے۔"

"آپ لوگ شبھ شبھ بولیں۔" دیپک بول پڑا: "بھگوان نہ کرے کہ راہول کو کچھ ہوا ہو۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ میں اب بھی میز کا جائزہ لے رہا تھا۔ دفعتاً وہی آواز کمرے میں گونجی اور اب اس میں کافی شدت بھی تھی۔

یہ کسی جانور کے ڈکرانے کی آواز تھی جو ہم لوگوں نے رات کو بھی سنی تھی۔

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، کنور صاحب اور کمل وغیرہ بھی خوف زدہ دکھائی دے رہے تھے۔

آواز کمرے میں گونج کر رہ گئی تھی اور قطعی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ آئی کس سمت سے تھی۔

"واقعی......!" کنور صاحب کے منہ سے نکلا: "بڑی ہولناک آواز ہے...... میں اب یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔"

یہ کہہ کر وہ الٹے قدموں پلٹ گئے۔ ان کے رویئے نے کمل وغیرہ کے حوصلے بھی پست کر دیئے اور وہ بھی کمرے سے نکل گئے۔

میں نے ہمت باندھے رکھی اور اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ میرا مطمع نظر اب بھی وہی میز تھی۔

اب میں اس کمرے میں اکیلا تھا۔

"تو کیا...... واقعی اس کمرے میں کوئی ان دیکھی مخلوق موجود ہے؟" میں نے دل میں سوچا۔

اگر ایسا تھا، تو وہ مجھے بھی نقصان پہنچا سکتی تھی۔

"ہونہہ۔" میں نے گردن جھٹکی: "جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

اسی سمے میری نظر ایک اور چیز پر پڑی اور میں چونک اٹھا۔ پھر میں اٹھا اور میں نے میز کو اپنی جگہ سے سرکا دیا۔

اگلے ہی لمحے ایک تہہ خانہ میرے سامنے تھا، جس میں مجھے سیڑھیاں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔

میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ میں نے مڑ کر دیکھا، کنور صاحب یا کمل وغیرہ میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہیں تھا۔

میں اٹھ کر کمرے سے نکل آیا، تھوڑی ہی دیر بعد مجھ پر یہ واضح ہو گیا کہ رنگ محل خالی پڑا ہے۔

کنور صاحب وغیرہ شاید ایک بار پھر راہول کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔

سامان جوں کا توں موجود تھا۔ میں نے چند لمحے کچھ سوچا اور پھر سامان پر جھک گیا۔ جلد ہی مطلوبہ چیز میرے ہاتھ میں تھی۔ میں ٹارچ اٹھا کر دوبارہ تہہ خانے والے کمرے میں آ گیا۔

میں نے تہہ خانے میں اترنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اس میں آخر ہے کیا؟

یہ بات تو اب واضح ہو چکی تھی کہ شدید قسم کی بدبو اسی تہہ خانے سے اٹھ رہی تھی۔

ویسے یہ دریافت بھی میرے لئے کافی حیرت انگیز تھی۔ لیکن ابھی کیا تھا؟ میں طلسم زاد تھا...... اور ابھی نہ جانے اور کتنے طلسم میرے منتظر تھے۔ میں نے سیڑھی پر قدم رکھ دیا اور ٹارچ روشن کر لی۔

میں قدم بہ قدم نیچے اتر رہا تھا اور بدبو کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔

دفعتاً وہی بھیانک آواز ایک بار پھر گونجی اور میرے اٹھتے قدم ساکت ہو گئے۔

وہ آواز...... اسی تہہ خانے سے آ رہی تھی۔ میں وہیں رک گیا تھا اور اب سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے!

یہ بات اب بھی میرے ذہن میں چبھ رہی تھی کہ اگر یہاں کوئی درندہ موجود ہے تو وہ سامنے کیوں نہیں آ جاتا۔

میں نے چند لمحے غور کیا اور پھر ایشور کا نام لے کر نیچے اترنے لگا۔

یہاں اندھیرا تو نہیں تھا، اتنی روشنی پھیلی ہوئی تھی کہ میں ٹارچ کی مدد کے بغیر بھی سب کچھ دیکھ سکتا تھا۔

اور پھر...... جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا، کوئی اور ہوتا تو دہشت کے مارے بے ہوش ضرور ہو جاتا۔

یہ ایک کافی بڑا کمرہ تھا، جس میں زینے کے اس راستے کے علاوہ بھی چھت پر ایک اور چوکور خلاء موجود تھا، جہاں سے دن کے اجالے کی روشنی اندر داخل ہو رہی تھی، اس کے قریب ہی ایک لکڑی کی سیڑھی بھی موجود تھی۔

اسی کمرے کے ایک کونے میں انسانی قد سے بھی اونچا اور کافی چوڑا لوہے کا پنجرہ رکھا ہوا تھا۔

اس پنجرے میں، میں نے جو کچھ دیکھا، اس نے لمحہ بھر کے لئے تو میرے حواس ہی گم کر دیئے۔

یہ ایک بن مانس یا گوریلا ٹائپ کا کوئی جانور تھا جو اندر فرش پر چت لیٹا ہوا تھا۔
وہ قد کاٹھ میں میرے برابر ہی رہا ہوگا۔ اس کے پورے جسم پر بھورے رنگ کے لمبے لمبے بال تھے۔
پنجرے کا دروازہ بند تھا اور اس میں تالا پڑا ہوا تھا۔ میری نگاہوں نے فوراً ہی اس بات کا اندازہ کر لیا تھا کہ وہ گوریلا اندر مقید تھا۔
میں ہمت کر کے آگے بڑھا اور پھر میری آنکھیں مزید حیرت سے پھیل گئیں۔
پنجرے کے ایک کونے میں کچھ ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں اور جا بجا خون کے لوتھڑے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ بدبو اسی جگہ سے اٹھ رہی تھی۔
مجھے جھرجھری سی آ گئی، عین اسی وقت گوریلا کے شریر میں حرکت ہوئی اور وہ بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
میرے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی، اس کی شکل بھی بہت ہی بھیانک تھی، تھوتھنی بالکل بن مانس جیسی تھی اور انتہائی موٹے اور بھدے ہونٹوں کے دونوں کناروں سے لمبے اور نوکیلے دانت باہر جھانک رہے تھے۔
وہ اپنی گول اور وحشت زدہ سی سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ دفعتاً اس نے عجیب سے انداز میں منہ کھولا۔
اس کے حلق سے جو آواز نکلی تھی، اسے سن کر میں چونک اٹھا۔ یہ وہی آواز تھی جو میں پہلے بھی کئی بار سن چکا تھا، یہ ڈکرانے کی آواز تھی۔
اب اس کے شریر میں حرکت ہوئی وہ میری طرف مسلسل دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ جھومنے کے سے انداز میں آگے بڑھا اور اس کے ہاتھوں نے پنجرے کی سلاخوں کو تھام لیا۔ اس کی انگلیاں بھی بے ڈھنگی اور کریہہ تھیں، ہاتھوں کے ناخن بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔
میں زیادہ فاصلے پر نہیں تھا، البتہ اس سے میں بے حس و حرکت کھڑا ہوا سوچ رہا تھا کہ اگر میرے اور اس ہیبت ناک جانور کے درمیان میں یہ سلاخیں نہ ہوتیں...... تو کیا ہوتا؟
دفعتاً ایک بار پھر اس گوریلے کے بھدے ہونٹ ہلے اور میں اچھل پڑا۔
وہ مجھے غور سے دیکھتے ہوئے صاف قسم کی ہندی (اردو) بول رہا تھا۔
اس کی آواز بے حد کھردری اور غیر انسانی سی تھی، لیکن جو کچھ اس نے کہا وہ سن کر میرے پاؤں تلے سے گویا زمین نکل گئی۔

''تم کون ہو؟ کنور جی کہاں ہیں؟ کنور جی کہاں ہیں؟''

یہ جملے تھے جو اس کے منہ سے نکلے تھے۔ میں الٹے قدموں واپس پلٹ گیا۔

اب میرا رخ زینے کی طرف تھا۔

میں اوپر پہنچا، تو معلوم ہوا کہ کمل وغیرہ کی اب تک واپسی نہیں ہوئی تھی۔

میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر بڑی مشکل سے قابو پایا تھا، ورنہ نیچے تہہ خانے میں جو کچھ ہو تھا اور جو میں سمجھ سکا تھا...... اس کے بعد تو اپنے دل کو قابو میں رکھنا محال تھا۔ اوپر آنے کے بعد میں نے تہہ خانے کے دہانے پر دوبارہ میز رکھ دی تھی، تاکہ کسی کو بھی اس کے بارے میں معلوم نہ ہو سکے۔

پھر میں آتش دان والے کمرے میں آ کر بیٹھ گیا۔ ذہن اعتدال پر آیا تو بھوک ستانے لگی صبح سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔

میں اٹھا اور سامان میں گھس پڑا، ذرا ہی دیر بعد میں نے ایک سادہ سینڈوچ حلق سے اتارا اس کے بعد تھرماس سے چائے نکالی ہی تھی کہ قدموں کی آہٹ ہوئی۔

کنور صاحب تھکے تھکے انداز میں میرے قریب ہی چٹائی پر ڈھیر ہو گئے۔ ان کے عقب میں کمل وغیرہ بھی اندر داخل ہوئے۔ ان کے چہروں سے بے چینی اور اضمحلال کا اظہار ہو رہا تھا۔

میں نے سوالیہ نظروں سے کمل کی طرف دیکھا، اس نے غم زدہ سے انداز میں گردن ہلا دی:

''راہول نہیں ملا...... ہم لوگ شیام گڑھ سے بھی ہو آئے...... لیکن...... اس کا کوئی پتا نہیں چلا......!''

''کیا تم لوگوں نے پورا شیام گڑھ چھان مارا؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہی سمجھ لو۔'' کنور صاحب نے دخل دیا: ''وہ قصبہ ہے ہی کتنا بڑا!؟''

''کیا وہاں کے لوگوں کو رنگ محل کے بارے میں بھی بتایا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں۔'' کنور صاحب نے سر ہلایا: ''ہم سے یہ عقل مندی سرزد نہیں ہوئی۔ ہم نے کوئی فالتو بات کسی سے کی ہی نہیں۔''

''یہ اچھا کیا۔'' میں نے طویل سانس لی اور کمل کی طرف متوجہ ہو گیا: ''اب تم بتاؤ...... کیا کرنا ہے؟''

''میں کیا بتاؤں......؟ میری بدھی تو کام ہی نہیں کر رہی۔'' وہ بے چارگی کے عالم میں بڑبڑایا۔

''بھگوان کرے کہ وہ بات نہ ہو، جس کا مجھے ڈر ہے۔'' نکھل نے کہا اور سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''کون سی بات؟'' روپ کمار نے اسے گھورا۔

''رات کو ہم نے جو آواز سنی تھی...... وہ کسی خون خوار درندے کی تھی۔'' نکھل نے نظریں چراتے ہوئے کہا: ''ہو سکتا ہے کہ راہول صبح سب سے پہلے اٹھا ہو اور باہر نکل گیا ہو...... پھر۔''

''پھر کیا...... آگے تو بولو۔'' کمل نے اسے ہٹو کا دیا۔

''وہ درندہ...... اسے چیر پھاڑ کر...... کھا گیا ہو۔'' نکھل نے بات پوری کی اور کمل وغیرہ کے چہروں پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

''تم پاگل تو نہیں ہو گئے نکھل؟'' کمل نے اسے گھورا: ''اتنی بری بات سوچ رہے ہو......!''

نکھل شرمندہ سا ہو گیا۔ میں نے فوراً ہی کہا:

''نکھل کی بات میں کسی حد تک مان لیتا...... کیونکہ اس جنگل اور ویران علاقے میں یہ ممکن ہے، لیکن ایک مسئلہ اور بھی ہے۔''

''وہ کیا؟'' کنور صاحب نے چونک کر مجھے دیکھا پھر جلدی سے بولے: ''ارے ہاں...... تم اس کمرے میں کیا کرتے رہے تھے؟''

''جھک مار رہا تھا۔'' میں نے فوراً جواب دیا۔ پھر بولا: ''اچھا تو...... میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر کسی درندے نے راہول کا خاتمہ کر دیا اور اسے چیر پھاڑ کر کھا گیا، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ...... اس کے کپڑے درخت پر کس نے لٹکائے؟ آخر وہ درخت پر پہنچے کس طرح؟''

اس سوال پر سب نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ پھر کنور صاحب کی سرسراتی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی:

''تم...... کون ہو......؟''

''بتایا تو تھا۔'' میرے لہجے میں لاپروائی تھی: ''میرا نام ساون کمار شرما ہے۔''

''مجھے تو تم کوئی جاسوس لگتے ہو۔'' کنور صاحب نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔

لیکن پھر فوراً ہی انہیں حالات کی سنگینی کا احساس ہوا اور وہ سنجیدہ ہو گئے۔

''اس میں سراغ رساں یا جاسوس کی کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا: ''انسان کو اپنا دماغ حاضر رکھنا چاہئے۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ اس محل میں ضرور بری آتماؤں کا سایہ ہے۔'' کنور صاحب نے

سر ہلا کر کہا: ''اس بوڑھے نے ہم لوگوں کو سمجھایا تھا، لیکن ہم باز نہیں آئے اور اب بھگت رہے ہیں۔''

''ہوسکتا ہے۔'' میں نے ان کی تائید کی: ''لیکن ابھی ہمیں فیصلہ کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ مجھے ایک چیز کی شدت سے کمی محسوس ہو رہی ہے...... کاش......!''

میں بولتے بولتے رک گیا۔

''کس چیز کی؟'' کنور صاحب نے بے ساختہ پوچھا۔

''ایک عدد پستول یا رائفل کی۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں جواب دیا: ''ہوسکتا ہے کہ کسی موقع پر ضرورت پڑ جائے...... کیا خیال ہے......!''

''تم اس کی چنتا مت کرو۔'' کنور صاحب کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز قسم کی مسکراہٹ عود کر آئی: ''میرے پاس لائسنس والا پستول موجود ہے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے کپڑوں کے اندرونی حصے میں ہاتھ ڈال دیا اور جب ان کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک کالے رنگ کا پستول چمک رہا تھا۔

''ارے واہ کنور صاحب......!'' میری آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں: ''آپ تو واقعی بڑے کام کے آدمی نکلے...... مہا گرو......!''

''بھئی کیا کیا جائے......'' وہ انکساری سے بولے: ''میں تو جنگلوں کی خاک چھانتا ہوں...... کسی سمے بھی مجھے اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

''اس میں گولیاں بھی ہیں نا؟'' میں نے پستول ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے پوچھا۔

''لبالب ہے...... فل لوڈ......!'' وہ فخریہ انداز میں بولے۔

میں نے پستول کا رخ دیوار کی طرف کیا اور ٹرائیگر دبا دیا۔ فوراً ہی ایک دھماکہ ہوا...... پستول سے گولی نکلی اور دیوار کا پلاسٹر اکھڑ گیا۔

''یہ...... یہ تم نے کیا کیا؟'' کنور صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

''پستول چیک کر رہا تھا۔'' میں نے سعادت مندانہ لہجے میں جواب دیا۔

اور پھر میں نے یک دم ہی پستول کا رخ ان کی طرف کر دیا اور سرد لہجے میں بولا:

''تہہ خانے میں کیا ہے کنور بھگوان داس؟''

میرے ان شبدھوں میں شاید جادو تھا، کیونکہ کنور بھگوان داس فرش سے دو فٹ اوپر اچھل پڑا تھا۔

اس کے چہرے پر دنیا بھر کی حیرت در آئی تھی، پھر وہ یک لخت ہی میری طرف جھپٹا، لیکن میں پہلے ہی ہوشیار تھا۔ میں پیچھے ہٹا اور تیز لہجے میں اسے للکارا:

''خبر دار......! اگر تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا، تو میں لحاظ نہیں کروں گا......اور گولی تمہارا بھیجا پھاڑ ڈالے گی۔''

وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا، لیکن اب وہ بڑے خون خوار اور پھاڑ کھانے والے انداز میں مجھے گھور رہا تھا۔

ادھر کمل وغیرہ کا برا حال تھا۔ چند لمحوں کے اس حادثے نے انہیں بری طرح بوکھلا دیا تھا۔ میں نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا۔ اس لئے کنور بھگوان داس کی طرف سے توجہ ہٹائے بغیر کمل کو مخاطب کیا:

''کمل ......! میں جانتا ہوں کہ تم لوگ پریشان ہو رہے ہو......لیکن جو کچھ میں نے کیا ہے......صحیح کیا ہے......یہ شخص انسان کے روپ میں بھیڑیا ہے......خون خوار بھیڑیا۔''

یہ کہہ کر میں نے بھگوان داس کو مخاطب کیا:

''تم میری بات کا جواب دو......کون سی بلا ہے تہہ خانے میں......؟ اس پنجرے میں تم نے کیا پال رکھا ہے؟''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔'' بھگوان داس نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

وہ بڑے غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا، کسی حد تک وہ سنبھل بھی گیا تھا۔

''میں پوچھ رہا ہوں کہ پنجرے میں کیا ہے؟'' میرا لہجہ سخت ہو گیا۔

''کون سا تہہ خانہ......؟ کیسا پنجرہ......؟ تمہارا دماغ چل گیا ہے ساون......!'' اس نے جواب دیا۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔'' میں نے سر ہلایا: ''میں تمہیں بلا وجہ ہی موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر میں نے پستول کے ٹرائیگر پر دباؤ ڈال دیا۔ بھگوان داس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، وہ فوراً ہی ہاتھ اٹھا کر بولا:

''ٹھہرو......میں......میں بتاتا ہوں۔''

کمرے میں موت کا سا سناٹا طاری ہو گیا تھا، پھر بھگوان داس کے ہونٹ ہلے:

''مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ تم تہہ خانے میں کیسے پہنچ گئے......؟ کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی کہ یہاں تہہ خانہ بھی ہوگا۔''

''خون کے دھبے نے مجھے اس طرف متوجہ کیا تھا۔'' میں نے بتایا: ''اور پھر...... جہاں میز رکھی ہوئی تھی، اس سے ذرا فاصلے پر میز کے پائیوں کے کچھ اور نشانات بھی فرش کی مٹی پر بنے ہوئے تھے......اس کا مطلب یہ تھا کہ میز اپنی جگہ سے ہٹائی جاتی رہی ہے......تم نے یہاں بے حد لاپروائی سے کام لیا۔''

''مجھے کیا معلوم تھا۔'' اس نے ٹھنڈی آہ بھری: ''میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ تم...... جاگوش تک پہنچ جاؤ گے۔''

''جاگوش......؟؟'' میں نے سوالیہ انداز میں دہرایا۔

''ہاں...... اس کا نام جاگوش ہے۔'' بھگوان داس نے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا: ''وہ مجھے ایک جنگل سے ملا تھا، میں اسے اپنے ساتھ لے آیا...... وہ اپنی نسل کا نایاب جانور ہے...... وہ...... میرے جیون کا سرمایہ ہے...... بالکل اہل زبان کی طرح بولتا ہے۔''

''ہاں...... وہ مجھ سے تمہارا ہی پوچھ رہا تھا۔'' میں نے سر ہلایا۔ پھر میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا: ''اب یہ بھی بتادو کہ وہ کیا کھاتا ہے؟ اس کی مرغوب غذا کون سی ہے......؟''

مجھے اس سوال کا جواب نہیں ملا، کیونکہ عین اسی وقت بھگوان داس پستول کی پرواہ کئے بغیر مجھ پر جھپٹ پڑا۔

میں اس کے لئے بالکل تیار نہیں تھا، اس لئے فوراً ہی میرا توازن بگڑا اور میں الٹ کر گرا۔ پستول میرے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

سر جب فرش سے ٹکرایا تو میری آنکھوں کے آگے تھوڑے سے ستارے تو ضرور ناچے تھے۔ لیکن میں انہیں قطعی خاطر میں نہ لاسکا، کیونکہ بھگوان داس اب میرے سینے پر سوار تھا اور خود بھی کوئی جانور ہی لگ رہا تھا۔

وہ مجھے بری طرح بھنبھوڑ رہا تھا...... رگید رہا تھا اور جب تک میں خود کو سنبھالتا، وہ میری اچھی طرح درگت بنا چکا تھا۔

''میں...... تیری بوٹیاں بھی اسے کھلا دوں گا۔'' بھگوان داس کی آواز میں غراہٹ تھی: ''وہ بڑے شوق سے کھائے گا...... ہاں...... تم جیسے جوانوں کا گوشت اسے بہت پسند ہے۔''

لیکن عین اسی وقت ایک دھماکہ ہوا اور بھگوان داس ایک لمبی سی چیخ مار کر الٹ کے گرا۔

میں فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا، میں نے دیکھا کہ دیپک کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ خالی خولی نظروں سے بھگوان داس کو تڑپتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

خون بہہ کر فرش کو رنگین کر رہا تھا۔ سب ہی ہکا بکا تھے۔ جو کچھ ہوا تھا، وہ صرف چند لمحوں کا کھیل تھا، لیکن کتنا ہولناک اور سنسنی خیز تھا۔

زرا ہی دیر میں بھگوان داس کا تڑپتا ہوا شریر ساکت ہو گیا۔ میں اس کی طرف لپکا، لیکن وہ مر چکا تھا۔

''یہ...... یہ تم نے کیا کیا دیپک......؟'' کمل کی کپکپاتی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

میں بھی دیپک کی طرف گھوما، وہ کمزور سا لڑکا، پستول ہاتھ میں لئے گم صم کھڑا تھا۔ اس کی پلکیں بھی جھپکنا بھول گئی تھیں۔

میں نے ایک نظر کنور بھگوان داس کی لاش پر ڈالی اور دیپک کے قریب جا کر اس کے گلے میں ہاتھ ڈال دیا، اسے جیسے ہوش آ گیا:

''میں نے...... میں نے جان بوجھ کر نہیں مارا۔'' وہ بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا:'' پستول...... خود ہی...... چل گیا۔''

''بدلہ برابر ہو گیا۔'' میں نے نرم لہجے میں کہا:'' یہ تمہارے دوست راہول کا قاتل تھا...... تم نے اس کی جان لے لی...... یہ...... ایشور کا فیصلہ تھا...... تمہارا نہیں۔''

''راہول...... کا...... قاتل......'' ان لوگوں کے منہ سے بیک وقت نکلا، ان کے چہرے فق ہو گئے تھے۔

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا:'' آؤ میرے ساتھ۔''

پھر میں انہیں تہہ خانے میں لے آیا تھا، گوریلا کو دیکھتے ہی ان کی آنکھیں خوف سے پھٹ پڑیں۔

''بھگوان داس اسے نہ جانے کب سے پال رہا تھا۔'' میری آواز تہہ خانے میں گونجی:'' پنجرے میں تم لوگ جو ہڈیاں دیکھ رہے ہو...... یہ انسانی ہڈیاں ہیں۔ یہ انسانی گوشت کا رسیا ہے۔ اس جگہ کو آسیب زدہ بنانے میں بھگوان داس کا ہی ہاتھ تھا، تا کہ وہ یہاں اطمینان سے اس راکھش کی پرورش کر سکے...... اب بھگوان داس لوگوں کو کس طرح گھیر کر یہاں لاتا تھا اور اب تک کتنے لوگ اس جاگوش نامی درندے کا لقمہ بنے...... یہ تو بھگوان ہی جانتا ہے...... ہاں البتہ اب مزید کوئی اس بلا کا شکار نہیں بنے گا۔''

یہ کہہ کر میں نے بھگوان داس کا پستول سیدھا کرلیا۔

''کنور جی...... کہاں ہیں؟'' عین اسی وقت گوریلا نے اپنا بھیانک دہانہ کھول کر پوچھا۔

وہ بڑے غور سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔

''تم چنتا مت کرو۔'' میں نے اسے مخاطب کیا: ''میں تمہیں بھی وہیں بھیج رہا ہوں جہاں تمہارے کنور جی ہیں...... یہ لو۔''

اس کے ساتھ ہی میں نے پے در پے کئی فائر کردیئے۔ پراسرار جاگوش...... پنجرے کے اندر تڑپنے لگا۔

☆......☆......☆

آتش دان والے کمرے میں سب کے سب خاموش اور ساکت بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر ایک اپنی سوچ میں گم تھا۔

خاص طور پر کمل کا چہرہ بری طرح ستا ہوا تھا۔ پھر اس کے ہونٹ ہلے:

''ہے بھگوان......! راہول کی جگہ مجھے موت آجاتی...... اب میں ماتا اور پتا کو کیا منہ دکھاؤں گا...... وہ لے پالک تھا اور میرے باپو نے میرے ساتھ ہی اس کی بھی پرورش کی تھی...... وہ میرے ساتھ ہی بچپن کی دہلیز پار کر کے جوانی میں داخل ہوا تھا...... میرے باپو نے کبھی بھی اسے احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ لے پالک ہے۔''

''اوہ۔'' میرے منہ سے اتنا ہی نکلا۔

کافی دیر تک ماحول سوگوار رہا، پھر دیپک نے افسردہ سے لہجے میں مجھے مخاطب کیا:

''ساون بھیا......! تم کو یہ سب کیسے معلوم ہوا تھا...... ہم میں سے تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس محل کے نیچے کوئی تہہ خانہ بھی ہوگا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ شخص...... کنور بھگوان داس...... میرے خیال سے تو یہ اس درندے سے بھی بڑا درندہ تھا۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' یہ کہہ کر میں نے بھگوان داس کی لاش کی طرف دیکھا۔

جو اب بھی اسی حالت میں پڑی ہوئی تھی۔

''مجھے راہول کے لباس نے ہی شک میں ڈال دیا تھا۔'' میں دوبارہ گویا ہوا: ''اور پھر میز کے قریب وہ خون کا دھبہ...... میرا خیال ہے کہ کنور بھگوان داس نے ہم لوگوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے ایسا کیا تھا...... اس نے رات کے کسی پہر راہول کو بے ہوش کیا ہوگا...... ظاہر ہے کہ ہم سب سو رہے تھے، لیکن یہ تو جاگ ہی رہا ہوگا...... پھر یہ راہول کو اٹھا کر تہہ خانے میں لے آیا، پھر اس نے

راہول کو برہنہ کر کے اسے درندے کے حوالے کر دیا اور کپڑے خون میں ڈبو کر وہاں سے اٹھالایا، میرا خیال ہے کہ تہہ خانے سے نکلتے وقت اس کے ہاتھ سے کپڑے چھوٹ گئے...... کیونکہ وہ خون کی وجہ سے احتیاط کر رہا تھا...... اسی وجہ سے فرش پر خون لگا اور اس کے جوتے سے پھیل گیا...... اس بات کا اس نے خیال نہیں کیا...... خیر...... تو پھر اس نے کہانی کا رخ بدلنے کے لئے ان کپڑوں کو درخت پر ٹانگ دیا...... تا کہ صبح ہم لوگ اس منظر کو دیکھیں اور خوف زدہ ہو جائیں...... لیکن یہ اس کی غلطی تھی...... جو دونوں کو ہی لے ڈوبی...... اسے بھی اور اس کے پالتو درندے کو بھی۔''

''عجیب ہی شوق تھا اس کا۔'' کمل نے کہا۔

''ہاں واقعی...... اس کم بخت نے اس درندے کو ہندی بھاشا بھی سکھا رکھی تھی...... اور جب اس نے کنور کا نام لیا تو...... خود میرا برا حال ہو گیا تھا۔'' میں نے بتایا۔

''ہوں۔'' نکھل نے سر ہلایا پھر چونک کر بولا: ''اب اس کی لاش کا کیا کرنا ہے؟''

''یہیں پڑا رہنے دیں گے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا: ''خود اس کی گردن پر نہ جانے کتنے معصوم لوگوں کا خون ہو گا...... اس قصے کو یہی دفن کر دو اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاؤ...... راہول کی موت ایک دردناک حادثہ ہے، لیکن تم لوگ کوئی اور صورت حال بنا کر کسی کے سامنے بیان کرنا...... رنگ محل میں جو کچھ ہوا، اسے بھلا دینا۔''

''تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔'' کمل نے ضد کی: ''مجھ سے ماتا پتا کے سامنے جھوٹ نہیں بولا جائے گا۔''

''اور...... اور یہ مردود تو میرے ہی ہاتھوں مرا ہے۔'' دیپک بھی پریشان سے لہجے میں بولا: ''میرا کیا ہو گا؟''

''میں کہہ رہا ہوں نا کہ سب کچھ بھول جاؤ...... یہاں جو کچھ ہوا، وہ بس ایک سپنا تھا...... البتہ ہم لوگ راہول کو واپس نہیں لا سکتے۔''

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ پھر دیپک نے پوچھا:

''تم اب کہاں جاؤ گے ساون بھیا؟''

''میں شیام گڑھ جاؤں گا۔'' میں نے جواب دیا: ''میں جس سے ملنے کے لئے یہاں آیا تھا...... ہو سکتا ہے کہ وہاں اس سے ملاقات ہو جائے...... میرا اس سے ملنا بہت ضروری ہے۔''

میں نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور بس دھواں چھوڑتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

ایشور کی بنائی ہوئی یہ دنیا بھی عجیب ہے...... جو کچھ معلوم نہ ہو، وہ راز ہے...... اور جو کچھ تجربے میں آ جائے، وہ باعث حیرت ہے۔

اس تھوڑے سے عرصے میں، میں نے جو کچھ دیکھا تھا اور جتنے واقعات میرے ساتھ پیش آئے تھے، وہ نہ زد عام تھے اور نہ ہی کوئی عام انسان انہیں قبول کر سکتا تھا۔

میں اپنی تعریف نہیں کر رہا...... لیکن یہ حقیقت تھی کہ جب سے اس پر اسرار کتاب کی شکتیاں میرے ساتھ تھیں، گزرتا ہوا ہر پل میرے لئے عجیب طرح کے موڑ لا رہا تھا۔

اور یہ بات بھی قابل ذکر تھی کہ میں ہر صورت حال سے بہ خوبی نمٹ رہا تھا اور جیسے جیسے سے بیت رہا تھا، میری خود اعتمادی اور قوت ارادی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

میں اب ایک بات اور محسوس کر رہا تھا اور وہ یہ کہ جسمانی طور پر میں اپنے آپ میں واضح تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔

پہلے میں تنک منک سا آدمی تھا، کسی حد تک آپ مجھے کمزور کہہ سکتے تھے...... لیکن اب میں کافی بھاری اور ٹھوس ہوتا جا رہا تھا، میرے کھال سے چپکے ہوئے گال بھرتے جا رہے تھے، حالانکہ ان دنوں میرا خوراک پر زیادہ دھیان بھی نہیں تھا۔

گویا میں اسمارٹ ہوتا جا رہا تھا اور بتدریج کہ بمبئی فلم انڈسٹری میں میرے گولڈن چانس کے مواقع بڑھ رہے تھے۔

یہ مذاق کی بات تھی...... ہاں تو...... اب میں شیام گڑھ جانے والے راستے پر پیدل ہی ہولیا۔

رنگ محل...... بلکہ پر اسرار رنگ محل میں، میں نے تین چیزیں چھوڑی تھیں۔ جاگوش نامی گوریلا کی لاش، کنور بھگوان داس کی لاش اور اس کا پستول...... جس نے خود کنور کی ہی جان لے لی تھی۔ وہ سچویشن بھی خوب تھی۔

سب کچھ میں نے جوں کا توں چھوڑ دیا تھا، کیونکہ میں جانتا تھا کہ یہاں کوئی بھٹکتا بھی نہیں ہوگا۔ البتہ میں نے پستول پر سے دیپک کی انگلیوں کے نشانات ضرور مٹا دیئے تھے۔

شیام گڑھ، ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ لیکن اس میں آبادی گنجان تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے کافی چہل پہل نظر آئی۔

یہاں میں نے ایک خاص بات نوٹ کی، جگہ جگہ پہلوانوں کے اکھاڑے دکھائی دے رہے

تھے۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ شیام گڑھ پہلوانوں کی بستی تھی۔ کئی جگہ میں نے دیونما آدمیوں کو بھی دیکھا جن کی چال خراماں تھی اور وہ ڈولتے ہوئے چل رہے تھے۔

اس سے تو مجھے بھوک ستا رہی تھی، چنانچہ میری نظریں بے چینی سے مناسب جگہ کی تلاش میں تھیں۔

ایک چھوٹے سے بازار میں مجھے ہوٹل دکھائی دے گیا، میں نے اپنی رفتار بڑھا دی۔

میں ہوٹل میں داخل ہو گیا یہ متوسط درجے کا، لیکن کسی حد تک صاف ستھرا ہوٹل تھا۔ جس کی پیشانی پر ''سدھونان ہوٹل'' کا پرانا سائن بورڈ نصب تھا۔

اس چھوٹے سے ہال میں کافی رونق نظر آئی، یوں بھی دوپہر کا وقت تھا۔

میں نے ایک خالی میز منتخب کی اور کرسی پر دھم سے بیٹھ گیا۔ کچھ تھکن سی بھی محسوس ہو رہی تھی۔

میرے کرسی پر بیٹھتے ہی نہ جانے کہاں سے ایک لڑکا نمودار ہوا، اس کے کندھے پر تولیہ لٹکا ہوا تھا اور ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی، جس میں نان رکھے ہوئے تھے۔

اس نے نانوں کی پلیٹ میز پر رکھی، تولئے سے تھوڑی سی میز صاف کی اور کڑک سی آواز میں مجھے مخاطب کیا:

''ہاں صاحب...... سالن میں کیا لاؤں......؟ مرغی کا سالن، انڈا گھٹالا، آلو کی بجھیا......ساگ دال۔''

''ساگ دال لے آؤ......'' میں نے اس کی زبانی لسٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

وہ فوراً ہی چلا گیا۔ اب میں نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ مجھ سے اگلی میز پر تین افراد بیٹھے ہوئے بڑے جوش و خروش سے کسی موضوع پر بات چیت کر رہے تھے۔

تینوں ہی ادھیڑ عمر تھے۔ ان کی آوازیں صاف طور پر مجھے سنائی دے رہی تھیں۔

میں نے محسوس کیا کہ ان میں سے ایک ادھیڑ عمر آدمی، باقی دونوں کی مخالفت کر رہا تھا۔ ادھر ان دونوں کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ بھی اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں۔

دفعتاً ان دونوں میں سے ایک نے میز پر مکا مارا: ''تمہیں ماننا ہی پڑے گا رام دیال......! جب مقابلہ ہوگا، تو رگوناتھ کی جیت تمہارا بھرم تیل کر دے گی۔''

''رام دیال نے دنیا دیکھی ہے۔'' اسی ادھیڑ عمر نے منہ بنایا، جسے رام دیال کہا گیا تھا: ''نہ گھوڑا دور ہے اور نہ میدان...... دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا...... تم دونوں خواہ مخواہ

بحث کر رہے ہو۔"

"کیوں نہ کریں......؟" تیسرا بھی بول پڑا: "تم ابھی سے سٹھیا گئے ہو...... بڑھاپے میں تمہارا کیا حال ہوگا...... بھلا رگوناتھ کا اس کل کے چھورے سے کیا میل......؟ وہ گوپال کو چٹکیوں میں مسل دے گا......"

گوپال کا نام سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے، کیونکہ اسی نام کے چکر میں تو میں نے رنگ محل کی "سیر" کی تھی۔

چاچا مہادیو نے مجھے اسی نام کا حوالہ دیا تھا۔ میں نے جواب اپنی پوری توجہ ان تینوں کی طرف لگا دی تھی۔

اسی سمے کھانا آ گیا۔ میں نے پلیٹیں اپنی طرف کھسکائیں اور کان ادھر ہی لگا دیئے۔ ہو سکتا تھا کہ یہ وہی گوپال ہو، جس سے میں ملنا چاہتا تھا۔

"تم لوگ لکیر کے فقیر ہو۔" رام دیال کی آواز آئی: "ارے میں نے اٹھارہ سال استاد جگو کے اکھاڑے میں گزارے ہیں...... جوہری ہوں جوہری...... اب اگر بیماری نے میرا شریر تباہ کر دیا ہے تو کیا ہوا......؟ میں صرف دیکھ کر ہی پرکھ لیتا ہوں کہ کس پہلوان میں کتنا دم ہے۔"

"وہ پہلے آ تو جائے۔" برابر والے نے ہنس کر کہا تھا: "بہت بڑ کیس مار کر گیا ہے...... مشکل ہی پلٹے۔"

"وہ آئے گا...... ضرور آئے گا......" رام دیال کے لہجے میں اعتماد تھا۔

"یار...... تم کہیں اس کی شاگردی میں تو نہیں چلے گئے......؟" تیسرے ادھیڑ عمر نے بھی اسے چھیڑا۔

"کاش ایسا ہو جائے۔" رام دیال کی آنکھیں چمکنے لگیں: "لیکن اب...... ایسا نہیں ہو سکتا...... میں اس کی طرح کڑیل جوان نہیں ہوں۔"

"چلو رام دیال...... شرط لگاتے ہو......؟" اسی نے دوبارہ کہا: "ذرا مزا آئے گا۔"

"ہار جاؤ گے سنیل......! تم شرط لگا کر ہار جاؤ گے۔" رام دیال کے لہجے میں اعتماد تھا۔

"تو شرط کون سی بڑی ہے...... اگر تم ہار گئے تو گولڈن سینما میں فلم دکھا دینا...... بھگوان کی سوگندھ...... مزا آ جائے گا...... بڑی بڑھیا فلم لگی ہوئی ہے۔"

"چلو لگی شرط۔" رام دیال مسکرایا: "تم ابھی سے ٹکٹ خرید لو۔"

جواب میں ان دونوں کے منہ بن گئے تھے۔ پھر رام دیال خود ہی مسکرا کر بولا تھا:

''چلو یار چھوڑو...... بہت دن ہو گئے...... جدن بائی کے کوٹھے پر گئے ہوئے...... کیا خیال ہے......؟''

''وہ ہمارے گلے میں لال لگام نہ ڈال دے......؟'' دوسرے نے شوخ لہجے میں خیال ظاہر کیا۔

''تو کیا ہوا......؟'' رام دیال نے منہ بنایا: ''رہیں گے تو گھوڑے ہی...... اور گھوڑا کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔''

اس بات پر ایک زوردار قہقہہ پڑا۔ پھر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اور تھوڑی دیر بعد اٹھ گئے۔

میں بھی کھانے سے فارغ ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی کرسی کھسکائی اور ان کے ساتھ ہی کاؤنٹر پر پہنچا۔

بل ادا کرنے کے بعد میں ان تینوں کے ساتھ ساتھ ہی چلتا ہوا ہوٹل سے باہر آ گیا۔

پھر وہ لوگ ایک جانب چل دیئے اور میں کھڑا ہوا سوچ رہا تھا کہ مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔

قریب ہی ایک پان کا کھوکھا تھا۔ میں نے اسی جانب قدم اٹھا دیئے۔ مجھے معلوم تھا کہ بعض پان کے کیبن والے B.B.C چینل سے کسی طرح کم نہیں ہوتے۔

پان والا نوجوان سا لڑکا تھا، اس کا رنگ سیاہ مائل تھا...... اس میں اور تو کوئی قابل ذکر بات نہ تھی، سوائے اس کے گھنگھریالے سیاہ اور گھنے بالوں کے، جن کی ایک بڑی سی لٹ مخصوص اسٹائل میں اس نے ماتھے پر گرائی ہوئی تھی۔

اس کے جسم پر شوخ سا لباس تھا۔ کھوکھے میں ایک بے ہودہ سا گانا گونج رہا تھا...... یہی وجہ تھی کہ اس گانے کی کیفیت اس کے چہرے سے بھی عیاں تھی۔

گانے کی لے پر کبھی وہ سر ہلاتا اور کبھی سختی سے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیتا۔

مجھے قریب آتے دیکھ کر نہ جانے کیوں وہ کھسیا سا گیا اور دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے سنبھلنے کی کوشش کرنے لگا۔

میں نے اسے ٹیپ کی آواز کم کرنے کا اشارہ کیا، جس پر فوراً ہی عمل ہوا تھا:

''کیا کرے صاحب......'' وہ آواز کم کرتے ہوئے بولا: ''ابھی سناٹے کا ٹائم ہے نا......! جب رش پڑتا ہے تو اپن کو اپنا بھی ہوش نہیں ہوتا...... پر ابھی تو......''

''ہاں...... ہاں...... اچھی بات ہے......'' میں نے سر ہلایا: ''لاؤ ذرا چار پان تو بنا دو خوشبو

ڈال کے......اور رتنا بھی ڈالنا......''

''اچھا صاحب......'' وہ بولا اور تسلے سے پان نکالنے لگا۔ پھر مجھے غور سے دیکھتے ہوئے بولا: ''نئے آئے ہو صاحب......؟''

''ہاں بھئی......'' میں نے ٹھنڈی سانس بھری: ''میرا تعلق پریس سے ہے، بمبئی سے ایک اخبار نکلتا ہے۔ روزنامہ ''امرت''......میں اس کے لئے رپورٹنگ کرتا ہوں۔

''اوہ......'' اس کی آنکھیں چمکنے لگیں: ''تم اخبار والے ہو صاحب......بمبئی میں رہتے ہو......؟ واہ......!''

''تم گئے ہو کبھی بمبئی......؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''جاؤں گا صاحب......'' وہ جلدی سے بولا: ''کیا ہے کہ......اپن کی قسمت تھوڑی سی خراب ہے......جب بھی چانس مارتا ہوں، سالی جیب ڈھیلی ہو جاتی ہے......اب وہاں ایسے منہ اٹھا کر تھوڑی جاؤں گا......نوٹ شوٹ بھی تو پاس ہوں نا......!''

''ہاں......یہ تو ہے......'' میں نے کہا: ''اچھا یہ بتاؤ......یہاں کوئی اچھا سا ہوٹل ہے......میرا مطلب ہے کہ کچھ دن ٹھہرنے کے لئے......!''

''ہوٹل میں کیوں ٹھہرتے ہو صاحب......ویسے تمہارا نام کیا ہے صاحب......؟''

''ساون......ساون کمار نام ہے میرا......''

''انگلش......'' اس نے انگلی کا دائرہ بنا کر میرے نام کی تعریف کی: ''میرا نام جون......''

''سچ میں......؟'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔

''ماں نے تو سبھاش رکھا تھا......'' وہ منہ بنا کر بولا: ''مگر ساون بابو......! اپن کو فلم کا ڈائریکٹر نہیں بننا......بلکہ ہیرو بننا ہے......''

اس کی بات سن کر میں بے ساختہ مسکرا دیا۔ اس نے ایک پان میری طرف بڑھا دیا:

''لو صاحب......پان کھاؤ......بمبئی جا کر یاد کرو گے مجھے......ہاں تو ساون بابو......اپن تو تم کو یہ مشورہ دے گا کہ تم اپن کے گھر میں رہو......کیوں خواہ مخواہ ہوٹل کا منہ دیکھتے ہو......؟ جو روکھی سوکھی ہم کھائیں گے، تم بھی کھا لینا......!''

''تمہارا بہت بہت شکریہ جان......!'' میں نے پان چباتے ہوئے کہا: ''اگر ہوٹل میں دل نہیں لگا، تو تمہارے پاس آ جاؤں گا......ابھی تو تم ہوٹل ہی بتا دو......ارے ہاں......تمہارا پان تو بہت مزیدار ہے......''

''ہے نا بمباٹ......!''اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ پھر وہ جلدی سے بولا:''ہوٹل یہاں سے دور ہے...... آٹو رکشہ پکڑ لینا اور اس کو بولنا کہ گیانی کے ہوٹل جانا ہے...... وہ خود ہی پہنچا دے گا۔''

''اچھا اب یہ بتاؤ کہ تمہارا شہر کیا واقعی پہلوانوں سے بھرا ہوا ہے......؟''میں نے پوچھا۔

''اے لو صاحب...... یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے...... کسی تیلی چمار نے خواہ مخواہ اس کا نام شیام گڑھ رکھ دیا، ارے...... لڑاکوں کی بستی ہے یہ...... تمہیں ایک سے بڑھ کر ایک مسٹنڈا ملے گا یہاں...... ہاتھیوں جیسے جھنڈ کے جھنڈ ہیں سالے......!''

''اچھا۔''میں نے حیرت ظاہر کی پُر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے بولا:''پھر تو خوب تفریح رہے گی...... ویسے یہاں سب سے زبردست پہلوان کون ہے......؟ مزا آ جائے جس کے داؤ پیچوں میں......؟''

''صاحب......! اگر تم نے انٹرویو کرنا ہے، تو رگوناتھ کا کرو...... اپن کی نظر میں اس سے بڑھیا آئٹم اکھا بستی میں کوئی نہیں ہے......''

''رگوناتھ......! کون ہے...... کہاں رہتا ہے؟''میں نے پوچھا۔

میں نے ہوٹل میں بھی یہ نام سنا تھا۔

''جگت استاد ہے...... اپن کے یاروں میں سے ہے۔''جان کا لہجہ فخریہ تھا:''یہاں کا بچہ بچہ اس کا اکھاڑا جانتا ہے...... چھ سال سے نمبرون جا رہا ہے وہ...... کوئی اسے ہرا نہیں سکا...... البتہ ابھی سنا ہے کہ کسی باہر کے بندے نے اسے چیلنج کیا ہے...... مرے گا سالا...... جانتا نہیں ہے وہ جگت استاد کو......''

ابھی جان بات کر ہی رہا تھا کہ اس کے دو گاہک آ گئے، وہ ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ان سے فارغ ہونے کے بعد وہ دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوا:

''ہاں بابو...... تو اپن تم کو کیا کہہ رہا تھا......؟''

''تم رگوناتھ کو چیلنج کرنے والے کے بارے میں بتا رہے تھے......''میں نے یاد دلایا۔

''وہ تو سالا مرے گا کتے کی موت......''جان منہ بنا کر بولا:''اپنے جگت دادا کے سامنے کہاں ٹکے گا وہ مچھر......!''

''وہ کہاں رہتا ہے......؟''

''معلوم نہیں کدھر سے آیا ہے......''اس نے کندھے اچکائے:''ویسے تو وہ بھی گیانی کے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے...... نام پتا نہیں سالے کا کیا ہے......!''

''گوپال تو نہیں ہے......؟''

''ہاں......ہاں......'' وہ جلدی سے بولا۔ پھر اس نے چونک کر مجھے دیکھا: ''لیکن تمہیں کیسے معلوم......؟''

''میں ایک ہوٹل میں کھانا کھا رہا تھا......وہیں چرچے سنے تھے......'' میں مسکرا کر بولا۔

''وہ مچھر کی دم ہے......کہاں رگوناتھ اور کہاں وہ......منہ کی کھائے گا......'' اس نے منہ بنایا۔

''مقابلہ کب ہے......؟'' میں نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

''چار دن بعد......سوموار کو......رگوناتھ ہی کے اکھاڑے میں......وہ بڈھا وہیں سب کے سامنے ذلیل ہوگا......'' جان نے بتایا۔

''کیا وہ بوڑھا ہے......؟'' میں حیران رہ گیا۔

''مجھے تو بوڑھا ہی لگا تھا......'' اس نے سر ہلایا: ''حالانکہ سر کے بال کالے ہیں لیکن چہرہ بڈھوں والا ہے۔''

''اچھا......'' میں نے سر ہلایا: ''اب میں چلتا ہوں جان......پھر ملیں گے......''

یہ سن کر اس نے دانتوں کی نمائش کی اور ٹیپ ریکارڈ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

☆......☆......☆

گیانی ہوٹل میں کمرہ با آسانی مل گیا تھا۔ یہ ایک سادہ لیکن صاف ستھرا سا دو منزلہ ہوٹل تھا۔ شیام گڑھ میں میرے رکنے کا مقصد صرف اور صرف گوپال نامی شخص سے ملنا تھا اور اگر یہ وہی گوپال تھا کہ جو مجھے مطلوب تھا، تو میرا کام سیدھا ہو سکتا تھا۔

میں نے اس مقصد کے تحت کاؤنٹر کلرک سے رسمی سی گفتگو کے بعد پوچھا:

''یہاں گوپال نامی کوئی پہلوان ٹھہرا ہوا ہے......؟''

''پہلوان......!!'' کاؤنٹر کلرک بے ساختہ ہنسا، یہ ایک نوجوان سا آدمی تھا، کافی خوش شکل بھی تھا: ''وہ پہلوان کہاں ہے مسٹر ساون......! میرے خیال سے تو......اس کی اوپری منزل کا کوئی اسکرو ڈھیلا ہے......ارے......معاف کیجئے گا......کہیں وہ آپ کا جاننے والا تو نہیں ہے......؟''

''نہیں......'' میں نے نفی میں سر ہلایا: ''لیکن میں اس کے متعلق جاننا ضرور چاہتا ہوں۔''

''وہ جوانوں جیسا حلیہ بنائے رکھتا ہے......لیکن ہے بوڑھا......'' کاؤنٹر کلرک نے بتایا: ''ویسے تو رگوناتھ کو چیلنج کر کے وہ کافی شہرت کما چکا ہے، لیکن مجھے لگتا ہے کہ شاید صرف شہرت ہی کی

خاطر اس نے یہ حرکت کی ہے۔"

"وہ دیکھنے میں کیسا ہے.....؟" میں نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"سچ بتاؤں.....؟" وہ قدرے آگے جھک آیا: "وہ جب بھی کسی ضرورت کے تحت ہال میں آتا ہے..... یا میرے سامنے سے گزرتا ہے، تو نہ جانے کیوں مجھے خوف سا محسوس ہونے لگتا ہے، کچھ عجیب سی بات ہے اس میں، حالانکہ نہ تو اس کی شکل خوفناک ہے اور نہ وہ غصہ آور ہے..... لیکن..... لیکن....." وہ بولتے بولتے رک گیا۔

"لیکن کیا.....؟" میں نے قدرے بے چینی کے عالم میں پوچھا۔

"اس کی آنکھوں میں کوئی خاص بات ہے....." کاؤنٹر کلرک نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری: "یوں لگتا ہے جیسے..... ان میں برقی رو دوڑ رہی ہو، مقناطیسی کشش سی ہے اس کی آنکھوں میں..... میں نے جب بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی کوشش کی، مجھے جھرجھری سی آ گئی۔"

"اوہ....." میرے منہ سے بے ساختہ نکلا: "تمہاری باتیں سن کر اس سے ملنے کی خواہش اور بھی بڑھ گئی ہے۔ اس کا روم نمبر کیا ہے.....؟ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں....."

"وہ روم نمبر 17 میں ٹھہرا ہوا ہے....." کاؤنٹر کلرک نے بتایا: "لیکن وہ اس وقت موجود نہیں ہے..... اور مجھے پورا وشواس ہے کہ وہ جدن بائی کے کوٹھے پر ملے گا۔"

"جدن بائی کا کوٹھا.....!" میرے منہ سے نکلا: "کیا بات ہے بھئی.....؟ یہ جگہ تو کافی مشہور ہے..... کہاں کہاں سے سنتا ہوا آ رہا ہوں....."

"جب تم وہاں جاؤ گے تو تم بھی اس کے گن گاتے پھرو گے۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا: "جدن بائی جو پری کی مانند ہے، اس کے پاس ایسے بیش قیمت ہیرے ہیں کہ آنکھیں چکا چوند ہو جائیں....."

"تم بھی شوقین مزاج لگتے ہو.....!" میں نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔

وہ صرف ہنس کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پوچھا:

"اچھا بھائی.....! اب یہی بتا دو کہ جدن بائی کا کوٹھا ہے کہاں.....؟ ذرا دیکھوں تو..... جدن بائی کا دیدار بھی ہو جائے گا اور..... وہاں میں گوپال سے بھی مل لوں گا....."

☆.....☆.....☆

شام رخصت ہونے والی تھی اور رات کا دھندلکا پھیل رہا تھا۔

میں نے جیسے ہی اس تنگ سی گلی میں قدم رکھا، ہوا کے دوش پر ڈولتی ہوئی طبلے کی تھاپ کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

میں جیسے جیسے قریب ہو رہا تھا، اس تھاپ کے ساتھ ایک مدھر سا گیت بھی سنائی دے رہا تھا۔

اور پھر میں جدن بائی کے کوٹھے کی دہلیز پر پہنچ گیا۔ عین اسی سمے دروازے پر پڑا ہوا خوبصورت سا ریشمی پردہ ہٹا اور کوئی تیزی سے باہر نکلا۔

میں نے بہ مشکل خود کو اس سے ٹکرانے سے بچایا تھا، اس کوشش میں، میں اس کی شکل نہ دیکھ سکا اور وہ فوراً ہی دائیں جانب چل دیا۔

''عجیب آدمی ہے......'' میں زیر لب بڑبڑایا: ''زیادہ پی لی ہوگی......!''

اب میں اس جانب متوجہ ہو گیا۔ یہ بلڈنگ پرانی طرز کی بنی ہوئی تھی اور دومنزلہ تھی۔

دوسری منزل پر میرے سر کے عین اوپر ایک جھروکہ کھلا ہوا تھا، جس پر لگے ہوئے پردے نے اندرونی حصہ چھپالیا تھا۔

ہوا کی اٹھکھیلی سے یہ پردہ بار بار اٹھتا اور جھول کر دوبارہ ساکت ہو جاتا۔

میں نے دروازے کا ریشمی پردہ ہٹایا اور ایک نہایت سریلی اور دل فریب آواز صاف طور پر میرے کانوں سے ٹکرائی:

موہے بالم کا روگ کاہے لگا
وہ نہیں ہیں
تو یہ سنجوگ کاہے لگا

میں بے ساختہ اندر داخل ہو گیا، یہ ایک چھوٹی اور تنگ سی راہداری تھی، جس کا اختتام ایک چوپٹ کھلے ہوئے دروازے پر ہوا۔

میں بے دھڑک اندر داخل ہو گیا۔ سب سے پہلے تو شراب کی بو نے میرا مزاج پوچھا۔ بیڑی کے دھوئیں کے مرغولے بھی اٹھتے دکھائی دئے۔

درجن بھر افراد تھے، جو فرشی قالین پر بیٹھے ہوئے جھوم رہے تھے اور داد دے رہے تھے۔

ان کے سامنے ایک جاذب نظر لڑکی، زرق برق کپڑوں میں ملبوس اس گانے کے لے پر نہایت مہارت سے تھرک رہی تھی۔

کبھی کبھی وہ ناچتی ہوئی آگے بڑھ آتی اور تماش بینوں میں سے کوئی ہاتھ بڑھا کر اسے چھیڑنے کی کوشش کرتا تو وہ پھرتی سے مچل کر اپنی مخصوص جگہ واپس چلی جاتی۔

اسے چھیڑنے والا ایک جھینپا ہوا سا قہقہہ لگا کر رہ جاتا۔ رقاصہ کے قریب ہی ایک موٹی اور بھدی سی عورت بڑی تمکنت سے چوکڑی مارے بیٹھی ہوئی تھی۔

اس کی آنکھوں سے بلا کی عیاری جھلک رہی تھی، وہ کبھی رقاصہ کی طرف دیکھتی اور کبھی گھوم کر فاخرانہ قسم کی مسکراہٹ تماش بینوں کی طرف اچھال دیتی۔

انداز ایسا ہوتا، جیسے اس رقص کی دیدہ زیبی میں اس کا اپنا شریر بھی شامل حال رہا ہو۔ گویا وہ کہہ رہی ہو:

''حرام کے جنوں......! اسے کیا داد دے رہے ہو......؟ مجھے شاباش دو کہ اسے میں نے ہی تو ناچنا سکھایا ہے......''

ناچنے والی لڑکی کے عقب میں ایک چھوٹا سا دروازہ تھا، جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔

اسی پردے کے پیچھے سے طبلے کی تھاپ کے ساتھ ساتھ وہ مدھر، سریلی اور کانوں میں شہد ٹپکا دینے والی آواز گونج رہی تھی۔

پردہ باریک تھا، لیکن اس کے باوجود ایک نسوانی ساخد وخال کسی سائے کی مانند دکھائی دے رہا تھا، میں کوشش کے باوجود اس کے چہرے کے نقوش نہ دیکھ سکا۔

لیکن اس کی ہلتی ہوئی گردن یہ بات ثابت کر رہی تھی کہ وہ سریلی آواز اسی کے گلے سے برآمد ہو رہی ہے جو گویا اس باریک سے پردے سے چھن کر آ رہی تھی۔

من ہوا ایسا بے دردی
اسے دھوپ لگے نہ سردی
یہ پریم کا جوگ کاہے لگا
موہے بالم کا روگ کاہے لگا

''واہ وا......واہ......'' تماش بینوں کا شور گونج اٹھا۔

اور پھر اگلے ہی لمحے اس بھدی اور موٹی سی عورت کے اردگرد نوٹوں کی بارش ہونے لگی۔

وہ کسی لالچی لومڑی کی طرح جھپٹ کر نوٹ سمیٹنے لگی، اس کی آنکھوں میں حرص کے سائے مزید گہرے ہو گئے تھے۔

اب کھڑے رہنا مناسب نہیں تھا۔ کیونکہ میں محسوس کر رہا تھا کہ کچھ آنکھیں مجھے گھورنے لگی تھیں۔

چنانچہ میں نے بھی قالین پر ڈیرہ جما لیا، میرے قریب ہی شراب کی بوتلیں اور گلاس رکھے

ہوئے تھے۔

میں اس طرح بیٹھا تھا کہ سب ہی لوگوں کو با آسانی دیکھ سکتا تھا، حالانکہ دوسری جانب ایک دل فریب سا رقص مجھے اس جانب متوجہ ہونے پر مجبور کر رہا تھا۔

لیکن میں تو اس مجمع میں گوپال کو کھوجنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دفعتاً میری نظر جانے پہچانے چہروں پر پڑی۔

یہ وہی تینوں ادھیڑ عمر آدمی تھے، جو مجھے ہوٹل میں ملے تھے،ان میں صرف رام دیال کا نام مجھے معلوم تھا۔

وہ تینوں اپنے اردگرد سے بے خبر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر رقاصہ کے ڈولتے اور لچکتے ہوئے شریر کو دیکھنے میں مگن تھے۔

میں نے ایک طویل سانس لی اور پھر خود بھی رقص کی طرف متوجہ ہو گیا۔

نوٹ سمیٹ کر بھدی عورت نے ہاتھ اٹھا کر پردے کی سمت کوئی اشارہ کیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد گانے کی آواز بند ہوگئی، طبلے کی تھاپ رک گئی اور رقاصہ سر جھکا کر وہیں روانہ بیٹھ گئی۔

''تم جاؤاب......کوشل......!'' بھدی عورت نے کرخت سی آواز میں رقاصہ کو مخاطب کیا۔

وہ فوراً ہی اٹھی اور اسی باریک سے پردے والے دروازے کے دوسری جانب چلی گئی۔اب بھدی عورت تنہا تھی۔اس کے چہرے پر کرختگی بدستور برقرار تھی۔

رقاصہ کے پردے کے پیچھے گم ہوتے ہی بھدی عورت گھومی اور پھر یکا یک ہی اس کے تاثرات بدل گئے۔

چہرے پر رجھانے والی نرماہٹ عود کر آئی، موٹے موٹے ہونٹوں پر ایک معنی خیز سی مسکراہٹ دوڑنے لگی اور وہ بڑی ادا سے جھک کر اس آدمی کی طرف متوجہ ہوگئی جو سب سے آگے بیٹھا ہوا تھا۔

اس آدمی کے جسم پر بے داغ سفید رنگ کا کرتا پاجامہ زیب تن تھا۔اس کی صحت متناسب تھی ۔عمر 40 کے لگ بھگ ہوگی۔اس کے ''تیل زدہ،'' لیکن سلیقے سے تراشے ہوئے بالوں میں کہیں کہیں سفیدی بھی جھانک رہی تھی۔

وہ بھی مسکرا کر بھدی عورت کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔اب لوگ اٹھ اٹھ کر باہر کا رخ کر رہے تھے۔ان میں کچھ ایسے بھی تھے،جن کی ٹانگوں میں خفیف سی لغزش تھی۔میرے تینوں شناسا ادھیڑ عمر بوڑھے بھی باہر نکل گئے۔

جلد ہی کمرہ خالی ہو گیا۔ اب وہاں صرف میں تھا، بھدی عورت تھی اور وہ آدمی تھا، جس سے اب تک بھدی عورت کا ''نین مٹکا'' ختم نہیں ہوا تھا۔

''کب تک تڑپاؤ گی جدن بائی......!'' دفعتاً اس آدمی نے بھدی عورت کو مخاطب کر کے قدرے مخمور سے انداز میں کہا: ''اب تو ہمیں اس اپسرا کا جلوہ دکھا دو...... ان آنکھوں کو ٹھنڈک تو ملے...... کب سے یہ دیدار کی اگن میں جل رہی ہیں، اب تم اور کتنا امتحان لو گی......؟''

''بس کل تک اور اپنے دل کو سنبھال رکھو......'' وہ اٹھلا کر بولی۔ انداز کسی کنواری کا سا تھا: ''کل شام ڈھلے اس کی نتھ اترائی ہے...... یعنی جدن بائی کے کوٹھے پر ایک انمول ہیرے کی نیلامی ہے...... پھر جس نے بھی بڑھ چڑھ کر بولی لگائی، میں وہ ہیرا اس کی جھولی میں ڈال دوں گی۔''

''خوب...... خوب...... جدن بائی......!'' اس آدمی نے گردن ہلائی: ''دل کے سودے میں کاغذ کے نوٹ کوئی اہمیت نہیں رکھتے...... تم سیٹھ لکشمن لال کو اچھی طرح جانتی ہو...... مجھے وشواس ہے کہ وہ ہیرا میری ہی جھولی میں گرے گا۔''

''یہ بات تو کل ہی معلوم ہو گی سیٹھ جی......!'' وہ ہولے سے ہنسی: ''جب وہ ہیرا سب کے سامنے ہو گا اور نوٹوں کے مینار لگیں گے......''

اس کے ساتھ ہی جدن بائی نے ایک اچٹتی سی نظر مجھ پر ڈالی تھی اور دوبارہ سیٹھ لکشمن لال کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ وہ مجھے قطعی خاطر میں نہیں لائی تھی۔

اب ویسے بھی میرا یہاں رکنا بیکار تھا۔ مجھے اب اپنی حماقت کا احساس ہو رہا تھا کہ میں بلاوجہ یہاں منہ اٹھا کر چلا آیا تھا۔

گوپال کوئی اپنے گلے میں اپنے نام کی تختی لٹکا کر تھوڑی پھر رہا تھا۔ اس سے ملنے کے لئے بہتر تھا کہ میں ہوٹل میں ہی اس کا انتظار کرتا۔

وہ دونوں مجھ سے بے پرواہ ہو کر کسی کی نتھ اترائی کی باتیں کرتے رہے اور میں ایک شبدھ بھی بولے بغیر وہاں سے نکل آیا۔

☆......☆......☆

میں جب ہوٹل میں داخل ہوا تو رات کا اندھیرا کافی پھیل چکا تھا۔ ہال کی میزیں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔

میں نے کاؤنٹر والے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اشارہ وہ فوراً ہی سمجھ گیا اور مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا:

''ابھی تک اس کی واپسی نہیں ہوئی۔ نہ معلوم ں چلا گیا...... آپ جدن بائی کے کوٹھے پر گئے تھے......؟''

''ہاں......'' میں خفیف سے مسکرایا: ''جدن بائی کے درشن بھی ہو گئے......اور اخیال کہ تمہارے بتائے ہوئے حلیے کا کوئی بھی آدمی وہاں نہیں تھا......''

''حیرت ......'' وہ بڑبڑایا: ''وہاں تو وہ لازمی ہوتا ......جدن بائی تو اس کے آگے بچھی بچھی جاتی ......!''

''کیوں......؟'' میں حیرت سے پوچھا۔

''یہ بات تو مجھے بھی نہیں معلوم......'' اس : ''البتہ ان دو ں کو اکثر سر جوڑے ہوئے ضرور دیکھا ......''

''اوہ......'' ے منہ سے نکلا۔ یہ ایک نئی بات معلوم ہوئی تھی۔ پھر میں کچھ سوچ کر دوبارہ پوچھا:

''یہ بتاؤ کہ اسے یہاں رہتے ہوئے عرصہ ہو گیا......؟''

''دو مہینے تو ہو ہی گئے ہوں گے......یا شاید اس سے کچھ کم......'' اس یاد کرتے ہوئے بتایا۔

''دو مہینے......!!'' میں زیرلب دہرایا۔

''اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ۔'' کاؤنٹر والا ے تاثرات بھانپ گیا: ''یہ سیزن کے دن ، پہلوا ں کے آئے دن مقابلے ہوتے رہتے ۔ان د ں اس قصبے میں بڑی گہما گہمی ہوتی ......شوقین لوگ دور دور سے ان پہلوا ں کے مقابلے دیکھنے کے لئے آتے ۔ بعض لوگ تو ان مقابلوں کے اتنے دیوا ہوتے کہ کئی کئی ہفتے یہاں پڑاؤ ڈال لیتے ۔ ہمارا یہ ہوٹل بھی عام د ں میں خالی پڑا رہتا لیکن یہ مہینے ہماری مصروفیت کے ہوتے ۔''

پھر کاؤنٹر والا دوسری جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ میں ہال میں ہی اتفاقاً خالی ہو جا والی ایک میز پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔

کھا کے بعد چائے، پینے سے بدن میں چستی سی دوڑ گئی۔ میں اٹھا اور زینے کی طرف بڑھ گیا۔

ا کمرہ دوسری منزل پر تھا، جبکہ گوپال پہلی منزل کے کمرہ نمبر 17 میں ٹھہرا ہوا تھا، یہ بات مجھے کاؤنٹر والے سے ہی معلوم ہوئی تھی۔

میں اسی منزل پر گھوم گیا۔ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے میں ایک مرتبہ اور گوپال کا کمرہ دیکھنا چاہتا تھا، ہوسکتا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں ہوتا اور اس سے ملاقات ہو جاتی۔

لیکن کمرہ نمبر 17 کے دروازے پر پہنچ کر ایک بار پھر میری آشاؤں پر اوس پڑ گئی، دروازہ لاک تھا۔

میں جھلا کر مڑا ہی تھا کہ ہوٹل کا ایک بیرا مجھ سے ٹکرا گیا۔ میں اسے پہچان گیا، اسی نے مجھے میرا کمرہ دکھایا تھا۔

اس کے ہاتھ میں خالی ٹرے تھی۔

''معاف کرنا صاحب......!'' اس نے خوشامدی انداز میں کہا: ''بے خیالی میں ٹکر ہو گئی۔''

''کوئی بات نہیں......'' میں نے خوش گوار لہجے میں جواب دیا۔

''آپ اوپر والی منزل پر ٹھہرے ہو نا صاحب......؟''

''ہاں۔''

''یہاں شراب پر پابندی ہے صاحب......!'' دفعتاً وہ سرگوشیانہ انداز میں بولا: ''لیکن اگر کسی سمے آپ کا دل چاہے، تو مجھے یاد کر لیجئے گا...... لالو پرشاد کا دیسی ٹھرا پیش خدمت کروں گا...... اتنی لذیز شراب آپ نے کبھی چکھی بھی نہ ہوگی...... یہ میرا دعویٰ ہے......''

''ہوں۔'' میں نے سر ہلایا: ''اگر ضرورت محسوس ہوئی، تو ضرور...... نام کیا ہے تمہارا......؟''

''لالو پرشاد میرا ہی نام ہے......'' اس نے قدرے جھجکتے ہوئے بتایا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے اس کا کندھا تھپکا اور بولا:

''تمہارے ہاتھ کی بنائی ہوئی شراب تو میں پی ہی لوں گا، لیکن تم میرا ایک کام ضرور کر دینا، مجھے اس کمرے میں ٹھہرے ہوئے شخص سے بہت ضروری ملنا ہے، لیکن آمنا سامنا نہیں ہو پا رہا...... اگر کسی سمے وہ تمہیں نظر آ جائے تو مجھے فوراً اطلاع دینا۔''

''آپ گوپال بابو کی بات کر رہے ہو......؟'' اس نے جلدی سے پوچھا۔

''ہاں...... وہی......''

''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے...... وہ کسی سمے بھی آئے، میں فوراً آپ کو بتا دوں گا۔''

''ویری گڈ......'' میں نے خوش ہو کر کہا: ''اس کام کے عوض میں بن پئے ایک ٹھرے کی بوتل کے پیسے تمہیں دوں گا۔''

بیرا خوش ہو گیا اور میں نے اپنے کمرے کی راہ لی۔ دروازہ کھولا اور کمرے کی لائٹ جلائی۔

فوراً ہی کمرہ جگمگا اٹھا، میں باتھ روم کی طرف بڑھا اور ٹھٹک کر رک گیا۔
سامنے بیڈ پر ایک چرمی بیگ رکھا ہوا تھا، جو میرا ہرگز نہیں تھا۔
اس بیگ کا رنگ سیاہ تھا، یہ درمیانے سائز کا تھا اور کافی پھولا ہوا تھا۔ جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خالی ہرگز نہیں ہے۔
لیکن یہ میرے کمرے میں آیا کیسے......؟ دروازہ تو لاک تھا۔
میں قدرے حیرت کے تاثرات لئے ہوئے بیڈ کی طرف بڑھا۔ اس کی زپ بند تھی۔
میں نے یونہی اسے الٹ پلٹ کر تھپتھپایا، یوں لگ رہا تھا جیسے اس میں ٹھونس ٹھونس کر کچھ بھرا گیا ہو۔ لیکن کیا......؟ یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔
پھر تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے اسے کھول لیا۔ فوراً ہی ایک سادہ سا لفافہ دکھائی دیا۔
میں نے جلدی سے لفافہ نکالا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ لفافہ کورا تھا، لیکن اندر ضرور کچھ تھا۔
میں نے اسے چاک کیا اور اندر موجود کاغذ نکال لیا۔ اسے کھولتے ہی ایک جانا پہچانا سا انداز تحریر دکھائی دیا۔
میرا اس سے سادھو بابا کے گھر میں بھی واسطہ پڑ چکا تھا، انگریزی میں لکھی ہوئی اس تحریر کے شبد ذرا مختلف تھے۔ لکھا تھا:
''طلسم زاد......! میں ایک بار پھر تم سے مخاطب ہوں، میں تمہارا ہم سفر ہوں، ہم قدم ہوں، تمہارا سایہ ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے ملنے کے لئے بہت بے چین ہو، لیکن تھوڑا سا صبر اور کرو......صرف چند گھڑیاں باقی ہیں، پھر میں تمہارے سامنے آ جاؤں گا۔
ابھی تمہارا ایک اور امتحان باقی ہے......آخری امتحان......اس سے اور گزر جاؤ......
سنو طلسم زاد......! اس بیگ میں نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی ہیں۔ آج شام کو جدن بائی کے کوٹھے پر ایک نادر ہیرے کی نیلامی ہوگی اور تم نے ہر حال میں اس ہیرے کو حاصل کرنا ہے۔ کسی بھی قیمت پر اور کسی بھی صورت سے......!
وہ ہیرا......تمہاری اور میری کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس کے بغیر نہ تم مکمل طلسم زاد ہو سکتے ہو اور نہ ہی میرا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔
میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ طلسم کی ساری طاقتیں تمہارے قدموں میں آ گریں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ تم شام کو جدن بائی کے کوٹھے پر جاؤ۔
میں جانتا ہوں کہ تم کامیاب لوٹو گے اور اس کے بعد اس دنیا کی ہر طاقت تمہارے

قدموں میں ہوگی۔"

فقط تمہارا خیر خواہ

میں نے سادھو بابا کے گھر سے ملنے والا پراسرار خط جیب سے نکال لیا۔

اس تحریر میں اور اس خط کی تحریر میں بال برابر بھی فرق نہیں تھا نہ جانے کیوں میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔

میں پاگلوں کی طرح بیگ کی طرف جھپٹا، دوسرے ہی لمحے میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

بیگ، بڑے نوٹوں کی گڈیوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ حقیقتاً اصلی نوٹ تھے۔ میں نے ان کڑک اور نئے نوٹوں کی طرف دیکھا اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"ٹھیک ہے دوست......!" چند لمحوں بعد میں آپ ہی آپ بڑبڑایا: "میں بھی تم سے ملنے کے لئے بے تاب ہوں، تمہاری خاطر ایک تماشہ اور سہی...... جدن بائی کا کوٹھا ہو یا نرک کا کوئی گوشہ......ساون کو اب صرف اپنا آپ کھوجنا ہے۔"

☆......☆......☆

دھیمے سروں میں طبلہ بج رہا تھا، لیکن آج...... وہ رقاصہ یہاں موجود نہیں تھی۔

آج یہاں لوگوں کا جمگھٹا بھی نہیں تھا۔ مجھ سمیت صرف چھ افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سیٹھ لکشمن لال بھی تھا۔ نہ جانے کیوں اس کے انداز سے مجھے محسوس ہوا کہ باقی لوگوں کو وہ حقیر نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

جدن بائی ابھی ابھی اٹھ کر اندر گئی تھی۔ ساتھ ہی اس نے اپنی مخصوص مسکراہٹ اس جانب اچھالتے ہوئے کہا تھا:

"میں اگنی کو لے کر آتی ہوں...... خیال رہے...... اپنے دل اور اپنی جیبوں کو سنبھالے رکھنا......ان میں سے ہر ایک کو ضرور دھچکا لگے گا...... ہاں...... کہے دیتی ہوں۔"

"ہم دل والے ہیں جدن بائی۔" کسی نے ہنس کر کہا: "دل کے دھچکوں سے نہیں ڈرتے...... کیا سمجھیں......؟"

"ہاں جدن بائی......" سیٹھ لکشمن نے بھی سر ہلایا: "جیب والوں اور دل والوں میں فرق ہوتا ہے......بس تم جیب کو دھچکا مت دینا...... دل کی تو خیر ہے۔"

اس بات پر ایک زوردار قہقہہ پڑا تھا، جس میں صرف میری شمولیت نہیں تھی۔

اس سے جدن بائی نے سرسری انداز میں مجھ پر ایک نظر ڈالی تھی اور پلٹ کر اندر چلی گئی تھی۔
تھوڑی دیر بعد اس کی واپسی ہوئی، تو وہ تنہا نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ناچنے والی رقاصہ تھی، جس کا رقص گزرے ہوئے دن کو میں دیکھ چکا تھا۔
ان دونوں کے درمیان میں کوئی اور بھی تھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور چہرے پر کسی دلہن ہی کی طرح گھونگھٹ پڑا ہوا تھا۔
اس کا لباس بھی چمکتے ہوئے ستاروں سے سجا ہوا تھا، جنہیں سنہری رنگ کے دھاگے میں ٹانکا گیا تھا۔
اس کے پاؤں ننگے تھے، لیکن اتنے سڈول اور سبک تھے کہ ان پر نظر پڑتے ہی میرے شریر میں سنسنی سی دوڑ گئی۔
وہ جوں جوں خراماں انداز سے چلتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی، مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے چاند بادلوں میں چھپا ہوا ہے۔
''واہ جدن بائی......واہ......'' سیٹھ لکشمن کے منہ سے نکلا: ''یہ ایک لاجواب شاہکار ہوگا، میں دعوے سے کہتا ہوں۔''
یہ سن کر جدن بائی مسکرا اٹھی:
''ابھی تو گھونگھٹ بھی نہیں ہٹا سیٹھ جی......ابھی تک اگنی گی آواز سنی ہے تم نے......اسی کے گائے ہوئے گانے پر سپنا رقص کرتی ہے......''
''اوہ......اوہ......'' کئی آوازیں ابھریں۔
میں بھی چونک سا گیا تھا۔ جو گانا میں نے کل سنا تھا، اس کی مٹھاس اب بھی میں محسوس کر سکتا تھا۔
تو وہ آواز اسی گیت کی تھی......!
اتنی دیر میں وہ تینوں سامنے ہی بیٹھ گئیں۔ گھونگھٹ میں چھپے ہوئے اپسرا کے بیٹھنے کا انداز بھی بڑا دلکش تھا۔
وہ دوزانو تھی اور اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ جدن بائی نے اسی انداز میں مسکراتے ہوئے سپنا کو اشارہ کیا۔
اس نے فوراً ہی گھونگھٹ اٹھا دیا۔
میں اگر کوی ہوتا، تو شاید اس سے اپنے جیون کی سب سے سندر کویتا لکھتا۔

مجھے روپا بھی کئی دفعہ یاد آئی تھی، وہی روپا...... کہ جس کی سندرتا پر ایک ناگ بھی عاشق ہو گیا تھا۔

لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر روپا کو بھی اس پری ورش کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا، تو اس کا حسن بھی ماند پڑ جاتا۔

وہ مکمل سراپا ناز تھی، لمبی لمبی اور خم دار پلکیں آنکھوں پر گویا حفاظت کی خاطر پہرہ دے رہی تھیں اور متواتر جھکی ہوئی تھیں، ہونٹ تھے یا واقعی میر کے بقول گلاب کی پنکھڑیاں تھیں، گالوں پر سرخ رنگ کے شرارے سے دوڑ رہے تھے...... مگر نہیں...... میں شاید اس لڑکی کے حسن کی صحیح تعریف نہیں کر پا رہا تھا۔

میں بس دم بہ خود تھا، اس کے چہرے سے نظریں ہٹانا میرے لئے مشکل ہو رہا تھا۔ اس کی جھکی ہوئی نگاہوں میں بلا کی خود انگیزی تھی۔

میں دوسروں کے بارے میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کس ''کیفیت'' کا شکار تھے، لیکن مجھے اپنے بارے میں پورا اوشواس تھا کہ میں چند لمحوں کے لئے خود سے بیگانہ ہو گیا تھا۔

پھر سیٹھ لکشمن لال کی سحر زدہ آواز نے مجھے چونکایا:

''بھگوان کی سوگندھ جدن بائی...... ! یہ ہیرا تم کون سی کان میں سے نکال کر لائی ہو......''

''یہ مت پوچھو سیٹھ......'' جدن بائی مسکرا کر بولی: ''آم کھاؤ...... آم...... اب جلدی سے دام لگاؤ......''

''دس ہزار......'' سیٹھ لکشمن نے بے خودی کے سے عالم میں کہا۔

''بارہ ہزار......'' ایک اور آواز آئی۔

''پندرہ ہزار......'' تیسری آواز ابھری۔

جدن بائی کے ہونٹوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی، آنکھوں میں حرص کی چمک عود کر آئی تھی۔

''سولہ ہزار......'' سیٹھ لکشمن نے حتمی انداز میں کہا۔

میں اب تک خاموش تھا، عین اسی سمے ایک اور آواز نے سیٹھ لکشمن کو چت کر دیا:

''اٹھارہ ہزار......''

''25 ہزار......'' سیٹھ لکشمن بھی کہاں ہار ماننے والا تھا۔

لیکن اس کی لگائی ہوئی بولی کی چھلانگ نے سب ہی کو سانپ سونگھنے پر مجبور کر دیا۔

کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا۔ سیٹھ لکشمن نے بڑے فاتحانہ انداز میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔

لیکن پھر فوراً ہی اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا:

"27 ہزار......" ایک آواز ابھری۔

جدن بائی فوراً ہی آواز کی طرف متوجہ ہوئی اور جوش سے بولی:

"شاباش اگروال جی......! مجھے آپ سے یہی امید تھی۔"

"30 ہزار......" سیٹھ لکشمن لال نے گہری سانس لیتے ہوئے نیلامی کو آگے بڑھایا۔

جدن بائی کی آنکھوں کی چمک مزید بڑھ گئی۔ اس نے مسکرا کر سپنا نامی رقاصہ کی طرف دیکھا۔

جس کی نیلامی ہو رہی تھی، وہ مصر کے کسی اساطیری مجسمے کی طرح ساکت و جامد تھی۔

"35 ہزار......" ایک اور نئی آواز ابھری، جس نے سب ہی کو چونکا دیا۔

"او ہو......" جدن بائی مسکرائی: "اتنی دیر سے کوئی دھماکہ کرنے کے لئے ہی خاموش بیٹھے ہوئے تھے بانکے بہاری جی......! خوب بولے، جب بولے......"

"دھنے واد......" بانکے بہاری جی نے دانت نکالے اور ذرا خم ہوتے ہوئے کہا۔

"50 ہزار......" یہ دھماکہ سیٹھ لکشمن لال نے کیا تھا۔

کمرے میں موت کا سا سناٹا طاری ہو گیا۔ سیٹھ لکشمن کی اس بولی نے سب کے ہونٹوں پر تالے ڈال دیئے۔

خود جدن بائی کا برا حال ہو رہا تھا۔ اتنی رقم نے شاید اس کے دل کی دھڑکنیں بڑھا دی تھیں۔

سیٹھ لکشمن لال نے فاتحانہ انداز میں بولی لگانے والوں پر نظر ڈالی، اب اسے وشواس تھا کہ اس بولی کا اختتام ہو چکا ہے اور کچھ ہی گھڑیوں کے بعد انمول ہیرا اسے اپنی چمک دمک سے لطف اندوز کر رہا ہوگا۔

جدن بائی نے خود کو سنبھالا اور نیلامی دینے والوں پر نظریں دوڑاتی ہوئی ذرا بلند آواز میں بولی:

"ہے کوئی اور دل والا......؟ جو اس سے بڑھ کر اگنی کے دام دے سکے......سوچ لو......سمجھ لو......اگنی ایسا پھول ہے، جس کی خوشبو ابھی تک کسی کے آنگن میں نہیں پھیلی۔"

کوئی کچھ نہ بولا، اس کا مطلب یہ تھا کہ سیٹھ لکشمن لال کی بولی سبقت لے گئی تھی۔ وہ بازی

جیت رہا تھا۔

اس سمے میری نظر اگنی پر پڑی، اس کی خوبصورت آنکھیں بدستور جھکی ہوئی تھیں، لیکن نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس کا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔ سرخ وسفید چہرے پر وسوسوں کی پیلاہٹ رینگنے لگی تھی، جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دل سے خوش نہیں ہے۔

اس نیلامی کے انجام نے اسے بے چین کر دیا تھا۔ مجھے بہر حال یہی احساس ہوا تھا۔

''میری جیت کا اب اعلان کر دو جدن بائی......!'' سیٹھ لکشمن بول اٹھا۔ اس کے انداز میں بے چینی تھی: ''سمے بہت ضائع ہو رہا ہے...... اب کون ہے جو سیٹھ لکشمن کی بولی پر چڑھ کر بول سکے......؟''

''تم ٹھیک کہتے ہو سیٹھ جی......'' جدن بائی نے سر ہلایا۔ پھر اعلان کرنے والے انداز میں بولی:

''50 ہزار ایک...... 50 ہزار دو......''

''1 لاکھ......'' ایک بلند لیکن پرسکون آواز گونجی اور سب ہی اچھل پڑے۔

خود اگنی بھی چونک کر آواز کی سمت دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی اور پھر جیسے ہی اس کی نظریں مجھ پر پڑیں، میں نے اس کی نندا سی آنکھوں میں شدید حیرت اور بے پناہ مسرت کے آثار دیکھے۔

''یہ کیا مذاق ہے......؟'' سیٹھ لکشمن لال میری طرف گھوم گیا۔ اس نے تیز نظروں سے میرا جائزہ لیا تھا: ''تم اجنبی دکھائی دیتے ہو...... تم خواہ مخواہ اپنی ٹانگ اڑا رہے ہو...... ایسا مذاق بعض اوقات مہنگا پڑ جاتا ہے۔''

''جدن بائی......!'' میں اسے قطعی نظر انداز کر کے جدن بائی سے مخاطب ہوا: ''بولی دینے والوں کو دام لگانے سے پہلے نیلامی کے آداب تو سکھا دئے ہوتے...... میری طرف سے اگنی کے دام 1 لاکھ روپئے...... اب جو چاہے، اس سے بڑھ کر بولی دے......''

''ہاں...... ہاں...... ضرور...... ضرور......'' وہ کپکپاتی ہوئی سی آواز میں جلدی سے بولی اور ٹٹولنے والی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے دوبارہ گویا ہوئی:

''آپ کا نام کیا ہے بابو جی......؟''

''ساون کمار شرما......'' میں نے اگنی کی طرف سے نظر ہٹاتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اب گرد و پیش سے بے خبر ہو کر مجھے ہی دیکھ رہی تھی، ورنہ اس سے قبل تو وہ بس...... اپنے آپ میں ہی مگن تھی۔

''تو......ساون بابو کی طرف سے اگنی کے 1 لاکھ روپے......کوئی اور ہے...... جو اس کا توڑ کرے......؟''

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عین اسی سمے سیٹھ لکشمن اٹھا اور کسی طرف دیکھے بغیر ہی کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کے تھکے ہوئے قدم بتا رہے تھے کہ وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح ریس کے میدان سے رخصت ہو رہا ہے۔

''1 لاکھ......ایک......دو...... 1 لاکھ......تین......'' اس کے ساتھ ہی جدن بائی نے بولی کو آخری شکل دے دی۔

اب تو سیٹھ لکشمن کے جانے کے بعد دوسروں نے بھی یہاں سے نکلنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی اور جلد ہی وہاں صرف میں، جدن بائی، سپنا اور اگنی رہ گئے۔

جدن بائی بڑے غور سے میری طرف دیکھ رہی تھی، اسی سمے اگنی نے سپنا کے کان میں کچھ کہا۔

میں نے سپنا کی آنکھوں میں حیرت کے دیئے جلتے ہوئے دیکھے اور اس کی نظریں مجھ پر جم سی گئیں۔

ادھر میں نے جدن بائی کی طرف دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا اور جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

جلد ہی جدن بائی کے سامنے نوٹوں کا ڈھیر لگ گیا اور وہ فوراً ہی ان کی طرف جھپٹی۔

شاید اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، کیونکہ یہ رقم اس کے سپنوں میں آنے والی رقم سے بھی کہیں زیادہ تھی۔

☆......☆......☆

یہ کمرہ......حجلۂ عروسی کے کمرے سے کسی طور کم نہ تھا۔

رقم لینے کے بعد جدن بائی نے بڑی عزت اور ''احترام'' کے ساتھ مجھے اگنی کے ہم راہ اس کمرے میں پہنچا دیا تھا۔

دیواروں پر قدرتی مناظر کے کئی دلکش فریم آویزاں تھے۔ سامنے ہی بیڈ موجود تھا، جس کی سرخ ریشمیں چادر پر گلاب کے پھولوں کی تہہ بچھی ہوئی تھی۔

کمرے میں مسحور کن اور دل فریب خوشبوئیں مہک رہی تھیں۔ سپنا اور جدن بائی نے ہم

دونوں کو کمرے کے دروازے پر چھوڑ دیا تھا، پھر جدن بائی نے الوداعی انداز میں مسکرا کر کہا تھا:
''تم سے اب صبح ملاقات ہوگی...... ساون جی......!''
''اچھا...... ہاں......'' میں نے ہونقوں کی طرح سر ہلا کر کہا تھا۔
''میں رات کے سمے کا بھوجن...... سپنا کے ہاتھ بھجوا دیتی ہوں......'' جدن بائی معنی خیز انداز میں مسکرائی: ''اور کسی چیز کی ضرورت ہو، تو اسے ہی بتا دینا۔''
وہ دونوں بھرپور انداز میں مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔ جاتے جاتے سپنا نے اگنی کے کان میں دھیرے سے کچھ کہا تھا، اگنی شاید لاج کے مارے دہری ہوگئی تھی۔ اس سمے بھی میں نے محسوس کیا کہ وہ کافی بے چین ہو رہی تھی۔
پھر ہم دونوں کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ نہ جانے کیوں میرا دل اپنی ترتیب بھول سا گیا تھا، میں نے جلدی سے دروازے کی کنڈی چڑھا دی۔
فوراً ہی اگنی میری طرف مڑی اور میرا بازو تھام کر بولی:
''تم وہی ساون بابو ہو نا...... بمبئی میں رہتے ہو نا......؟''
میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کی اس بے تکلفی نے گھونگھٹ بھی اس کے چہرے سے سرکا دیا تھا۔ چاند جوبن پر دکھائی دینے لگا تھا۔
''ہاں...... ہاں......'' میں ہکلا سا گیا: ''تم مجھے کیسے جانتی ہو......؟''
''من کی اگنی کو ساون ہی بجھا سکتا ہے......'' وہ دل فریب انداز میں مسکرا کر بولی: ''تم نہیں جانتے...... میں نے شاید برسوں تمہارا انتظار کیا ہے...... برسوں......''
''میرا انتظار......!!'' میں اب بھی حیران تھا۔
''ہاں ساون بابو......'' وہ سر ہلا کر بولی۔ اس کی خوبصورت اور ہرنی جیسی آنکھوں میں مسرت اور انبساط کی لہریں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔
میں بیڈ کی طرف بڑھا، وہ بھی میرے پیچھے لپکی، آرام سے بیٹھنے کے بعد میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا:
''ہاں...... اب بتاؤ...... تم مجھے کیسے جانتی ہو اور میرا انتظار کیوں کر رہی تھیں......؟''
''میں نے اپنا بچپن بھی ان ہی در و دیوار کے دامن میں گزارا ہے......'' وہ طویل سانس لے کر بولی: ''ہوش سنبھالا...... تو کانوں میں گھنگھروؤں کی آوازیں گونج رہی تھیں، میں کون تھی......؟ کیا تھی......؟ کہاں سے آئی تھی......؟ یہ مجھے معلوم نہیں تھا...... اگر جدن بائی کو بری آتما کہا

جائے، تو ہمیشہ مجھ پر اسی کا سایہ رہا، کسی بری آتما ہی کی طرح...... وہ میرے شریر پر قابض رہی، اس کوٹھے پر نہ جانے کتنی ناریاں آئیں...... ناچنے والی اور خوب گانے والی...... لیکن ان میں سے نہ جانے کتنی ناریاں اپنی عزت گنواں کر یہاں سے رخصت ہوئیں اور گمنام اندھیروں میں کھوگئیں...... میں نے اس کوٹھے کے کمروں کے بھیانک اندھیرے بھی دیکھے اور ان اندھیروں کو دیکھ کر میں سہم جاتی تھی......

جدن بائی نے مجھے اپنے ہاتھوں پر رکھا اور میری پرورش ہوتی رہی، میں جوان ہونے لگی اور پھر ایک دن...... ہاں...... میں اس رات کو بھی دن ہی کہوں گی...... کیونکہ میں اس کوٹھے کی پرم پر اسے خوف زدہ رہتی تھی...... میں بہت ڈرتی تھی......''

اگنی بولتے بولتے رک گئی اور کچھ سوچنے لگی۔

''اس رات کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ......؟''میں نے اسے ٹوک دیا۔اس کی خاموشی مجھے چبھ رہی تھی۔

''میں نے ایک سپنا دیکھا تھا ساون بابو......''اس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا:''میں نے دیکھا کہ بڑے زور کا بادل گرج رہا ہے...... میں تن تنہا ایک میدان میں کھڑی ہوں...... اچانک ہی تیز بارش شروع ہوگئی اور میں اس بارش میں گھر گئی...... دفعتاً کسی جانب سے نکل کر ایک گھوڑے سوار میری طرف بڑھا اور اس نے مجھے کھینچ کر گھوڑے پر بٹھالیا، پھر وہ مجھے لے کر بارش کے دھندلکوں میں غائب ہوگیا...... اور میری آنکھ کھل گئی...... جانتے ہو ساون بابو...... وہ کون تھا......؟''

''کون تھا......؟''میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''وہ تم تھے......''وہ مسکرائی:''میرا وشواس کرو...... میں بھگوان کی سوگندھ کھا کر کہتی ہوں کہ وہ تم تھے...... اور پھر یہ سپنا میرے جیون کا حصہ بن گیا...... اور اگر گوپال جی سے میری ملاقات نہ ہوتی، تو شاید تم بھی مجھے نہ ملتے۔''

''گوپال......؟؟''میں نے چونک کر کہا۔

''ہاں ساون بابو......''وہ سر ہلا کر بولی:''وہ بہت عرصے سے یہاں آ رہے ہیں...... جدن بائی تو ان کی پوجا کرتی ہیں...... باتوں باتوں میں ایک دن میں نے انہیں اپنا سپنا سنایا، تو وہ مسکرا کر بولے کہ ایک دن تمہارا یہ سپنا ضرور پورا ہوگا، تمہارا نام اگنی ہے اور اگنی کو بجھانے کے لئے ساون ضرور آئے گا......''

''اوہ......'' میرے منہ سے نکلا۔ پھر میں نے اگنی کی طرف دیکھ کر پوچھا: ''تو تم گوپال کو جانتی ہو......؟''

''بہت اچھی طرح ساون بابو......وہ اکثر یہاں آتے رہتے ہیں......'' اس نے بتایا۔ پھر میری طرف غور سے دیکھ کر بولی: ''میں جانتی ہوں کہ تم میری بات کا وشواس نہیں کر رہے......لیکن مجھے اب کوئی چنتا نہیں ہے......تم اب بھلے میرے شریر سے کھیل کر یہاں سے چلے جاؤ......میں تمہیں کوئی دوش نہیں دوں گی......تمہارے جانے کے بعد میں بھی کوشش کروں گی کہ یہاں سے نکل بھاگوں......کیونکہ مجھے اس جیون سے نفرت ہے جو یہاں اب گزارنا پڑے گا......میں تم کو دیکھے بغیر ہی تم سے پریم کرتی رہی ہوں......ضروری تو نہیں ہے کہ تم بھی مجھے اپناؤ......!''

میں اگنی کی بات کے جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''یہ سپنا ہوگی......'' اگنی نے دھیرے سے کہا اور اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد سپنا اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں چاندی کی ٹرے تھی جو ایک پھولدار کشن سے ڈھکی ہوئی تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر ٹرے بیڈ پر رکھ دی اور شوخ نظروں سے مجھے دیکھ کر بولی:

''تم تو بالکل ویسے ہی ہو......جیسا اگنی نے بتایا تھا......اس کے سپنوں کا راجہ......آ ہی گیا......اب سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں نصیب والا کہوں یا اگنی کو......چلو......تم لوگ بھوجن کرو......میں جاتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ پھر اچانک ہی پلٹ کر مجھ سے مخاطب ہوئی:

''بابو جی......ذرا دھیان رکھنا......اگنی کے مدھر جیون کی یہ پہلی رات ہے......ہاں......''

یہ کہہ کر کھلکھلاتی ہوئی دروازے کے پیچھے غائب ہو گئی۔ اگنی نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔

پھر وہ دوبارہ میرے برابر میں آ کر بیٹھ گئی۔ بھوک مجھے بھی محسوس ہو رہی تھی، چنانچہ میں نے ٹرے سے کپڑا ہٹا دیا۔

لیکن یہ کیا......؟؟

ٹرے کے اندر ایک پلیٹ رکھی ہوئی تھی اور اس پلیٹ میں کسی جانور کی صرف ہڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔

نری ہڈیاں......! جن میں گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا۔

''یہ...... یہ کیا...... یہ سپنا نے کیسا مذاق کیا ہے......؟'' اگنی نے حیرت کے عالم میں بڑبڑا کر کہا۔

میں بھی حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک ان کوری ہڈیوں سے دھواں سا اٹھنے لگا۔

ایک عجیب سی بساند میری ناک سے ٹکرائی اور میرا ذہن اپنے ہوش کھونے لگا۔

میں نے محسوس کیا کہ یہ دھواں آناً فاناً ہی پورے کمرے میں پھیل گیا تھا۔

میں نہیں جانتا کہ اگنی کا کیا حال ہوا کیونکہ مجھے نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا اور نہ ہی سنائی دے رہا تھا۔

اس عجیب و غریب دھوئیں نے میری آنکھوں پر ایک دبیز سا پردہ ڈال دیا تھا اور کانوں میں سناٹا سا گھول دیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں بے ہوش ہو کر ایک جانب ڈھلک گیا۔

جب مجھے ہوش آیا، تو میں نے خود کو ایک آرام دہ بستر پر موجود پایا۔

میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا...... یہ وہ کمرہ تو نہیں تھا...... جس میں اگنی کے ساتھ موجود رہا تھا۔

جس پر میں لیٹا ہوا تھا، یہ ایک سنگل لیکن کشادہ بیڈ تھا، کمرہ خالی تھا، البتہ دیواریں صاف ستھری اور جاذب نظر رنگ و روغن سے مزین تھیں، سامنے ہی دروازہ تھا، جو بند تھا۔

میرا ذہن اعتدال پر آیا، تو گزرا ہوا واقعہ میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔

وہ دھواں کیسا تھا جو ان ہڈیوں سے برآمد ہوا تھا......؟ وہ ٹرے تو سپنا لے کر آئی تھی...... تو کیا اسے معلوم تھا کہ ٹرے میں کیا ہے......؟ اور پھر میرے ساتھ اگنی بھی تو اس دھوئیں سے بے ہوش ہوئی ہوگی......؟ وہ کس حال میں ہے...... کہاں ہے......؟ اور کیا یہ جدن بائی کے ہی کوٹھے کا کوئی کمرہ تھا......؟

ان سوالوں کے جواب مجھے اسی صورت میں مل سکتے تھے کہ میں کمرے سے باہر نکلتا۔

اب نہ جانے میں کون سے طلسم میں آ پھنسا تھا......! میں نے ایک طویل سانس لی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

عین اسی سمے کمرے کا دروازہ کھل گیا اور پھر جو شخص اندر داخل ہوا، اسے دیکھتے ہی میں حیران رہ گیا۔

میں اسے اچھی طرح جانتا تھا...... اور بھول بھی کیسے سکتا تھا......؟ ''الوشا...... تم......؟''

میرے منہ سے اپنا نام سن کر وہ مسکرادیا۔ یہ الوشا ہی تھا..... وہی الوشا..... جس نے کتاب کے سلسلے میں ایک دفعہ مجھے عجیب طریقے سے اغواء کروایا تھا۔ اس سے تو وہ بالکل بادشاہوں کی طرح میرے سامنے آیا تھا، لیکن آج وہ بالکل عام سے لباس میں میرے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

دفعتاً مجھے اپنی کتاب کا خیال آیا، میرا ہاتھ فوراً اپنی جیب کی طرف گیا اور پھر اٹھا کا اٹھا ہی رہ گیا، کیونکہ جیب خالی تھی۔

الوشا کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔ وہ خاموشی سے چلتا ہوا میرے قریب آ گیا۔

میں نے اسے گھور کر دیکھا:

''تو تم نے اپنی حسرت پوری کر ہی ڈالی..... ہتھیالی تم نے وہ کتاب.....؟''

''نہیں ساون.....'' اس نے اطمینان سے نفی میں سر ہلایا: ''ہم تو حکم کے غلام ہیں..... ہم بھلا تمہاری کتاب کا کیا کریں گے.....؟ یہ تو ہمارے آقا کی مرضی ہے..... ہم وہی کرتے ہیں جو ہمیں حکم دیا جاتا ہے.....''

''آقا..... کون آقا.....؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''وہی آقا.....'' وہ بھرپور انداز میں مسکرایا: ''جس کے صرف اشارے پر ہم اپنا سر جھکا دیتے ہیں۔''

''اوہ۔'' میرے منہ سے نکلا: ''تو تم بھی کسی کے سامنے جواب دہ ہو.....؟''

''ہاں۔'' وہ سر ہلا کر بولا: ''تم مجھے مہرہ بھی کہہ سکتے ہو۔''

''اچھا..... چلو اپنے آقا سے ہی ملا دو۔'' میں نے کہا۔

''اس کا حکم بھی وہی دے گا۔'' الوشا نے بتایا: ''فکر مت کرو..... وہ وقت بھی بس آنے ہی والا ہے..... ذرا ہی دیر میں بلاوا آ جائے گا۔''

''وہ ہے کون.....؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''ہمارا آقا..... غلاموں کو نام سے کیا غرض.....؟'' وہ لاپروائی سے بولا۔

''یہ تو بتاؤ کہ اس سے میں ہوں کہاں.....؟ اور وہ لڑکی کہاں ہے جو میرے ساتھ تھی.....؟''

''تم بلاوجہ اپنا ذہن مت الجھاؤ.....'' الوشا نے گویا مشورہ دیا: ''میرے آقا سے مل کر تمہاری ہر پریشانی دور ہو جائے گی..... تھوڑا صبر کرو۔''

میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازہ ایک بار پھر کھلا۔ میری نظر فوراً ہی اس جانب گھومی۔ آنے والی ایک عورت تھی..... جس سے میں بہ خوبی واقف تھا۔ یہ گاسی تھی۔

وہ عورت کہ جس نے الوشا ہی کی طرح کتاب کے چکر میں مجھے اٹھوالیا تھا۔ تو..... تو یہ گاسنی بھی یہاں موجود ہے.....! میں نے سوچا۔

لیکن..... یہ تو کتاب کے حصول کے سلسلے میں الوشا کی مخالف پارٹی کے طور پر سامنے آئی تھی.....! پھر یہ یہاں کیوں موجود تھی.....؟ وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھی، آج اس کے شریر پر پچھلی مرتبہ کی طرح بھڑکیلا لباس نہیں تھا۔

''تم..... گاسنی.....! تم بھی یہاں موجود ہو.....؟'' میں نے بے ساختہ اس سے پوچھا۔

''ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے ساون کمار شرما.....'' اس نے عجیب سے انداز میں کہا: ''ابھی چند اور میزبان تمہارے درشن کرنے کے لئے بے چین ہیں۔ لیکن ان سے ملنے کے لئے تمہیں اپنا دل تھامنا پڑے گا۔''

یہ کہہ کر اس نے تالی بجائی، فوراً ہی دروازہ کھلا اور تین افراد اندر داخل ہوئے۔ ان پر نظر پڑتے ہی گویا میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان لوگوں سے بھی سامنا ہو سکتا ہے۔

خاص طور پر وہ..... کہ جس کے قتل کے سلسلے میں مجھے سی آئی ڈی کی پوچھ گچھ کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ سب کچھ مجھے سپنا لگ رہا تھا۔ مجھے وشواس ہو چلا تھا کہ کسی بھی لمحے میری آنکھ کھل جائے گی اور میں اپنی دنیا میں لوٹ آؤں گا۔

وہ تینوں میرے سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے اور یہ صرف سپنے میں ہی ممکن تھا، کیونکہ ان میں سے ایک فلوریڈا تھی..... جس کی لاش میں اپنی آنکھوں سے مردہ خانے میں دیکھ چکا تھا۔ لیکن اس سمے وہ میرے سامنے کھڑی ہوئی بڑی ادا سے مسکرا رہی تھی۔

اس کے برابر میں ہی جو شخصیت موجود تھی، اسے دیکھ کر مجھے اپنے سپنے میں ہونے کا وشواس اور بھی بڑھ گیا تھا، کیونکہ وہ سادھو بابا تھے۔ اور تیسرا شخص..... وہ بوڑھا تھا، جس نے وہ پراسرار کتاب پہلی دفعہ میرے حوالے کر کے مجھ سے کہا تھا: ''لو..... اپنی امانت سنبھالو.....''

اس سمے میں ہوٹل ریکسن کے کاریڈور میں تھا اور آگ کے شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ میں اس بوڑھے کو دیوانوں کی طرح ڈھونڈتا رہا تھا، لیکن اس کا کوئی سراغ مجھے نہیں مل پایا تھا۔ اب وہی میرے سامنے اطمینان سے کھڑا تھا۔ میں منہ کھولے کسی حواس باختہ کی طرح ایک ایک کی شکل تک رہا تھا اور وہ سب گویا میری کیفیت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

''سا..... دھ..... سادھو..... بابا.....!'' میں نے بہ مشکل اپنی زبان کھولی، جو خشک ہو کر تالو

سے لگ گئی تھی: ''یہ سب کیا ہے سادھو بابا......؟ آپ تو گیانی ہیں، انتریامی ہیں...... آپ کو تو سب کچھ معلوم ہوگا...... بھگوان کے لئے کچھ تو بتایئے......؟ الجھن اور حیرت کے مارے میرا برا حال ہے......''

''سادھو بابا......؟؟'' وہ حیرت سے بولے: ''تمہارے سادھو بابا تو کب کے مرکھپ گئے...... ہاہاہاہا...... میں تو اپنے آقا کا غلام ہوں...... چلو...... تمہیں آقا بلا رہے ہیں۔''

''تم...... تم سادھو بابا نہیں ہو......؟'' میں نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے اسے دیکھا: ''یہ کیسے ہوسکتا ہے...... تم تو ہو بہو سادھو بابا کی طرح ہو۔''

''میرا آقا عظیم ہے......'' اس کا انداز فخریہ تھا: ''اس کے لئے کوئی کام بھی مشکل نہیں ہے۔''

''میں...... پاگل ہو جاؤں گا......'' میں نے اپنے بال تھام لئے: ''میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا...... اور یہ لڑکی فلوریڈا...... یہ بھی تو مر گئی تھی...... اسے کسی نے قتل کر دیا تھا...... میں ضرور کوئی سپنا دیکھ رہا ہوں۔''

''جاگتے میں سپنا کوئی نہیں دیکھتا ساون کمار......!'' فلوریڈا نے مسکراتے ہوئے کہا: ''اور تم اس وقت جاگ رہے ہو...... اس لئے تمہارے سامنے ہم لوگ حقیقت میں کھڑے ہیں...... اب زیادہ وقت ضائع مت کرو...... ورنہ آقا ناراض ہو جائیں گے۔''

''یہ آقا آخر کون ہے......؟'' میری آواز بلند ہوگئی۔

''بے ادبی مت کرو۔'' سادھو بابا کے ہم شکل نے سرد لہجے میں مجھے ٹوکا: ''اور اب ذرا جلدی سے قدم اٹھاؤ...... دیر ہو رہی ہے۔''

میں نے خود کو بڑی مشکل سے قابو میں کیا، ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ ان سب کو ہی ہاتھوں اور پیروں پر رکھ لوں۔ یہ سب کیا تھا......؟ کوئی ڈھونگ تھا......؟ تماشہ تھا یا اسٹیج ڈرامہ......!

پھر میں نے چپ سادھ لی اور یہ چھوٹا سا قافلہ مجھے اپنے ساتھ لے کر کمرے سے نکل آیا۔ ایک چھوٹی سی راہداری سے گزر کر ہم لوگ ایک اور دروازے پر پہنچے جو بند تھا۔

''اندر چلے جاؤ...... آقا تمہارے منتظر ہیں...... جاؤ......'' الوشا نے مجھے ٹہوکا دیا۔

میرے ذہن میں تو ویسے ہی آندھیاں چل رہی تھیں، میں نے فوراً ہی دروازہ دھکیل دیا۔

اب میں جلد سے جلد ان سب کے آقا سے مل لینا چاہتا تھا، جس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کا کھیل تھا۔

میں قدم بڑھا کر کمرے میں داخل ہوا اور چونک اٹھا۔

سامنے ہی کمرے کی دیوار کے ساتھ رکھی ہوئی ایک کرسی پر مجھے اگنی بیٹھی ہوئی دکھائی دی۔ وہ شاید بے ہوش تھی، کیونکہ اس کی گردن ایک جانب ڈھلکی ہوئی تھی اور آنکھیں بند تھیں، اس کے بال پریشان ہو کر چہرے پر بکھر آئے تھے۔ اس کے بالکل سامنے ایک اور کرسی موجود تھی، جس پر کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ میری جانب اس کی پشت تھی، اس لئے میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔

میں نے اسے خاطر میں نہ لاتے ہوئے اگنی کو پکارا:

''اگنی......! اگنی......!''

''شور مت کرو ساون......'' ایک جانی پہچانی سی آواز آئی، جو یقیناً اسی کی تھی، جو میری طرف پشت کئے بیٹھا تھا: ''اگنی جاگ جائے گی...... بڑی مشکل سے سوئی ہے بے چاری۔''

میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ یہ آواز میں نے کب اور کہاں سنی تھی......؟ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔

پھر میں نے گردن جھٹکی اور آگے بڑھا۔ وہ مجھ سے بے پرواہ ہو کر اسی حالت میں بیٹھا رہا۔ یوں ظاہر ہو رہا تھا جیسے اس کی نظر میں میری کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ لیکن میں جیسے ہی اس کے قریب پہنچا، وہ یک دم ہی اٹھا اور میری طرف گھوم گیا۔ اگلے ہی لمحے حیرت کا ایک اور شدید جھٹکا میرا منتظر تھا۔ میں بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

وہ گوشی تھا...... شیطان کا پجاری گوشی۔

''گوشی...... تم......؟'' میں اتنا ہی کہہ سکا۔

''ہاں...... میں......'' وہ بھرپور انداز میں مسکرایا۔

اتنی دیر میں الوشا وغیرہ بھی اندر آ چکے تھے اور ایک کونے میں نہایت ادب اور خاموشی سے کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کی آنکھوں میں گوشی کے لئے احترام موجود تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم میرے دشمن ہو......'' میں نے کسی قدر اپنے لہجے کو پرسکون بناتے ہوئے کہا: ''لیکن میں تم سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ دشمنی نکالنے کے لئے اتنا بڑا کھراک پھیلانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر بدلہ ہی لینا تھا، تو وہ تم کہیں بھی لے سکتے تھے۔''

''میں تمہارا دشمن ہوں اور نہ تم میرے۔'' گوشی کے چہرے پر ایک دوستانہ مسکراہٹ عود کر آئی: ''میں تو قدم قدم پر تمہارے ساتھ رہا ہوں...... میں تمہارا ہمنوا ہوں، تمہارا ہم قدم ہوں...... دوست ہوں میں تمہارا...... بلکہ تمہارے جو دشمن تھے، میں نے ان کے مقابلے میں ہر ایک جگہ تمہاری مدد کی ہے۔''

''کیا مطلب......؟''میں چونکا: ''تم کہنا کیا چاہتے ہو......؟''

''ابھی بتاتا ہوں......'' گوشی نے نرم لہجے میں کہا۔

پھر وہ الوشا وغیرہ کی طرف گھوم کر بلند آواز سے بولا:

''میرے دوست ساون کے لئے کرسی پیش کرو۔''

فوراً ہی وہ سب کے سب آگے بڑھے اور ایک کونے میں رکھی ہوئی کرسی کی طرف جھپٹے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے ہوں۔ گوشی کا یہ معمولی سا حکم بھی ان کے لئے بڑی اہمیت کا حامل دکھائی دے رہا تھا۔

بہر حال کرسی آ گئی اور گوشی کے غلام دوبارہ اپنی اپنی جگہوں پر جا کر ساکت کھڑے ہو گئے۔ لاتعداد سوالات میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ گوشی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا، اس نے مجھے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''کیا یہ سب تمہارے ہی آدمی ہیں......؟''میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا۔ میرا اشارہ گوشی وغیرہ کی طرف تھا۔

''آدمی......!!'' گوشی عجیب سے انداز میں ہنسا: ''ہاں......اگر تم انہیں آدمی کہہ سکتے ہو، تو یہ واقعی میرے ہی آدمی ہیں۔''

''کیا مطلب......؟''میں اس کی بات سمجھ نہیں پایا تھا۔

''طلسم زاد تم نہیں ہو ساون...... بلکہ میں ہوں......'' اس نے ایک اور دھماکہ کیا: ''یہ سب کے سب انسان نہیں ہیں، بلکہ میرے بنائے ہوئے طلسمی پتلے ہیں۔ بہ ظاہر یہ تمہیں گوشت پوست کے دکھائی دے رہے ہیں......لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہیں......میں ان میں سے جس کو چاہوں، جس روپ میں چاہوں...... ڈھال سکتا ہوں۔ انہیں صرف میں ہی مٹا سکتا ہوں، یہ موت کے پابند نہیں ہیں......فلوریڈا کی مثال تمہارے سامنے ہے۔''

''اوہ......!!''میرے منہ سے نکلا: ''یعنی یہ تمہارے بیر ہیں؟''

''ہاں۔'' گوشی نے سر ہلایا: ''تم بہت عقل مند ہو ساون......اور اسی لئے شاید اس عظیم کام کے لئے تمہارا انتخاب کیا گیا ہے۔''

''کون سا کام......؟''میں چونکا۔

''وہی کام...... جس کی خاطر میں نے اتنا کھراک پھیلایا ہے......اور یہ کام صرف تم ہی کر سکتے ہو......صرف تم۔''

''تم خود نہیں کر سکتے......تم تو طلسم زاد ہو۔'' میں نے غور سے اسے دیکھا۔
''اگر میں کر پاتا......تو تم یہاں کیوں نظر آتے......؟ وہ کتاب پر اسرار انداز میں تم تک کیوں پہنچتی......؟ تمہیں یہ لوگ بار بار اغواء کیوں کرتے......؟''
''اوہ......تو یہ کام بھی تمہارا تھا......؟''
''ہاں......اگر میں ایسا نہ کرتا، تو اس کتاب کی اہمیت کیسے تم پر واضح ہوتی......؟ میں نے تم پر نفسیاتی حربہ آزمایا تھا......''
''لیکن اس کا مقصد کیا تھا......؟'' میں نے پوچھا۔
''صرف یہ کہ جب تم ایک طویل سفر کرنے کے بعد مجھ سے ملو، تو تمہارے پاس وہ کتاب موجود ہو۔'' وہ بھرپور انداز میں مسکرایا: ''تمہارے ساتھ اب تک جو کچھ ہوا ہے، میں اس میں ملوث رہا ہوں......ڈاکوؤں کے سردار کے منہ پر تم نے جو گھونسا مارا تھا......یاد ہے تمہیں......؟''
''وہ میں کیسے بھول سکتا ہوں۔'' میں نے کہا: ''اس گھونسے نے تو سردار کو چت کر دیا تھا۔''
''تمہارے اس گھونسے میں میری ہی طاقت شامل تھی۔'' گوشی نے انکشاف کیا: ''البتہ تمہارا ذہن اس کتاب کی طرف چلا گیا......اور یہی میں چاہتا تھا......یاد کرو......جب میں نے تمہیں اندھے کنوئیں میں دھکیلا تھا۔ تمہیں وہاں سے نکالنے والا بھی میں خود ہی تھا۔''
''لیکن تم نے ایسا کیوں کیا تھا......؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ رنگ محل میں کنور صاحب اور بن مانس والا ڈرامہ بھی تمہارا ہی ایجاد کردہ تھا......؟''
''بہت خوب ساون......!'' گوشی کی آنکھیں چمکنے لگیں: ''تم واقعی بہت ذہین ہو......''
''اب یہ بتاؤ کہ سادھو بابا کا کیا چکر تھا......؟ کیونکہ اصلی سادھو بابا کا دیہانت ہوئے دو برس گزر چکے ہیں۔'' میں نے پوچھا۔
''میں جانتا تھا کہ اپنی منزل کے تعین کے لئے تم اپنے سادھو بابا کا سہارا ضرور لو گے، اس لئے مجھے اپنا ایک طلسم وہاں ظاہر کرنا پڑا۔''
''اور تمہارے اس طلسم نے مجھے جو کہانی سنائی تھی......آشو کی بستی والی کہانی......جس کی بدولت میں کئی دنوں سے انتقام کی آگ میں جل رہا ہوں......کیا وہ بھی جھوٹ تھا......؟''
''ہاں......وہ سب بکواس تھی......دراصل تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا......وہ میں نے تمہاری قوت ارادی بڑھانے کے لئے کیا تھا......تاکہ تم آنے والے وقت کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو جاؤ......ان سب باتوں سے پہلے تم ایک عام سے انسان تھے، لیکن اب ذرا اپنے آپ پر غور

کرو..... تم اب عام انسان نہیں ہو..... تمہاری ذہنی اختراع عام انسانوں سے کافی بلند ہے۔“

”ہوں۔“ میں نے ہنکارا ابھرا: ”اب یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔“

”میں اب بھی تمہارا ہی بھلا چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا اور کرسی پر پڑی ہوئی بے ہوش اگنی کی طرف دیکھ کر دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوا:

”اس لڑکی کو دیکھ رہے ہو.....؟ تم اسے قربان کردو..... اس مقدس کتاب کے نام پر تمہیں اس لڑکی کو ذبح کرنا ہے..... اس کے بعد تم طلسم کی دنیا کے بادشاہ ہو گے..... اس دنیا میں جادو اور طلسم کے لئے تمہارا کوئی ثانی نہیں ہو گا..... تم ناقابل تسخیر ہو جاؤ گے۔“

”تم غلط کہہ رہے ہو گوشی۔“ میں نے پرسکون انداز میں کہا: ”دراصل تم اس عمل سے خود ناقابل شکست بن جاؤ گے..... تمہارے ان جادو کے پتلوں کی طرح میں بھی تمہارا آلہ کار ہوں..... فرق صرف اتنا ہے کہ میں ایک جیتا جاگتا انسان ہوں۔“

”یہاں تم اپنی ذہانت کا غلط استعمال کر رہے ہو ساون.....!“ گوشی جلدی سے بولا: ”وہ کتاب واقعی صرف تمہارے ہی لئے بنی ہے..... اور صرف اسی لڑکی کی قربانی رنگ لا سکتی ہے..... اس کے خون سے ہی اس مقدس کتاب میں چھپا ہوا طلسم سامنے آ سکتا ہے..... تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس لڑکی کی پیٹھ پر بھی ویسا ہی نشان موجود ہے..... جیسا کہ تمہاری پیٹھ پر ہے۔“

”اوہ۔“ میں نے چونک کر اسے گھورا: ”تم یہ بھی جانتے ہو.....؟“

”ہاں ساون..... مجھے تمہاری زندگی کے ایک، ایک پل کے بارے میں معلوم ہے..... اس لئے کہ تم ہی اس کتاب کے طلسم کھول سکتے ہو..... یہاں پر میں بھی مجبور ہوں۔“

”ہوں۔“

”کیوں مجبور ہو.....؟“

”اس لئے کہ یہ طلسم تمہارے لئے ہے۔“

”یہ تو بتاؤ کہ اس کتاب کا چکر آخر ہے کیا.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”بتادوں گا..... فکر مت کرو ساون.....! میں سب کچھ بتادوں گا..... بس اب وہ کام کر ڈالو..... جس کا میں کئی سالوں سے منتظر ہوں..... دیکھ لو..... میں نے کتنے جتن کرنے کے بعد تمہیں اس لڑکی سے ملایا ہے..... تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں نے کیا کیا پاپڑ بیلے ہیں۔“

”کیا گوپال بھی تم ہی ہو.....؟“ میں نے جلدی سے پوچھا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بولا:

''ہاں......وہ میں ہی تھا۔''

''سنا ہے کہ تم نے وہاں کسی پہلوان کو چیلنج کر دیا تھا؟''

''ہاں......یونہی تفریح میں......'' وہ لاپروائی سے بولا: ''اگر مقابلہ ہوتا تو وہ منہ کی کھاتا۔''

میں چپ ہو رہا۔ گوشی نے فوراً ہی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کتاب نکال لی، وہی کتاب...... جسے میں اب تک اپنی معاون سمجھتا رہا تھا۔ اس نے کتاب میری طرف بڑھا دی اور بڑے پیار سے مجھے اگنی کی طرف دھکیلا۔ ساتھ ہی اس نے اپنا مخصوص خنجر بھی نکال کر میرے ہاتھ میں تھما دیا:

''یہ لو......اڑا دو اس لڑکی کی گردن......تا کہ ہم دونوں اس طلسم اعظم کو حاصل کر سکیں......لو ساون......!''

میں نے ایک نظر گوشی کو دیکھا اور پھر بے ہوش اگنی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس کا چہرہ اس حالت میں بھی نکھرا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

پھر میں بڑے اطمینان سے گوشی کی طرف گھوما:

''مجھے افسوس ہے گوشی......میرے دوست......! میں یہ کام نہیں کر سکوں گا۔''

''کیوں......؟'' گوشی نے چونک کر پوچھا۔

''اس لئے کہ...... مجھے اگنی سے پریم ہو گیا ہے...... ہاں......تمہاری بدولت یہ در پردہ مجھ سے پریم کرتی رہی تھی، لیکن اب میں بھی محسوس کر رہا ہوں کہ اس کے بغیر میرا جیون ادھورا ہے...... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا گوشی......؟ اس معصوم لڑکی کو میرے سپنے دکھانے والے بھی تم ہی ہو نا......؟''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو......؟'' اس نے میرا سوال سنا ان سنا کر دیا: ''بھلا تمہیں ایک ہی ملاقات میں اس سے کیسے پریم ہو گیا......؟''

''پریم کے لئے تو ایک پل بھی کافی ہوتا ہے۔'' میں نے جواب دیا: ''میں اسے ہرگز قتل نہیں کر سکتا......اب یہ میرے جیون کا حصہ ہے۔''

''پاگلوں والی باتیں مت کرو ساون۔'' گوشی کا منہ بن گیا: ''کتاب کا طلسم ملنے کے بعد اس دنیا کی خوبصورت سے خوبصورت لڑکی تمہارے قدموں میں ہوگی......دولت کے خزانے تمہارے آگے منہ کھولے کھڑے ہوں گے......اب دیر مت کرو......چھری پھیر دو اس کے گلے پر...... فوراً''

''یہ نہیں ہو سکتا گوشی۔'' میں نے دوٹوک جواب دیا: ''البتہ تمہارے لئے میرا مشورہ ہے کہ تم

اس خنجر سے پہلے مجھے ذبح کرو......اور پھر اگنی کو بھی مار ڈالو......قصہ ختم۔''

یہ سن کر گوشی نے تیز نظروں سے مجھے گھورا اور سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے بولا:

''تو تم......اسے قربان نہیں کرو گے......؟''

''ہرگز نہیں۔ میں نے جواب دیا:''اگر تم اپنے طلسم کے ذریعے مجھ سے ایسا کروا سکتے ہو، تو کروالو۔''

''یہی تو ناممکن ہے۔'' وہ بے بسی کے سے عالم میں بولا:''ٹھہرو......تم ابھی مان جاؤ گے...... ایک اور مہرہ ہے میرے پاس...... جسے میں نے اس وقت کے لئے رکھ چھوڑا ہے...... جاؤ الوشا......الیاس کو لے آؤ۔''

الیاس کا نام سن کر میں چونک اٹھا۔ ادھر الوشا فوراً ہی دروازے کی طرف جھپٹا۔

''یہ کیا حرکت ہے......؟'' میں نے گوشی کو گھورا۔

''محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔'' اس نے مجھے آنکھ ماری۔ پھر سنجیدگی سے بولا:'' تم سمجھ نہیں رہے ہو...... کسی عظیم مقصد کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں...... یہ تو محض ایک لڑکی ہے۔''

''میں کہہ تو رہا ہوں کہ ہم دونوں ہی کو قربان کر دو۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔

اتنی دیر میں الوشا کی شکل دکھائی دی۔ اس کے ساتھ الیاس بھی تھا۔ الوشا نے اس کی کنپٹی سے ایک پستول بھی ٹکایا ہوا تھا۔ شاید اسی پستول کی وجہ سے الیاس کے چہرے پر خوف اور گھبراہٹ کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔

لیکن مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ سب کچھ بھول گیا۔ اس کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی:''ارے ساون......تم بھی یہاں ہو......؟ کون ہیں یہ لوگ......؟'' وہ آنکھیں چاروں طرف گھما کر بولا:''تم یہاں کیسے نظر آ رہے ہو...... یہ مجھے یہاں کیوں لے کر آئے ہیں......؟''

''یہ میرے دشمن ہیں۔'' میں نے بتایا:''اور یہ لوگ تمہیں ہتھیار بنا کر مجھ پر استعمال کرنا چاہتے ہیں......اگر میں نے ان کی بات نہ مانی، تو یہ لوگ تمہیں جان سے ماردیں گے۔''

''اوہ۔'' اس کے منہ سے نکلا:''اور ان لوگوں کا مطالبہ کیا ہے......؟''

''اس لڑکی کو دیکھ رہے ہو......؟'' میں نے اگنی کی طرف اشارہ کیا:''یہ چاہتے ہیں کہ میں اسے ہلاک کر دوں......اسے جان سے مار دوں۔''

''عجیب بے وقوف ہیں یہ لوگ۔'' الیاس کے منہ سے نکلا:'' خود کیوں نہیں مار دیتے

اسے......؟''

سچویشن ایسی تھی کہ مجھے بے ساختہ اپنی ہنسی کا گلا گھونٹنا پڑا۔ الیاس نے بڑی سادگی سے ایک کھری بات کہی تھی۔

گوشی کا منہ بن گیا تھا۔

''یہ بات تمہارے پلے نہیں پڑے گی......'' میں نے کہا۔

''اب بولو مسٹر ساون......!'' گوشی نے دخل دیا: ''تم لڑکی کو قربان کرتے ہو، یا میں الوشا کو حکم دوں کہ وہ الیاس کی کنپٹی پر رکھے ہوئے پستول کا ٹرائیگر دبا دے...... بولو''

''تم ایسا مت کرنا ساون......!'' الیاس نے بلند آواز سے کہا: ''اگر یہ لوگ مجھے مارتے ہیں، تو مارنے دو...... مرنا تو ایک دن ہے ہی...... میں آج مر جاؤں گا تو کون سا فرق پڑے گا...... تم کیوں اتنی حسین اور معصوم لڑکی کی جان لو...... مرنے دو مجھے۔''

''ہاں ساون...... بولو......!'' گوشی نے پھر پوچھا۔

''آں۔'' میں نے خالی خولی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

میرے لئے فیصلہ کرنا بے حد مشکل تھا۔ ایک طرف دیرینہ دوست تھا، جو حالات معلوم کئے بغیر ہی اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے تیار تھا۔ دوسری طرف میرے من کے تاروں کو چھونے والی پہلی لڑکی آگئی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ اسے دیکھتے ہی میرے دل میں اس کے لئے ایسا خانہ کھل گیا تھا، جہاں ابھی تک کسی نے بھی قدم نہیں رکھا تھا۔

''میں تین تک گنوں گا۔'' گوشی نے دھمکی دی: ''اگر تم نے جواب نہیں دیا تو میں الوشا کو گولی مارنے کا حکم دے دوں گا۔'' میں نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے، میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا، لیکن اس صورت حال کا کوئی حل دور دور تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''ایک۔'' گوشی نے زبان کھولی۔

میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ میں نے گھبرا کر الیاس کی طرف دیکھا، اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ ''دو۔''

گوشی کا انداز ڈرامائی ہو گیا اور اس سے پہلے کہ وہ گنتی مکمل کرتا، الیاس بول اٹھا: ''ایک منٹ۔''

''کیا ہوا......؟'' گوشی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا: ''بس...... نکل گئی ہوا......؟''

''نہیں...... یہ بات نہیں ہے۔'' الیاس نے جواب دیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے: ''دراصل میں مسلمان ہوں......اور مسلمان ہمیشہ آخری وقت میں اپنے مالک...... اللہ کو یاد کرتا ہے......کیا تم مجھے اس بات کی اجازت دو گے کہ میں اپنی زندگی کی آخری سانسوں میں اپنے اللہ کو یاد کرلوں......؟''

''اتنی مہلت تو تمہیں ضرور ملے گی۔'' گوشی نے فراخدلانہ انداز میں سر ہلا کر کہا: ''اور ہوسکتا ہے کہ ساون اس دوران میں کوئی اچھا سا فیصلہ کرلے جو اس کے حق میں بہتر ہو......!''

''شکریہ......'' یہ کہہ کر الیاس نے اپنی قمیض کی جیب سے ایک چھوٹی سی کتاب نکالی اور اسے ادب سے چومنے لگا۔

''اوہ......! تمہارے پاس بھی کتاب ہے......؟'' گوشی کے منہ سے نکلا۔

''یہ رب العزت کا کلام ہے......سورۃ الرحمٰن ہے یہ......'' الیاس نے وضاحت کی: ''آخری گھڑی میں رب کو ہی یاد کرنا چاہیے......''

''پڑھو...... پڑھو......'' گوشی ہنسا: ''میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ساون کو سوچنے کا بہانہ مل جائے۔''

''گوشی......!'' میں نے اچانک کہا: ''اگر میں تم پر کسی طرح موقع دیکھ کر حملہ کردوں...... تو......؟''

''فضول سی بات ہے......'' گوشی نے منہ بنایا: ''ایسی حرکت کے بارے میں سوچنا بھی مت......میرے گرد طلسمی جال ہے...... جان گنوا بیٹھو گے۔''

میں چپ ہو رہا تھا۔ اتنی دیر میں الیاس کی خوش خواں آواز کمرے میں گونجنے لگی۔ یہ میرے جانے پہچانے شبد تھے، کیونکہ میں اکثر الیاس کو اس کے فلیٹ میں یہ کلام پڑھتے ہوئے سن چکا تھا۔

وہ پڑھ رہا تھا اور گوشی لاپروائی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ الوشا ساکت کھڑا تھا، اس کا پستول بدستور الیاس کے سر پر رکھا ہوا تھا۔ اور پھر ایک عجیب ترین بات ہوئی، جیسے ہی الیاس خاموش ہوا، الوشا کے ہاتھ سے پستول چھوٹا اور وہ بری طرح تڑپنے لگا۔

گوشی اچھل پڑا، عین اسی سمے نقلی سادھو بابا، فلوریڈا، گاسنی اور اس بوڑھے کے شریر بھی اپنی جگہوں سے سرکنے لگے۔ ان کے شریر رقص کے سے انداز میں تھرک رہے تھے۔

گوشی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ میں اور الیاس بھی کم حیران نہیں تھے۔

اور پھر جیسے ہی گوشی نے قدم آگے بڑھائے۔ اس کے بنائے ہوئے طلسمی پتلوں میں آگ بھڑک اٹھی۔ یک بیک ہی یہ عمل ہوا تھا۔ الوشا، فلوریڈا، بوڑھا، سادھو بابا اور گاسنی...... ان میں

سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہا تھا۔ان سب کے چہروں پر شدید کرب کے آثار تھے۔حیرت کی بات یہ تھی کہ ان کے شریر سے اٹھنے والی آگ میں نہ دھواں تھا اور نہ بدبو......

یک بیک گوشی پاگلوں کی طرح چلانے لگا:

''یہ......یہ نہیں ہو سکتا......یہ نہیں ہو سکتا......''

''ہم......ہم......جا رہے ہیں آقا......ہم......جا رہے ہیں......'' الوشا وغیرہ نے یک زبان ہو کر کہا اور پھر ان کے جلتے ہوئے شریر یک دم ہی غائب ہو گئے۔

یہ منظر دیکھ کر الیاس پر تو سکتہ ہی طاری ہو گیا تھا۔اس نے ہاتھ بلند کر لئے اور دعا کے انداز میں بولا: ''یا اللہ......اے مالک......! تو ہی بہتر کرنے والا ہے۔''

''خاموش......!'' گوشی کی آواز نے کمرے کو دہلا دیا۔وہ بے حد خون خوار نظروں سے الیاس کو گھور رہا تھا۔

اس کے چہرے پر دیوانگی اور وحشت کے آثار تھے۔وہ پھر دہاڑ کر بولا:

''کون ہے تو......؟ سچ سچ بتا دے......تو نے میرا طلسم خاک میں ملا دیا......میری برسوں کی محنت پل بھر میں برباد ہو گئی......آہ......یہ تو نے کیا کر دیا......اب میں مقدس کتاب کے طلسم سے بھی محروم ہو گیا......اف......''

''تم خواہ مخواہ مجھے باتیں سنا رہے ہو۔'' الیاس جھنجلا سا گیا: ''خدا کی قسم میں نے کچھ نہیں کیا......بلکہ میں تو خود پریشان ہوں کہ یہ کیا ہوا......! میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھو......دل کیسا دھکڑ دھکڑ کر رہا ہے۔''

یہ کہہ کر الیاس واقعی آگے بڑھا اور اس نے گوشی کا ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔میرے منہ سے بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔گوشی نے فوراً ہی مجھے گھور کر دیکھا اور تیز لہجے میں بولا: ''مذاق اڑا رہے ہو میرا......؟ میری زندگی بھر کا سرمایہ لٹ گیا......اب......میں اپنے استاد کو کیسے منہ دکھاؤں گا......؟''

''کون استاد......؟'' الیاس نے چونک کر پوچھا۔

''شیطان......'' گوشی کے بجائے میں بول پڑا: ''اس کا استاد شیطان ہے......یہ اسی کا چیلا ہے......''

''لاحول ولاقوۃ......'' الیاس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''پھر کوئی طلسم پڑھ رہے ہو......؟'' گوشی نے اسے گھورا: ''میرا طلسم تم نے ختم کر دیا......اب کیا مجھے بھی مار ڈالو گے......؟''

''اب کیا کرنا ہے دوست......؟'' میں نے گوشی کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ مارتے ہوئے پوچھا: ''جو ہونا تھا......سو ہو گیا......اب تمہارا کیا پروگرام ہے......؟''

''دل تو چاہ رہا ہے کہ تم لوگوں کو قتل کر دوں......'' گوشی کا لہجہ زہر خند تھا: ''لیکن مسئلہ اس سے بھی حل نہیں ہوگا......اب بہتر یہ ہے کہ تم لوگ اس لڑکی کو اٹھاؤ اور یہاں سے دفع ہو جاؤ......''

''اتنی بدتمیزی تو مت کرو پیارے بھائی......!'' الیاس نے تیکھے لہجے میں کہا: ''پیار سے بولو گے تو جان بھی حاضر ہے۔''

''چلے جاؤ یہاں سے......جاؤ......'' وہ پھر دہاڑا۔

''اور......اس کتاب کا کیا کرنا ہے......؟'' میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''لاؤ......مجھے دو......'' گوشی نے کتاب میرے ہاتھ سے جھپٹ لی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے پھاڑ کر کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر اس نے اپنے بال نوچ ڈالے اور نیم بے ہوشی کے عالم میں فرش پر بیٹھتا چلا گیا۔ میں نے ایک طویل سانس لی اور اگنی کی طرف بڑھا، جو اب بھی گرد و پیش سے بے خبر کرسی پر ساکت پڑی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

اکثر کہانیوں کے کردار، کہانی کے اختتام پر یا تو گمنام ہو جاتے ہیں یا پھر دھرتی سے کوچ کر جاتے ہیں۔

لیکن میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوا، میں زندہ ہوں......البتہ ایک عام سی سادہ زندگی گزار رہا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی اصل جیون ہے۔

میں نے اگنی سے شادی کر لی ہے، وہ خود جتنی خوبصورت ہے......اتنے ہی خوبصورت اس کے وچار بھی ہیں۔ پراسرار کتاب کے بدلے میں بھگوان نے مجھے یہ تحفہ دے دیا ہے، اگنی بہت اچھی پتنی ثابت ہوئی ہے......آئیڈیل پتنی......!

رہی بات پراسرار کتاب کی......تو جناب......!اس پراسرار کتاب کا راز دار گوشی تھا......اس لئے وہ راز اسی کے سینے میں دفن ہو گیا۔

گوشی مرا نہیں، زندہ ہے......لیکن اب نہ تو اسے زندوں میں شمار کیا جا سکتا ہے اور نہ مردوں میں......اپنے طلسم کے ختم ہو جانے کا اسے اتنا دکھ ہوا کہ وہ اپنے ہوش و حواس ہی کھو بیٹھا۔

میں ان دنوں الیاس کی معاونت سے دین اسلام پر تحقیق کر رہا ہوں اور دنیا بنانے والے سے میری پرارتھنا ہے کہ وہ مجھے سیدھا اور سچا راستہ دکھا دے......کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ میں سورۃ

الرحمٰن سے بہت متاثر ہوا ہوں...... میں نے الیاس کے ذریعے کئی مرتبہ اس کلام کو سنا ہے اور مجھے یوں لگا جیسے یہ واقعی کسی بردبار اور بزرگ و برتر ہستی کا کلام ہے...... ایسی ہستی...... جو مہربان ہو......اور دنیا کو انسانیت اور امن و شانتی کا گہوارہ بنانا چاہتی ہو......

الیاس اب تک الجھن کا شکار ہے...... خاص طور پر اس پراسرار کتاب کے سلسلے میں...... لیکن بھلا میں اسے کیا بتاؤں......؟

گوشی سینٹرل جیل کی ایک کال کوٹھری میں قید ہے...... وہ تو پہلے ہی گاؤں میں ہونے والے شیطانی چکر اور معصوم لڑکیوں کے ذبح کرنے کے گھناؤنے جرم میں پولیس کو مطلوب تھا۔ لیکن وہ قدرت کی طرف سے ملنے والی سزا بھی تو بھگت رہا ہے۔ اگر اسے جیل کی کوٹھری سے نکال بھی دیا جائے، تو وہ کیا کر سکتا ہے......؟

قدرت نے اس سے سوچنے سمجھنے اور بولنے کی صلاحیتیں چھین لی ہیں۔ یہ اس کے بھیانک اور سفاک کرتوتوں کی معمولی سی سزا ہے۔ وہ ایک کونے میں اکڑوں حالت میں بیٹھا رہتا ہے ......بالکل کسی مجسمے کی طرح......اور اسی حالت میں سارا سارا دن گزر جاتا ہے۔

میں اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں...... اپنے متعلق...... کتاب کے متعلق...... لیکن کیا کروں......؟ کیسے پوچھوں......؟ میں کبھی اس سے ملنے کے لئے چلا جاتا ہوں تو وہ مجھے پہچانتا ہی نہیں ہے...... بس خالی خولی نظروں سے مجھے دیکھتا رہتا ہے...... اس کی آنکھوں میں مجھے دنیا بھر کی وحشت سمٹی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا پر حکومت کرنے کا خواب دیکھنے والوں کا ایسا ہی انجام ہوتا ہو......کیا خیال ہے آپ کا......؟

یہ تھی گوشی کے خودساختہ ”طلسم زاد“ کی کہانی، اب مجھے اجازت دیجئے! ساون کمار شرما۔

......(ختم شد)......